ردا ڈائجسٹ

JUNE
201[illegible]

ماڈل: منال

[illegible]

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے



جون 2015ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 6

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے



34535726

پبلشر و ایڈیٹر صائمہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۴۹ اردو بلاک ـ 2 ـ پی ـ ای ـ سی ـ ایچ ـ سوسائٹی کراچی



صبا محمود

زندگی موسم کی طرح ، ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ وقت کی رفتار بھی نہیں رکتی، کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا۔ ایک اٹل حقیقت ہے ۔ ہر صبح کی شام ہوتی ہے۔ ہر شام کے بعد اندھیرا۔ ہر آنگ کی بھی کہانی ہے ، موسموں کے چہروں میں ، بہ کو وہ جھیل کی کہانی بھی ہوتی ہے۔ انسان کی سکوت پسندی جب ابھر کر سامنے آتی ہے تو کوئی ادب تخلیق پاتا ہے ۔ خوشی اور غم دونوں کا انسان ہوتا ہے۔ اس طرح کہیں محبت جلتے ہوئے صحرا کی آگ میں بھی پھول کھل اٹھتے ہیں اور کہیں محبت سے پھول کھلا بھی جاتے ہیں۔ یہ آنسو سے زندہ پودوں کی ایک شان ہے۔ جس میں ہر ایک انسان کی کہانی ہے۔

ملک میں ہولناک تباہیوں کا ایک تصور پھیلتا جا رہا ہے ۔ جب تمام ممالک میں جرائم کا ذکر عام ہے ۔ جس میڈیا کی منفی خبر اطلاعات نے عوام کو ذہنی پریشانیوں سے دوچار کر رکھا ہے۔ کوئی دوسری احتیاط اختیار کی جائے تاکہ جانی اور مالی نقصان سے بچا جا سکے۔ یا خدا ان مشکلات نے ہمیں اپنے آپ سے بھی دور کر دیا ہے۔

. چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ سایہ شجر بھی مرجھانے مرجھانے دکھائی دے ۔ آپ ایسے میں آپ کے قلم کی حوصلہ افزائی بھی اہم بات ہے لکھتے وقت ہمیشہ اپنے آپ سے یہ سوال کریں کہ جو کچھ آپ لکھ رہے ہیں دوسروں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ لکھنے والا خود زندگی کے حالات اور وقت کا تعین کر پاتا ہے لکھتے وقت مثبت سوچ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ دکھ اور خوشی بھی زندگی کا اہم حصہ ہیں اور اس کے اظہار سے بہتر کرنے سے محبت یا خوشی کی بات لکھتے ہوئے اندر سے انسان خوش رہتا ہے۔ دکھ کے بعد خوشی کا اظہار لازمی ہے۔ کہانی کا تجربہ ہوتا ہے۔ تحریر وہی اچھی ہوتی ہے۔ جس کو پڑھ کر آپ بہتر محسوس کریں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ حالات بہتر کی جگہ بیچتا نہیں سے خود کو الگ رکھیں۔

اگلا شمارہ جولائی کا عید نمبر ہوگا جو کہ رمضان میں مل جائے گا۔ ماہ رمضان کی برکتوں سے آپ لطف اندوز ہوں لیکن دوسروں کے لیے بھی اس کا اہتمام کریں۔ یقین رکھیں آپ کی سہولت دوسروں میں پیار بانٹ دے گی۔

افسانہ نگار زوبیہ کی والدہ کا رضائے الہٰی سے پچھلے دنوں انتقال ہوگیا۔ خدا ان کے درجات بلند کرے، ان کی لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ تمام قارئین اور اراکین ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

آپی

عید سروے

1. عید 2015ء کے لیے کیا خاص پلاننگ کی ہے؟ 2. عید کا خیال آتا ہے کس کا؟ 3. عید کے حوالے سے کوئی یادگار بات یا سرد بہ قائمہ۔ 4. ان کے گھر سے پہلی عید پر کیا آیا تحفہ؟ 5. عید کے دن میزبان بننا زیادہ اچھا لگتا ہے یا مہمان بننا۔ 6. عید کے دن سب سے زیادہ عیدی کا ان کا کتنا ہے۔ 7. میکے اور سسرال کی عید میں کیا فرق ہے؟ 8. عید کے دوسرے دن خود کو کیا کرنا ہے، کیا ناشتہ کرتی ہیں؟ 9. عید پر پہلی دفعہ کس کی تمنا ہے؟ 10. عید کی پیارا تحفہ کیا ہے؟

نوٹ: تمام سوالوں کے مختصر جوابات تحریر کریں۔ دعا میں لانے سے پہلے جوابات بھیجیں۔

رو بہ رو

غصے پر قابو پانا
اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو

پیار، محبت، خوشی ، مسرت، غصہ ، نفرت ، غیظ و غضب یہ تمام جذبات انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ ہیں۔ ان کا مناسب اظہار ہی انسان کو ایک کامیاب شخص بناتا ہے، یعنی معاشرے میں وہی شخص صاحب اخلاق کہلاتا ہے جو اپنے جذبات کا مناسب موقع پر اور مناسب طریقے سے اظہار کرتا ہے۔ ان تمام انسانی جذبات میں غصہ سے زیادہ منفی جذبہ غصے کا اظہار ہے۔ جو نہ صرف انسان کی عقل کو وقتی طور پر مفلوج کرتا ہے بلکہ اس کے حواس کو بھی معطل کر دیتا ہے۔ "غصہ انسان کو بے قابو کر کے اس کے جامۂ انسانیت سے باہر کر دیتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں بالکل حیوانی صفت ہے کہ جس سے مغلوب ہو کر انسان وہ کچھ کر بیٹھتا ہے جو عام حالات میں کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ غصے کا غیر مناسب اظہار ایک منہ زور اور بے لگام گھوڑے کی طرح ہے جو انسان کو تخت سے تختہ دار پر لا پٹختا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غصے کی ابتدا حماقت سے اور انتہا ندامت پر ہوتی ہے۔

غصہ کی طاری ہونے والی کیفیت کو ایک حدیث مبارک میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ "غصے کی حالت میں انسان کی آنکھیں لال اور رگیں پھول جاتی ہیں، تم میں سے جس کو غصے کا احساس ہو، اسے چاہیے کہ وہ زمین سے چمٹ جائے۔" (جامع ترمذی)

غصے پر قابو پانا حالت غیظ و غضب میں ضبط و برداشت سے کام لینا، یہ سرخ غصے کا علاج ہے کہ

باوجود قدرت کے انتقام نہ لینا اور لوگوں کو معاف کر دینا متقین کی صفات میں سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "وہ اپنے غصے کو دبا لیتے ہیں، لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیک اعمال کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (سورۃ آل عمران) ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا: "اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔" (سورۃ الشوریٰ)

آیت مذکورہ کی مزید وضاحت اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے میرے رب! آپ کے نزدیک آپ کے بندوں میں سے کون سب سے پیارا ہے؟ فرمایا: وہ جو انتقامی کارروائی کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔" (مشکوٰۃ)

سرور عالم ﷺ کی حیات مبارکہ حسن اخلاق و حسن معاشرت کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی سے بے شمار ایسے واقعات وابستہ ہیں کہ جب آپ ﷺ نے اختیار و قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیا۔ واقعہ طائف ہو یا صلح حدیبیہ ، فتح مکہ ہو یا جنگ احد آپ ﷺ نے ہر جگہ مثالی اخلاقیات کا مظاہرہ فرمایا۔ غرض یہ کہ کسی کے خلاف بھی اشتعال انگیز رویہ اختیار نہیں فرمایا۔

رحمت عالم ﷺ ایک یہودی کے مقروض تھے۔ وہ یہودی طے شدہ مدت سے چند روز قبل ہی تقاضا کرنے آ گیا۔ اس نے نہایت بدتمیزی اور غیر شائستگی سے آپ ﷺ کی چادر کھینچی کہ آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی اور دامن کھینچ کر سخت غصے کے لہجے

میں اپنے قرض کا تقاضا کرنے لگا۔ اس بدتمیزی پر حضرت عمرؓ برانگیختہ ہو گئے قریب تھا آپ یہودی کو رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی سزا دیتے مگر رحمت اللعالمین ﷺ جو مملکت اسلامیہ کے سربراہ بھی تھے۔ آپ نے اس گستاخ سے صرف اس قدر فرمایا کہ "ابھی تو وعدے میں تین دن باقی ہیں۔" قربان جایئے۔ اس لطف و کرم پر کہ تمام اختیارات رکھنے کے باوجود رحمت عالم ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ غرض غصہ، غیظ و غضب وہ شیطانی عمل ہے جو انسان کے ایمان و ایقان تک کو متاثر کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ "یقیناً غصہ ایمان کو اس طرح خراب کرتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔" (مشکوٰۃ بیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "غصہ نہ کیا کرو" اس شخص نے کئی دفعہ اس سوال کا اعادہ کیا۔ آپ ﷺ نے ہر بار یہی فرمایا کہ "غصہ نہ کیا کرو۔" حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے اندر سے اٹھنے والے غصے کا گھونٹ پی جانے سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ نہیں۔ (ابن ماجہ باب الحلم)

اسی طرح ایک حدیث مبارک میں غصے کو برداشت کرنے اور پی جانے کا اجر اور اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: "جو شخص اپنے غصے کے نفاذ پر قادر ہو اور وہ غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے لوگوں کے روبرو بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی جس حور کو پسند کرے اسے اپنے لئے چن لے۔" حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں، جو لوگوں کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔" (صحیح بخاری)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر میں دور ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی دور ہو جاتا ہے۔ جس دیر دیر کا اور جلدی جلدی کا کفارہ ہے اور اچھے وہ لوگ ہیں جنہیں غصہ دیر میں آئے اور جلدی دور ہو جائے اور برے وہ لوگ ہیں جنہیں غصہ جلدی آئے اور دور دیر میں ہو۔" (ترمذی)

سرور عالم محسن انسانیت ﷺ نے غصے جیسے غضب ناک اور آتش ناک جذبے سے اجتناب کے لئے نہایت سہل علاج تجویز فرمائے ہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھ جائے۔ اس پر بھی اگر غصہ دور نہ ہو تو بہتر ہے لیٹ جائے۔" (سنن ابوداؤد) حضرت سلیمانؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے دو آدمی ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ ایک ان میں سے دوسرے کو غصے میں گالیاں دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور پھر فرمایا: "مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اسے پڑھے تو یہ غصہ جاتا رہے اور وہ یہ ہے کہ وہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" کہے۔" (صحیح بخاری)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "غصہ شیطانی اثر کا نتیجہ ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ آگ صرف پانی سے بجھتی ہے۔ تو جسے غصہ آئے، اسے چاہئے کہ وضو کرے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں غصے کے نقصانات اور تباہ کاریوں سے بچائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مبارک تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 19

تیرے پیار کی خوشبو

عارفین کو غصہ تو بہت آیا دل تو شدت سے چاہا کہ نہ صرف ٹھیک ٹھاک سنا دے بلکہ درانی کی بدتمیزی پر اس کا ریشہ ریشہ الگ کر دے مگر وہ درانی ان کے گھر پہلی دفعہ آئے تھے، اس لیے ترک ہو گیا تھا۔



کھڑی معصوم جس نے عارفین کی چوڑی پشت کو سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ بغور اسے سن رہی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ وہ اب محفوظ ہے عارفین اسے کچھ نہیں ہونے دے گا۔

"چلو معصومہ!" عارفین نے گھوم کر سہمی ہوئی معصومہ کی کپکپاتی کلائی تھامی اور وہاں سے اسے اپنے بیڈروم میں لے آیا تھا۔

"ایلڈا آپ نے اسے ایسے کیوں جانے دیا؟" یاور درانی غصے سے ان کے پیچھے جانے لگا تھا کہ اسفند درانی نے اس کو روک دیا تھا۔ وہ اور غصہ ہو گیا تھا۔

"ریلیکس مائی سن ریلیکس۔" اسفند درانی نے ایک نظر بیڈروم کا بند دروازہ دیکھا پھر یاور درانی کو دیکھا تھا۔

"تم ایک کام کرو کینیڈا سے شادی کی تصویریں، مووی اور نکاح نامہ سب ارجنٹ منگواؤ یہ عارفین خاصی



وہ غمگین ہو تو ماں کی زم و گرم آغوش کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ وہ سکون حاصل کرنے کے لیے اپنی ماں کی آغوش میں چھپ کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

ڈالے بیڈ شیٹ چینج کر کے پیچھے ہی مڑی تھی جب بالکل پیچھے زرنیل کھڑا تھا۔ ان سرمئی آنکھوں میں جانے کیا چھپا ہوا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ اس کے ہاتھ سے نہ صرف میلی بیڈ شیٹ کارپٹ پر گری تھی بلکہ زرنیل نے یوں اچانک پیچھے کھڑے ہو کر اسے چونکا دیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی تو زرنیل نے اس کا مضبوط بازو پکڑ لیا تھا مگر خود کو سنبھال ہی نہیں سکی اور زرنیل نے ایسی کوئی کوشش کی تھی وہ بیڈ پر گری تو زرنیل نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو کا حصار کھینچ دیا تھا۔

"مری کے ہوٹل میں گزارے تمہارے ساتھ وہ دن وہ راتیں یاد آتی ہیں تو دل کرتا ہے اپنے ساتھ ساتھ تمہاری ہستی بھی مٹا دوں۔ کاش اپنی زندگی کے اوراق میں سے یہ صفحے پھاڑ کر جلا سکتا۔ کبھی کبھی تو سوچتا ہوں میری محبت میری چاہت کی۔ میری قربت و رفاقت کے تم قابل تھیں ہی نہیں، تم جیسی بے حس خود غرض مفاد پرست لڑکی سے محبت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔" ان سرمئی کانچ میں اتنا زہر اتنا غصہ اتنی کڑواہٹ تھی وہ سب الگ بات تھی۔

نفرت وہ بھی شدید نفرت...... وہ کیسے اس کا بوجھ سنبھال سکے گی۔ وہ تو یہی سوچ سوچ کر گھٹ گھٹ کر مر جائے گی کہ زرنیل اسے بے وفا سمجھتا ہے۔

"اتنی نفرت کرتے ہیں آپ مجھ سے۔" اس کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہونہہ نفرت......" وہ طنزیہ ہنسا تھا اور اس کے چہرے پر آئی چند بکھری الجھی لٹوں کو اپنی انگلی میں لپیٹنے لگا تھا اور بغور ان سبز جھیل میں جھانکنے لگا تھا۔

"یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔ تم تو اس سے بھی زیادہ کی حقدار ہو۔"

بس اس کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی تھی اس سے پہلے کہ ان سبز جھیل جیسی آنکھوں سے ایک سمندر بہنے لگے جس کی اس دشمن جاں کی نظروں میں ایک کوئی قدر نہیں وہ کیوں اب اس کے سامنے خود کو مزید رسوا کرلے۔ اس نے ان نفرت بھری سرمئی آنکھوں سے بچنے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"آنکھیں..... آنکھیں......" زرنیل نے فوراً ٹوکا تو اس نے آنکھیں کھول دیں مگر ان میں ناچتے ہوئے بھی نمی ہی بھر لے آئی تھی۔

"کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرہ نہیں ٹل جائے گا۔ میری تکلیف کا اذیت کا ایک ایک حساب دینا ہوگا تمہیں، جتنا درد مجھے ہے اس سے دوگنا تمہیں سہنا ہوگا۔ چاہے اس میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے مگر تمہیں ان سب سے پہلے مجھے میرا بچہ چاہیے۔"

وہ اس پر جھکا تھا اور اس کے لبوں پر اپنی نفرت کی ایک مہر ثبت کر دی تھی۔ اس نفرت کی شدت اس نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔ زرنیل اٹھا اور وائٹ ہیئر کے سہارے چلتا ہوا واش روم میں چلا گیا تھا۔

ڈالے نے اپنے لبوں پر ہاتھ پھیرا تو انجانے میں خون کی معمولی سی بوند چپکنے لگی تھی۔ زرنیل نے اس کا ہونٹ زخمی کر دیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو لیے بمشکل اس نے اپنے وجود کا بوجھ اٹھایا تھا اور ہارے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔

☆...☆

ٹیڑھی کھیر ہے اور جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔"

ان کے ذہن نے ابھی ابھی سارا سازشی پلان بنا لیا تھا۔ ہونٹوں پر مکروہ اور پراسرار مسکراہٹ لیے وہ واپسی کے راستے پر ہو لیے اور ان کے پیچھے داور درانی چل دیا تھا۔

☆...☆

وہ بیتے دن یاد ہیں
وہ پل چھن یاد ہیں
گزارے تیرے سنگ جو!

ڈالے بیڈروم کی صفائی کر رہی تھی۔ زرنیل بیک گراؤنڈ سے ٹیک لگائے اسٹیریو پر بجتا فل والیم میں سن رہا تھا اور وہ یہ گانا فل والیم میں بجتا ہوا سن رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔ مری کے ہوٹل میں گزارے اس کے ساتھ وہ دن وہ راتیں بھلا وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ وہی وہ دن تو تھے جنہوں نے اس کی پوری زندگی بدل دیا تھا۔ اس کی زندگی بدل دی تھی۔ اس کے دل میں زرنیل کے لیے محبت ہی محبت آباد کر دی تھی۔ اس نے چپکے سے ایک نظر زرنیل پر ڈالی تھی۔ وہ آنکھیں موندے شاید انہی لمحوں کی کھائی میں کھویا ہوا تھا۔

وہ باتیں سب یاد ہیں
وہ راتیں سب یاد ہیں
بتائے تیرے سنگ جو

ڈالے کے دل میں ہوک سا درد اٹھا تھا۔ آج زرنیل جس حالت میں تھا تو اس کی وجہ صرف اور صرف وہی تھی۔ وہ شاید یونہی یک ٹک زرنیل کو تکتی رہتی اگر اچانک سے زرنیل نے آنکھیں نہ کھول دی ہوتیں۔ وہ بری طرح سے گڑبڑا کے رہ گئی تھی اور پھر سے ڈریسنگ ٹیبل کی صفائی کرنے لگی تھی۔ زرنیل نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ شیشے میں اس کے عکس سے بہت سی یادیں مزید گہری ہوتی چلی گئی تھیں، جن سے اب تکلیف ہونے لگی تھی۔

"زخم اتنے گہرے ہیں کہ شاید ہی مندمل ہوں، جسم کے ان زخموں سے زیادہ تو روح پر گھاؤ لگے ہیں، جن سے ابھی بھی لہو رستا ہے اور ان سب کی وجہ سامنے کھڑی ڈالے ہے۔"

اسٹیریو ابھی بھی چل رہا تھا۔ جس کی فل والیم سے پورے کمرے کے در و دیوار گونج رہی تھیں۔ ڈالے نے پورے بیڈروم کی صفائی کر دی تھی سوائے بیڈ شیٹ چینج کرنے کے، ہمت کر کے وہ بیڈ کی طرف بڑھی۔

"زرنیل! وہ مجھے بیڈ شیٹ چینج کرنی ہے۔" ہاتھ میں بیڈ شیٹ لیے سر کو نگاہوں کو جھکائے اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

زرنیل کے دل میں جانے کیا آیا اس نے سائیڈ ٹیبل سے کھڑی اپنی اسٹک اٹھائی اور آہستگی سے کھڑا ہوا تھا اور اس پر ٹیک لگا دونا آرام آرام سے چلتا ہوا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ ڈالے نے جلدی سے بیڈ شیٹ چینج کی تاکہ زرنیل آرام سے پھر بیڈ پر لیٹ جائے۔ ارادہ تھا کہ بیڈ شیٹ چینج کر لے اور کمرے سے باہر چلی جائے کیونکہ زرنیل نے یہ گانا پھر سے اسٹارٹ کر دیا تھا۔

رضا بھی حرا کے ساتھ سامنے کسی بچے کی برتھ ڈے پارٹی میں گیا ہوا تھا۔ عارفین بھی کچھ دیر پہلے زرنیل سے کافی باتیں کر کے چلا گیا تھا۔ وہ بھی اپنا سارا کام ہنسا کے اوپر جگنے کے پاس جانا چاہتی تھی۔ سادنا اکر اور اس

اسفند درانی اور یاور درانی آج تین دن بعد پھر آئے تھے اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے وہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ وہ یقین نہیں کرتا مگر کیسے نہیں کرے یہ سب اپنی آنکھوں سے جو دیکھ رہا تھا تو کسی شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔

"نہیں... عارفین! یہ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے یہ سب ان دونوں کی چال ہے۔" معصوم عارفین کے پاس آئی اور اس کا مضبوط ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"عارفین! میرا یقین کریں یہ سب بالکل سچ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی چال ہے مجھے یہاں سے لے جانے کی۔ عارفین آپ سمجھ رہے ہیں ناں۔" وہ سسکتی ہوئی عارفین کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"وہ نہیں سنے گا تمہاری کہانی کیونکہ عارفین نے یہ سب حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔ وہ تمہارا یقین نہیں کرے گا۔" یاور درانی نے تنفر سے مسکراتے ہوئے بلکتی ہوئی معصوم کو دیکھا تھا۔ عارفین نے ایک نظر یاور درانی پر ڈالی پھر معصوم کو دیکھا جس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اپنے ہاتھ سے ہٹاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یاور درانی نے اپنے باپ اسفند درانی کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اسفند درانی نے اشارہ کر دیا۔

"چلو اب بہت ہو گئی ہے یہ ڈرامہ بازی ختم کرو۔ اٹھو [illegible] کے ساتھ کینیڈا چلو تمہارے چچا نے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ آج شام کی ہی فلائٹ سے ہمیں نکلنا ہے۔" یاور درانی نے کہنے کے ساتھ ہی بڑی بے دردی سے اس کی کلائی اپنے شکنجے میں سختی سے دبوچی اور اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانے لگا تھا۔

"نہیں! کبھی نہیں تم دھوکے باز ہو۔" معصوم نے ایک ہی جھٹکے سے یاور درانی کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑائی اور رخ موڑ کے عارفین کی طرف بھاگی تھی۔

"عارفین! میرا یقین کریں خدارا! یہ جھوٹ بول رہے ہیں یہ تصویریں یہ نکاح نامہ یہ سب جھوٹ ہے۔ جعلی ہے سب ان میں کوئی سچائی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کی بیوی ہوں۔ آپ سے محبت کرتی ہوں آپ کو چاہتی ہوں۔" وہ بے نیاز کھڑے عارفین کے سامنے آئی اور اس کے شانے پر اپنی ہتھیلی رکھ دی تھی۔ عارفین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ آنسوؤں سے بے تحاشا رو رہی تھی۔ اپنی بات کا یقین دلا رہی تھی اور جو اعتراف وہ آج کر رہی تھی اس کو سننے کے لیے تو اس نے کتنا بے صبری سے انتظار کیا تھا مگر آج اس پل اس اعتراف نے اپنی قدر کھو دی تھی۔ وہ شاید ان کے ڈر کی وجہ سے یہ اعتراف محبت کر رہی تھی یا شاید اسے بہلا رہی تھی۔

"چل معصوم! بہت ہو گیا تیرا ڈرامہ اب نکلنے کی کر یہاں سے۔" یاور درانی اپنی اصلیت پر اتر آیا تھا اپنے مہذبانہ خول سے باہر آ گیا تھا۔ معصوم کا ہاتھ اتنی بری طرح پکڑا تھا کہ اس کا ناخن لگنے کی وجہ سے اس کی کلائی چھل گئی تھی جہاں سے خون کی چند بوندیں نکل آئی تھیں۔

"چھوڑو مجھے۔" یاور درانی زبردستی اسے گھسیٹنے لگا تھا۔ معصوم پوری جان سے اپنی کلائی اس درندے سے چھڑا رہی تھی۔

"عارفین! خدا کے لیے مجھے بچا لیں یہ لوگ مجھے مار دیں گے عارفین... عارفین......" وہ بری طرح حلق کے بل چیخی تھی۔ عارفین کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں وہ دوا لوں کو بھینچتا ہوا پیچھے مڑا تھا۔

"چھوڑو معصوم کا ہاتھ۔" یاور درانی، عارفین کو دیکھنے لگا تھا مگر معصوم کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ اس بار اسفند درانی آگے بڑھا تھا۔

"دیکھو عارفین......!"

"شش۔" عارفین نے اسفند درانی کو خاموش کرا دیا اور غصے سے یاور درانی کو دیکھا تھا۔

"میں نے کہا معصوم کا ہاتھ چھوڑو۔"

"دیکھو عارفین! جتنا میں نے صبر کرنا تھا کر لیا تم سے نرمی سے بات کرنا میری مجبوری تھی مگر تم شاید نرمی کی زبان نہیں سمجھتے ہو۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم میرے راستے کی رکاوٹ مت بنو ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں معصوم کا ہاتھ چھوڑو۔" عارفین نے خود ہی آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے یاور درانی کے ہاتھ سے معصوم کی کلائی چھڑائی تھی۔ یاور درانی سے اپنی بے عزتی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے عارفین پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ جسے عارفین نے فوراً اپنے فولادی ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ بلکہ وہی ہاتھ بری طرح موڑ بھی دیا تھا۔ وہ مضبوط اسٹیل باڈی اس کے آگے کہاں یاور درانی جیسے رنگین مزاج رکھنے والے کی چل سکتی تھی۔

"یہ پہلی اور آخری بار ہے جو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ آج کے بعد اس گھر میں تو کیا اس علاقے کے آس پاس بھی نظر مت آنا۔" عارفین نے کہہ کر زور سے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر گرا تھا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو عارفین بیگ!" اسفند درانی نے گرتے ہوئے یاور درانی کو پھر عارفین کو دیکھا تھا۔

"کیسا [illegible]" [illegible] نے مزید آگے کوئی بات کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"ڈیڈ! اچھے بچوں کی طرح سمجھانے کا دوسرا طریقہ بھی ہے میرے پاس۔" یاور درانی صوفے سے کھڑا ہوا معصوم اور عارفین کو گھورتا اسفند درانی کے پاس آیا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔" اسفند درانی اسے دھمکی دے کر یاور درانی کے ہمراہ نکلتے چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد عارفین نے معصوم کی کلائی چھوڑ دی تھی اور چلتا ہوا اپنے اور معصوم کے مشترکہ بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔ اس کے پیچھے معصوم بھاگی بھاگی آئی تھی۔

"عارفین... عارفین میری بات سنیے پلیز۔" وہ عارفین کی راہ میں حائل ہو گئی تھی۔

"اب کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" کتنا عجیب سا انداز تھا اس کا پہلے سے بالکل بدلا بدلا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلے والا عارفین ہے۔

"عارفین وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں ان تصویروں اور مووی میں وہ لڑکی میں نہیں کوئی اور ہے آپ پلیز مجھ سے بدگمان مت ہوں مجھ پر یقین کیجیے میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوں مگر یہ سچ ہے کہ اسفند درانی میرے چچا اور یاور میرا کزن ہے لیکن پاپا نے ان لوگوں سے اپنی زندگی میں ہر رشتہ توڑ لیا تھا۔ ہم ان سے کبھی نہیں ملتے تھے۔ عارفین میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔"

"بول لیا۔" کتنا پُرسکون انداز اور لہجہ [illegible] تھا۔

"عارفین!" وہ دیکھا اور بولی کہ عارفین نے بات ہی کاٹ دی تھی۔

"اسنا ہے [illegible] خود کو۔" عارفین سے اب اور زیادہ خود پہ اپنے غصے پہ کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہی معصوم کے دونوں نازک بازو پکڑ کے جھنجھوڑ دیے تھے۔

"حقیقت تو یہ ہے معصوم بی بی کہ تم نے مجھ سے شادی اسفند درانی اور یاور درانی سے بچنے کے لیے ہی کی تھی۔ سوچی کا تو صرف بہانہ تھا اتنے ماہ ہو گئے ہماری شادی کو آج تک تم نے مجھے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور آج اچانک تمہیں مجھ سے محبت بھی ہو گئی۔" کس قدر تضحیک آمیز جملہ تھا کہ وہ حیرت بھری نظروں سے دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔

"عارفین! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" روہانسی سی آواز آنکھوں میں آنسو لیے وہ اسے یقین بھی نہیں دلا پا رہی تھی۔

"غلط سمجھ رہا ہوں۔" عارفین نے اس کے دونوں بازو چھوڑ دیے تھے اور وہ ایک قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا سینے پر دونوں بازو باندھے اس نے معصوم کو دیکھا تھا۔

"لو کے قائن! تم مجھے سمجھاؤ اس میں کیا غلط بات ہے۔" طنزیہ مسکراہٹ لیے وہ اس کے بہتے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔

"پلیز نعلی بی معصوم عارفین اور سوری معصوم اعظم [illegible] وائے زیڈ....."

"پلیز عارفین! ایسا مت بولیے۔"

"پھر کیا بولوں۔ اصل بات تو یہ بھی ہے کہ تمہیں پروٹیکشن چاہیے تھی مجھ سے جو تمہیں مل گئی۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا سو دیا مگر میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا کیوں کہ میں ایک غیرت مند ہوں اور سچے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔"

"میں نے آپ کو دھوکا نہیں دیا ہے۔" آنسو آنکھوں سے زار و قطار رواں دواں تھے۔

"ایک اور مذاق..... اپنی وجہ میں زیادہ بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ تمہیں ایک مضبوط سہارا چاہیے تھا اسفند درانی اور یاور درانی سے بچنے کے لیے سو وہ تمہیں مل گیا اور جب تک یہ معاملہ کلیئر نہیں ہو جاتا اس وقت تک تم یہاں رہ سکتی ہو۔"

کتنا سخت دل ہو گیا تھا وہ کہ اسے معصوم کے رونے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ وہ تو دعویٰ کرتا تھا اس کی سوچ پڑھنے کا پھر اب؟ اب کیا ہوا اس کے دعوے سارے کے سارے دھرے رہ گئے۔ مگر یہی سچ اور حقیقت تھی کہ اس نے یہ سب چھپایا اپنی پچھلی زندگی چھپائی اس سے مگر ان سب سے زیادہ بڑا سچ یہ بھی تھا کہ وہ عارفین سے پیار کرنے لگی تھی۔ اندر ہی اندر اسے چاہنے لگی تھی اور اس بات کا وہ اقرار بھی کر لیتی اگر اچانک سے یاور درانی اور اسفند درانی بیچ میں نہیں آ جاتے جو کچھ بھی ہو اس کا انجام مگر وہ عارفین سے جدائی نہیں چاہتی یہ سوچ ہی سوہان روح تھی۔

وہ جو کب کا جا چکا تھا مگر اس کو انگاروں پر برہنہ پا چلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

☆---☆

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ کھٹکے کی آواز پر آنکھ کھولی تھی تو حسین آفریدی اندر آیا تھا اور پاس پڑی چیئر گھسیٹ کے بیڈ کے پاس لا کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔ لاروش افغان تو اس کو دیکھتے ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"جو کچھ ہوا میں ان سب کے لیے تم سے بہت شرمندہ ہوں، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" حسین آفریدی نے بغور لاروش افغان کو دیکھا جو ان چند دنوں میں بالکل مرجھا کے رہ گئی تھی۔ زرد یا اور پیلی جان تو بہت

وہ کا خیال رکھ رہی تھی مگر وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ حسین آفریدی اور اس کے دوستوں کی اس حرکت اور بے مروتی نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ اس کی نسوانیت کو گہری چوٹ لگی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ حسین آفریدی کو جانے کیوں تکلیف ہوئی تھی اندر کچھ ہوا کسی جذبے نے سر اٹھایا تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"شاور نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی اپنی غلطی پر پشیمان ہے اور اپنی غلطی کی تلافی چاہتا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" حسین آفریدی کا یہ کہنا ایسا تھا جیسے اس کے سر پہ پوری چھت آ گری ہو وہ آنسو روکے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حسین کچھ اندازہ ہے آپ کو۔"

"ہاں تو اس میں برا کیا ہے شاور اسٹیبلش ہے اچھی فیملی سے بلونگ کرتا ہے، لکھ پتی بھی روشن ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ رہا ہمارا نکاح تو یہ بات تو صرف ہم دونوں کے بیچ میں ہے۔ میں تمہیں ابھی ڈائیورس....."

"خدا کے لیے چپ ہو جائیے۔" لاروش افغان نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"دیکھو لاروش! میرے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے تمہارا اور آئی ریلی سمیعہ کو پسند کرتا ہوں اور بہت جلد اسی سے شادی کروں گا۔ گھر والے آج نہیں تو کل مان ہی جائیں گے۔ مگر میں تمہیں یوں اپنے نام سے باندھ کر رکھ کے تمہاری زندگی خراب نہیں کر سکتا۔ اس لیے میرا اٹل فیصلہ ہے کہ میں بہت جلد تمہارے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ رکھ کے شاور کو اجازت دے دوں گا وہ جلد ہی اپنی فیملی کو لے کر تمہارے رشتے کے لیے یہاں آ جائیں۔" حسین آفریدی نے اس کو جواب نہیں دیا اور ایک سرسری سی نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ لاروش افغان صرف دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔

"میں یہ نہیں ہونے دوں گی، ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔" لاروش افغان نے بڑی بے دردی سے اپنا چہرہ صاف کیا تھا اور بہت کچھ سوچ کر وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔

☆---☆

وہ آج آفس جا رہا تھا۔ خود ہی تیار ہوا تھا ٹائی لگانے کی ذرا سی بھی مدد لینا گوارا نہیں کی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ گھر بھر میں نئے نظر آتے اس کے عکس پر نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ چاند کو شرماتا اس کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس کی جھیل جیسی سبز آنکھیں جن میں وہ کبھی کی چمک دیکھنا نہیں چاہتا تھا اب وہ ہر وقت بھیگی سی رہتی تھیں۔ وہ کہیں کچھ زیادہ ہی تو غلط نہیں کر رہا۔ وہ تو ٹوٹ کے عشق کرتا تھا۔ محبت کرتا تھا پھر یہ کیسی محبت تھی جس میں وہ جل بھی رہی تھی اور جلا بھی رہی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی اسے اس وقت اس کی محبت کی توجہ کی ضرورت تھی۔ رضا کی دفعہ وہ یہاں نہیں تھا جب بھی اس نے ایسی حالت میں کیسی تکلیف اٹھائی تھی اور آج بھی وہ اسے اکیلا چھوڑ رہا تھا۔ رضا کی بار تو وہ یہاں موجود نہیں تھا مگر اب تو وہ یہاں تھا پھر کیوں وہ اسے سزا دے رہا تھا۔

"بس بہت سزا پا لی اس نے اب اور نہیں۔ میں اسے اب اور تکلیف نہیں دوں گا۔ اپنی بانہوں میں قید کر کے اپنی پناہوں کے حصار میں چھپا کے اسے اپنے اندر چھپا لوں گا۔ اس کے سارے غم، دکھ، تکلیف اپنے اندر اتاروں گا، وہ میرے پاس میرے قریب میرے نصیب میں ہے۔ جو ہے وہ جو بھی ہو مگر میری محبت کا

ثبوت تو یہ ہے کہ وہ میرے پاس آ گئی ہے۔ جس کے لیے کتنی تکلیفیں سہی ہیں میں نے بھی اور ڈالے نے بھی۔ مگر اب اور نہیں۔۔۔ دکھوں کے دن گئے اور ہم اپنی زندگی میں خوشیوں کو خوش آمدید کہیں گے۔" زرسل بہت کچھ سوچتا سر سے بٹا اور چلتا ہوا اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ دل شرارت پہ آمادہ ہوا تھا اور وہ اپنی دل کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس نے ڈالے کی مرمریں نازک سی کمر میں اپنا مضبوط آہنی بازو ڈال کر اسے اپنے سے قریب تر کر لیا تھا کہ معمولی سا بھی انچ بھر کا فاصلہ نہیں رہا تھا۔

"کیا ہر دم روتی بسورتی شکل بنائے رکھتی ہو۔ اس طرح شکل بنائے رکھو گی تو میری بیٹی بھی روتی ہوئی اس دنیا میں آئے گی اور مجھے اپنی بیٹی خوب صورت گول مٹول پیاری سی چاہیے نہ کہ تمہاری طرح روتی ہوئی اس لیے اچھے لیے نہیں میری بیٹی کے لیے خوش رہو اور خوش رہا کرو۔" زرسل نے ڈالے کے سرخ گال میں اپنا جھلملاتا عکس بغور دیکھا تھا۔

"زرسل بھائی! عارفین بھائی بلا رہے ہیں۔" ڈالے باہر سے ہی ہانک لگائی تھی۔ وہ شاید بہت جلدی میں تھی اس لیے دروازہ بھی کھٹکھٹانے کا کام نہیں کیا تھا۔

"اوکے اللہ حافظ! شام میں جب میں واپس آؤں تو مجھے تم ایسی بری شکل اور ایسے گلے کپڑوں میں نظر نہ آؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ ایک بھرپور نظر اس کے چہرے پہ ڈالتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"عجاں بھی اپنی ہی غرض شامل تھی۔" ڈالے کا دل خون خون ہوا تھا۔

"یار! کیا ضرورت ہے آفس جانے کی کچھ دن اور ریسٹ کر لو اچھی طرح سے ٹھیک ہو جاتے پھر آفس آ جاتا۔" عارفین نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

"نہیں گھر میں رہ رہ کر بہت بور ہو گیا ہوں۔" نگاہیں ونڈ اسکرین پر گاڑھ دیں۔

"ڈالے کے ہوتے ہوئے بھی۔۔۔" عارفین نے چھیڑا تھا جس کا زرسل نے مسکرانے کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"خیر ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کل کوئی آیا تھا تم سے ملنے؟"

"کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ چونکا ضرور تھا مگر ظاہر نہیں کیا۔

"حرا بتا رہی تھی اوپر سے کافی شور کی آوازیں آ رہی تھیں تم بھی کافی غصے میں تھے۔"

"حرا کہاں تھی۔ وہ کچھ اور بھی بتا رہی تھی کیا؟" بہت عام سا انداز تھا وہ معصوم کی بات اس گھر میں کسی کو بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہ معاملہ اپنے طور پہ ہینڈل کرے گا۔

"وہ شاید مجھ بچی کے پاس کسی کام سے گئی تھی۔ وہیں اس نے کچھ زور زور سے بولنے کی آوازیں سنی ہوں گی مگر تم بتاؤ سب خیریت تو ہے نا کوئی مسئلہ ہے کیا؟" بہت عام سا لب ولہجہ تھا زرسل کا معمولی سا شک کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ جس کا مطلب تھا حرا نے کچھ نہیں سنا ورنہ وہ زرسل کو ضرور کچھ بتاتی۔

"ارے نہیں یار! کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں ہے۔" عارفین نے ایک موڑ کاٹا تھا۔

"اچھا زرسل ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"وہ جو پچھلے سال ہمارے آفس کا ایک ایمپلائی تھا جو سرگل کر کے کینیڈا چلا گیا ہے اس کا کچھ اتا پتہ ہے تمہارے پاس؟"

"کون حمید۔۔۔؟"

"ہاں وہی حمید عباسی۔۔۔"

"ہاں کیوں نہیں ہوگا ویسے آسان طریقہ تو یہی ہوگا کہ انٹرنیٹ پہ معلوم کر لو ورنہ ہمارے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں اس کی ساری انفارمیشن ہوں گی۔ لیکن تمہیں اچانک سے اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" زرسل نے سوالیہ نظروں سے اسٹیئرنگ گھماتے عارفین کو دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں بس ذرا حمید عباسی سے تھوڑا کام تھا۔ خیر تم چھوڑو میں پتہ کر لوں گا تم سناؤ۔" عارفین نے بآسانی باتوں کا رخ دوسری طرف موڑ دیا تھا۔

☆...☆

رابعہ، آسیہ، نعیم احمد آج عمرے سے واپس آ گئے تھے اور ان کے ساتھ دانیہ بھی آ گئی تھی۔ سب بہت خوش تھے کہ اچانک سے کچن سے کچھ گرنے کی زوردار آواز آئی تھی۔

"ماما۔"

"یا اللہ خیر یہ آواز تو ڈالے کی ہے۔"

آسیہ ہاتھ میں پکڑا بیگ وہیں پھینکتے کچن کی سمت بھاگی تھیں ان کے پیچھے نجمہ بھی دل پہ ہاتھ رکھے بھاگی تھیں۔ حرا اور دانیہ نے بھی جانے میں دیر نہیں کی تھی باہر ڈرائیور کے ہمراہ گاڑی سے سامان نکالتے جلیل احمد اور نعیم احمد بے خبر تھے۔

کچن میں ڈالے کو ماربل کے فرش پر اوندھا پڑا دیکھ کر نجمہ کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔ وہ وہیں دیوار کا سہارا لے کر جو کھڑی ہوئیں تو لگا کہ زمین بوس ہو جائیں گی، آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا تھا۔ حرا، معصوم، دانیہ اور آسیہ تیزی سے ڈالے کے پاس زمین پہ بیٹھی تھیں اور اسے آہستگی سے مگر جلدی سیدھا کیا تھا مگر ڈالے بے ہوش ہو چکی تھی۔

"ڈالے میری بچی آنکھیں کھولو۔" آسیہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

"یہ بے ہوش ہو گئی ہے جلدی سے ایمبولینس بلاؤ۔" آفس فون کر دیا گیا تھا۔ عارفین اور زرسل وہیں ہاسپٹل میں آ گئے تھے۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" زرسل آسیہ کے پاس آیا تھا ان کے عمرے پہ سے آنے کی خوشی منانے یا ڈالے کے گر جانے پہ پریشان ہو۔

"زرسل بھائی! ڈالے کچن میں تھی اسٹول پہ چڑھ کر شاید اوپر کیبنٹ سے کچھ نکال رہی تھی۔ اسی پہ سے گر گئی ہے۔" حرا نے فکرمندی سے کہا۔

"تم کہاں تھیں؟" زرسل نے حرا کو سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہم سب کی ڈیڈی اور پھپھو کو ایئرپورٹ ریسیو کرنے گئے تھے۔"

"انہیں لینے نجمہ چچی اور جلیل چاچو جب گئے تھے تو تمہارا جانا ضروری تھا۔" آج کافی عرصے بعد زرسل کا غصہ عود کر آیا تھا۔ حرا کی آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے وہ تو رابعہ پھپھو آگے بڑھیں اور زرسل کے چوڑے شانے پہ ہاتھ دھر دیا تھا۔

"حرا تم جاؤ۔" انہوں نے اسے اشارے سے زرسل کے سامنے سے ہٹ جانے کو کہا تھا حرا وہاں سے

ہنی اور بینچ پر جاکر سر جھکائے اشک بہانے لگی تھی۔

"معصوم! تم تو گھر میں تھیں تم نے بھی ژالے کا خیال نہیں رکھا۔" رابعہ نے شاکی نظروں سے معصوم کو دیکھا تھا۔

معصوم نے شرمندہ شرمندہ سی نظریں اوپر اٹھائیں ابھی پاس کھڑے عارفین سے نظروں کا تصادم ہوا۔ جو سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا مگر معصوم کے دیکھنے پر رخ پھیر لیا تھا۔ معصوم کا دل اس دشمن جاں کا اس طرح سے منہ پھیرنے پر کٹ کر رہ گیا اور پھر رابعہ بھی تو غلط نہیں کہہ رہی تھیں اس کو ژالے کو ایسی حالت میں چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے تھا وہ اپنے بیڈروم میں۔

"آئی ایم سوری امی!"

"سوری سے کیا ہوگا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا تم لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے تھا مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔" رابعہ نے معصوم کو سخت سنائی تھیں جن کا اس نے بالکل برا نہیں مانا تھا۔ زرمیل نے ایک غصے کی نظر معصوم کے جھکے سر پر ڈالی اور وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا کچھ ہی لمحوں میں ڈاکٹر بھی آگئی تھی آسیہ اور رابعہ جلدی سے آگے بڑھیں۔

"ڈاکٹر! کیسی ہے ہماری بچی؟"

"بہت سیریس کنڈیشن ہوگئی تھی آپریشن کرنا لازمی ہوگیا تھا۔"

"کیا.....!" پیچھے کسی کے گرنے کی آواز پر سب نے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا تو نجمہ زمین پر گر چکی تھیں جلدی سے وہ سب ان کی طرف بڑھے تھے۔

"نجمہ...!" آسیہ نے نجمہ کا گال تھپتھپایا تھا مگر وہ بے سدھ تھیں جلدی جلدی انھیں اٹھوایا اور نرسوں کی مدد سے ان کو اس پر ڈالا۔ سیکنڈوں میں انھیں ٹریٹمنٹ دی گئی تھی۔

☆---☆

دوسرے دن ژالے گھر آگئی تھی۔ وہ اندر سے بالکل خالی ہوگئی تھی۔ بالکل چپ اور خاموش تھی۔ ہونٹوں کو اس طرح سی لیا تھا جیسے کبھی نہ بولنے کی قسم کھالی ہو نجمہ کا دل اپنی اکلوتی بیٹی کی ایسی حالت پر خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھل رہی تھیں کتنی بدنصیب تھی ان کی بچی کہ اس کے مقدر میں خوشیاں ہی نہیں تھیں۔

"نجمہ بھابی!" رابعہ ادھر سے آئی تھیں۔ نجمہ کے پاس جو ٹی وی لاؤنج میں اکیلی صوفے پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں منہمک تھیں ان کے چہرے پر کتنا درد تھا وہ ژالے کے لیے کتنی پریشان تھیں یہ سب صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

"رابعہ! میری ژالے کے نصیب میں خوشیاں نہیں ہیں کیا؟" ان کے دل کا درد ہونٹوں پر آگیا تھا۔

"اللہ نہ کرے نجمہ بھابی! ایسے نہیں سوچتے۔" رابعہ نجمہ کے برابر میں ہی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

"کیسے نہ سوچوں رابعہ! تم خود ہی دیکھو جب سے ژالے کی شادی ہوئی ہے اسے کبھی کوئی خوشی نہیں ملی، اس کے چہرے پر سے خوشیاں مسکراہٹیں روٹھ گئی ہیں۔ جیسے وہ بالکل ناامید ہوگئی ہو۔ اپنی زندگی سے پتا نہیں وہ زندگی جی رہی ہے یا زندگی اس کو جی رہی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں سے اشک بہہ نکلے تھے ان کی آہ وزاری پر رابعہ کی بھی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"السلام علیکم!" زرمیل آج ایک عرصے بعد ادھر آیا تھا۔ اب وہ بغیر اسٹک کے سہارے سے چلنے لگا تھا وہ بالکل تندرست ہوگیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" نجمہ نے اپنے رونے سے لال آنکھیں اور بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔ زرمیل کی نظروں سے نجمہ کے آنسو پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے وہ چلتا ہوا نجمہ کے پاس آبیٹھا تھا۔

"کیسی ہیں آپ چچی جان؟"

"ایک دکھی ماں کیسی ہوسکتی ہے جس کی جوان جہان بچی بستر پر اپنی زندگی سے منہ موڑ کر پڑی ہو اور جس کا لخت جگر اکلوتا بیٹا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی کو برباد کرنے پر تلا ہو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ہونٹوں سے شکوہ نکل گیا تھا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا ان شاء اللہ۔"

"پتا نہیں بیٹا ہر روز تو یہی دعا کرتی ہوں یہی امید کرتی ہوں کہ سب ٹھیک ہوجائے گا مگر اب تو لگتا ہے میں جب خود قبر میں اتروں گی شاید وہاں بھی میری روح بے چین بے سکون رہے گی۔" آج ان کی ساری ہمت ٹوٹ گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے چچی جان!" زرمیل نے نجمہ کو بے ساختہ مگر تڑپ کر خود سے لگایا تھا۔

"اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔"

"نہیں زرمیل! شاید میری بچی کو سزا ملی ہے ہم نے بھی تو انجانے میں کسی کی یتیم بچی کا دل دکھایا ہے۔" نجمہ کی آنکھوں کی پتلیوں پر ثمرین کا ستا ہوا چہرہ گھوم گیا تھا۔ زرمیل ان کا اشارہ بھی سمجھ گیا تھا مگر خاموش رہا تھا۔

"چچی جان! میں ژالے کو لینے آیا ہوں۔" نجمہ نے زرمیل کا چہرہ دیکھا تھا۔

"زرمیل! ژالے ابھی بھی تم سے ناراض ہو اس کے اباژن ہونے پر خفا ہو میری ایک ماں کی التجا ہے زرمیل میری بچی کو معاف کر دینا جس نے بہت دکھ بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ ابھی بھی ایسی حالت ہے کہ مجھے لگتا ہے وہ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی مار دے گی جیتے جی۔" ان کی آنکھیں ایک بار پھر برس پڑی تھیں۔

"نجمہ بھابی! اتنی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں مت کریں۔ زرمیل بول رہے ہیں نا سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں ان شاء اللہ سب بہتر بلکہ بہت اچھا ہوگا۔ جو ہوتا ہے ہماری بہتری کے لیے ہی تو ہوتا ہے ہر چیز میں اللہ کی رضا اس کی مصلحت شامل ہوتی ہے اور پھر عمر ہی کیا ہے ژالے کی ابھی تو وہ خود بچی ہے ہو جائیں گے بال بچے۔۔۔ کیوں زرمیل بیٹا!" رابعہ نے بات کو مزاح کا رخ دیا تھا۔

رابعہ کے اس طرح چھیڑنے پر وہ جھینپ کر رہ گیا تھا۔ اس کے اس طرح جھینپنے پر رابعہ نے نہایت محظوظ ہو کر دیکھا تھا۔

"آپ بھی رابعہ پھپھو! اچھا چچی جان بتانا تھا کل ارشد واپس آگیا ہے۔"

"ہاں کل رات ہی آیا ہے اپنے ساتھ کسی دوست کو بھی لے کر آئے ہیں۔"

"اچھا چلیں ٹھیک ہے ارشد سے بات بعد میں ہوگی پہلے میں ژالے کو دیکھ لوں اور اس کی اچھی طرح سے کھنچائی کروں سب کو پریشان کیا ہوا ہے۔"

"زرسل!" نجمہ کچھ کہتی کہ رابعہ نے بات ہی کاٹ دی تھی۔
"نجمہ بھابھی! اب آپ فکر مت کریں، ڈالے کا علاج زرسل ہی کریں گے بہت اپنی من مانی کرلی۔" رابعہ نے زرسل کا شوخ سا موڈ دیکھ لیا تھا۔ جس کا مطلب تھا وہ سب ٹھیک کردے گا۔ اس لیے نجمہ کو خاموش رہنے کا کہنے کے بعد زرسل کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا ڈالے کے بیڈروم میں آیا تھا۔
دروازہ ناک کیے بغیر وہ اندر آیا تھا۔ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کے سارے بٹن آن کردیے تھے۔ پورا کمرہ تیز مرکری بلب کی روشنیوں میں نہا گیا تھا اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی بیڈ پر ایک سایہ سا سمٹی سی ڈالے نے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لیے تھے۔ وہ شاید مستقل اندھیرے میں رہی تھی جبھی تو وہ جھیل سی سبز آنکھیں اتنی تیز روشنی برداشت نہیں کرسکی تھیں۔ زرسل چلتا ہوا اس کے سامنے اس سے کچھ فاصلے پر آٹھہرا تھا۔
"ڈالے۔" "تمہاری چاہت [illegible]"
ڈالے نے ہولے ہولے اپنی ہتھیلیاں چہرے سے ہٹائی تھیں مگر یہ کیا زرسل کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں زور سے مسل دیا ہو اس کے دل کو زبردست جھٹکا لگا تھا۔ وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔
وہ چہرہ جو کل تک چاند کو شرماتا تھا۔ آج اس چہرے کی روشنی کہاں گئی۔ ان سبز آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کہاں گئی تھی۔ اس کے چہرے کی حد درجہ گوری رنگت ماند کیوں پڑ گئی۔ آنکھوں کے نیچے اس قدر سیاہ حلقے گلابی ہونٹ سوکھ کر سفید ہوگئے تھے۔ بال کھلے ہوئے تھے جن میں جیسے برسوں سے کنگھی نہ کی گئی ہو بغیر دوپٹے کے دو رنگ کے کپڑے وہ بھی پھیکے۔ اسے اپنی زندگی میں یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس نے ڈالے کو ایسے پھیکے رنگ کے کپڑوں میں دیکھا ہوگا۔ وہ کتنی لاغر اور کمزور ہوگئی تھی جیسے برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔
"زرسل! میں مر جاؤں گی۔" بہت پہلے اس کا یہ کہا گیا جملہ اس کے اردگرد گونجنے لگا تھا۔
"نہیں۔" وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔
بے قراری و بے اختیاری میں زرسل نے اس کی کلائی تھام کر کھینچی تھی اپنی طرف اور خود بھی بیٹھ گیا تھا۔ ڈالے تھی کمزور اور لاغر ایک ہاری ہوئی عورت اپنی زندگی سے بے زار زرسل کے سینے سے لگی ہچکیوں سے بلک بلک کر رو دی تھی پورا وجود اس کا کپکپا رہا تھا۔
"ششش... بس کرو ڈالے! اور کتنا روؤ گی اپنے ساتھ ساتھ تم مجھے بھی مار دو گی۔" زرسل نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا جو آنسوؤں سے پورا بھیگا ہوا تھا۔
"زرسل! میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ نہ ہی سوچا تھا میں آپ کی امانت کا خیال نہیں رکھ سکی۔" پھر سے آنسوؤں کا ایک ریلا امڈ پڑا تھا۔ نگاہیں نیچے کیے وہ اعتراف جرم کررہی تھی۔
"مجھے یہ احساس یہ خیال مار دے گا کہ میں ہمارے بچے کو بچا نہیں سکی۔"
"جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے کیا پتا وہ اس دنیا میں آکر ہم سے بچھڑ جاتا پھر وہ تو زیادہ تکلیف دہ ہوتا مجھے نہ تم سے کوئی شکایت ہے نہ ہی اپنے رب سے بے شک وہ دلوں کے بھید جاننے پر قادر ہے۔ تم خود کو قصوروار مت ٹھہراؤ۔" زرسل نے اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے پیالے میں بھر لیا تھا اور جھک کر اپنی محبت اور بے قراری کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کردی تھی۔
"آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں نا؟"

"نہیں بالکل بھی نہیں۔ کوئی اپنی جان سے بھلا روٹھ سکتا ہے اور رہی بچوں کی بات تو قسمت میں ہوا تو کیا پتہ ہمارے ٹوئنز ہوجائیں۔" سرمئی آنکھیں اس دن جھیل جیسی سبز کانچ میں گاڑ دیں۔ جن میں شوخی شرارت چھپی ہوئی تھی۔ زرسل کی بات کا مطلب سمجھ کر ڈالے بری طرح حیا سے جھینپ کر رہ گئی، پلکوں کی گھنیری باڑھ رخسار پر جھک سی گئی ہوئی تھی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نے گھر کرلیا تھا۔ زرسل نے شوق سے یہ بارش ہونے کے بعد کا اجلا اجلا نکھرا نکھرا منظر دیکھا تھا۔
"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔" زرسل نے اسے چھوڑا اور دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوگیا اور بھرپور نظروں سے اسے سر کے بال سے پیر کے ناخن تک دیکھا تھا۔
"یہ تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے؟"
اس کے کہنے پر ڈالے نے اپنے کپڑوں کو دیکھا۔ پھیکے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ دوپٹہ ندارد۔ اسے دوپٹے کا احساس ہوا تو اس نے پیچھے بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ دیکھا تھا وہ اسے اٹھانے کے لیے بڑھی کہ زرسل نے اس کو تھام لیا تھا۔
"میں تمہارے دوپٹے کی بات نہیں کررہا۔ تمہارے اس بے ترتیب حلیے کی بات کررہا ہوں۔" وہ کچھ نہیں بولی صرف خاموشی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"اب ایسا ہے کہ اسی حالت میں اسی وقت میرے ساتھ چلو میں لینے آیا ہوں۔"
"ابھی۔"
"ہاں ابھی اور اسی وقت۔" زرسل نے اس کی بکھری لٹیں سنوار دی تھیں۔
"زرسل! ابھی نہیں بہت کمزور ہوں مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔"
"جانتا ہوں اور سب خبر ہے جو تم نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑا ہوا ہے۔ اب تمہاری دیکھ بھال میں اپنی نظروں کے سامنے خود دیکھوں گا۔ امی تو خود آئی تھیں کہ مجھے پتا تھا تم ان کے ساتھ نہیں آؤ گی اس لیے ایک ہفتہ اور بھی لگایا تاکہ جلد از جلد اسٹک سے جان چھڑا کے اپنی جان سے مل سکوں۔"
"اچھا آپ تھوڑا ویٹ تو کریں میں اپنا حلیہ درست کرلوں تائی امی دیکھیں گی تو کیا سوچیں گی۔" اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنی ہی کرے گا وہ اس سے علیحدہ ہو کے بیٹھ گئی تھی۔
"جی نہیں ابھی وقت نہیں ہے میرے پاس اور اگر تم سے کمزوری کی وجہ سے نہیں چلا جائے گا تو اس کا بھی حل ہے میرے پاس۔" زرسل نے مسکراتے ہوئے اس کے نازک پیکر کو اپنی آہنی مضبوط بازوؤں پر اٹھالیا تھا۔
"نہیں زرسل! ابھی ہمت کرکے چل لوں گی۔" وہ گڑبڑا کے رہ گئی تھی۔
"بالکل چپ۔" اور پھر اس کی ایک بھی سنے بغیر وہ باہر آگیا تھا۔ جہاں رابعہ اور نجمہ ابھی بھی بیٹھی باتیں کررہی تھیں۔ زرسل کے بازوؤں میں ڈالے کو دیکھ کر نجمہ ڈر گئیں اور دل پر ہاتھ رکھ کے کھڑی ہوگئیں رابعہ بھی پریشان ہی اٹھی تھیں۔
"زرسل! کیا ہوا ہے ڈالے کو؟"
"ارے تائی جان! گھبرائیے نہیں کچھ نہیں ہوا ہے۔ بس دراصل اس کا کافی عرصے سے خیال نہیں ہو رہا ہے اور یہ خود بھی آپ کو بہت تنگ کررہی ہے۔ اس لیے میں اپنے ساتھ لے کر جارہا ہوں۔" وہ نجمہ کو دیکھ کر مسکرا دیا

تھا۔ بجو نے سکون کا سانس لے کر ڈالے کو دیکھا اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

"جیتا! تمہاری چیز ہے تم جب چاہو لے جا سکتے ہو۔"

"تھینکس۔" زرمیل نے بجو کو تشکرانہ نظروں سے دیکھنے کے بعد ڈالے کو دیکھا اور پھر رابعہ کو وکٹری نشان دکھا کے بیچ کی سمت بڑھ گیا۔ رابعہ نے دل سے ان دونوں کو دعا دی تھی۔

"بے فکر رہیں بجو بھابی! ہماری ڈالے کے دامن میں اب خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔"

"انشاء اللہ!" اب انہیں پورا یقین تھا کہ زرمیل ڈالے کو بہت خوش رکھے گی بس ارشد کی زندگی بھی ہو جائے وہ ارشد کی طرف سے بھی پرسکون ہونا چاہتی تھیں۔

☆......☆

وہ خالی بینچ پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی، بس ایک ہی خلا میں نہ ہونے والی نقطے پر نظر تھی۔ ثمرن کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ تو صاف لگ رہا تھا کہ وہ بالکل اکیلی ہے کوئی اس کے ساتھ ہے اگر وہ گہری سوچوں میں منہمک تھی تو ساتھ اس کے چہرے پر بے پناہ فکر اور پریشانی بھی تھی کہیں پھر درمیان لاروش افولان پر شک جاتا اگر بینچ میں بیٹھے دو، تین لڑکوں کی باتوں کی سمت نہ جاتا تو وہ گفتگو کر رہے تھے، اس لڑکی کے لیے اسے کڈنیپ کرنے کے بیچنے کی بات کر رہے تھے، وہ تھی بھی تو صورت بالکل سیدھے جیسی سفید رنگت کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائے۔ حاجرانہ آنکھیں جن میں شام کے رنگ سے لے رہی تھی۔ پٹھانوں جیسی رنگت والی اس خوب صورت اور پیاری سی لڑکی کی طرف ثمرن بڑھی تھی اور لاروش افولان کے برابر میں اس طرح فرینکلی بیٹھی تھی جیسے بہت پہلے کی شناسائی ہو۔

"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی اور تم یہاں بیٹھی ہو۔"

"جی۔" لاروش افولان بری طرح چونک کر ثمرن کو دیکھنے لگی تھی۔ ثمرن نے ان لفنگے لڑکوں کو دیکھا جو ثمرن کے بیٹھنے اور اس کے بات چیت کرنے پر پیچھے پلٹ گئے تھے۔

"پریشان مت ہو اگر میں یہاں تمہارے پاس آ کر نہ بیٹھتی تو وہ لڑکے تمہارے کڈنیپ کی پلاننگ کر چکے تھے تمہیں بیچنے کی پوری پلاننگ کر چکے تھے۔" ثمرن نے اسے اشارے سے ان لڑکوں کو دکھایا جو پارک کے گیٹ والے راستے کی طرف جا رہے تھے لاروش افولان نے اس طرف دیکھا اور پھر تشکرانہ نظروں سے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"اٹس اوکے۔" ثمرن دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہائے داوے میرا نام ثمرن اور تمہارا......؟"

"لاروش...... لاروش افولان......"

"گڈ نیم...... کہاں رہتی ہو؟"

"کوئٹہ۔" ثمرن نے نیچی کر کے کہا۔

"کوئٹہ۔" ثمرن نے حیرانگی سے لاروش افولان کو دیکھا تھا "کر کوئٹہ میں رہتی ہو۔"

"تو یہاں کیسے؟" لاروش افولان نے بغور ثمرن کو دیکھا دل نے کہا اس سادی سی مخلص خاتون پر یقین کر لینا چاہیے۔

وہ پھر لاروش افولان نے ثمرن کو اپنی پوری زندگی کی داستان الف سے لے کے یے تک سنا دی تھی۔ کچھ نہیں چھپایا تھا اس سے۔

"اف اوہ یہ تو بہت برا ہوا تمہارے ساتھ۔" ثمرن نے گہری نظروں سے مایوس و افسردہ لاروش افولان کو دیکھا تھا۔

"کم از کم تمہارے شوہر کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ سب تو چلو لاعلم تھے مگر تمہارے شوہر کو تو سب پتا تھا۔"

"مگر انہوں نے ہی مجھے پہلے دن باور کرا دیا تھا کہ خاموشی کے قفل ڈال لینا اپنے ہونٹوں پر۔" ان آنکھوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی چند موتی ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"پھر...... اب کیا کرو گی تم کہاں جاؤ گی؟"

"معلوم نہیں میرا نصیب میری تقدیر مجھے کہاں لے جائے۔" ثمرن نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر بہت کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو میرے گھر۔"

"آپ کے گھر...... آپ کے گھر والے آپ سے ناراض نہیں ہوں گے۔" لاروش افولان نے سوالیہ نظروں سے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"اس کی فکر تم مت کرو کیونکہ میں اپنے گھر میں اپنی خالہ خالو کے ساتھ رہتی ہوں وہ اکیلا۔"

"آپ کے ہسبنڈ؟"

"اوہ تم بڑے سوالات کرتی ہو اب چھوڑو ان سوال جواب کو میرے ساتھ میرے گھر چلو نزدیک پاس میں ہے میرا گھر بس دیکھو یہاں اس پارک میں ہر روز صرف ایک گھنٹے کے لیے تازہ ہوا کے لیے آتی ہوں۔" لاروش افولان ذہنی طور پر تیار کر کے اس کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی باقی سب اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆

وہ بیچ ڈالے کی طبیعت پوچھنے آ رہی تھی۔ آخری چند سیڑھیوں پر اس کے قدم ٹھٹک کر رہ گئے تھے۔ اس کا سانس رک گیا تھا دل جیسے حلق میں آ گیا تھا اور دھڑکنیں اتنی تیز دھڑکنے لگی تھیں کہ دل پر بے ساختہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ آنکھیں یقین نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر سامنے جو تھا وہ حقیقت تھا ایک جیتا جاگتا سچ۔ ارشد کو وہ جانتی تھی اس کے ساتھ جو گزرا تھا اسے تو وہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں پہچان سکتی تھی۔ اس کی طرف بے شک اس کا رخ نہیں تھا وہ صرف پیچھے سے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔ وہی قد و قامت وہی بھورے بال چوڑی پشت پر ہاتھ باندھا ہوا تھا شرٹ کی آستین فولڈ تھیں۔ ہاتھوں کی وہی پٹھانوں والی رنگت وہ کوئی اور نہیں آفریدی تھا۔

"مگر نہیں وہ تو مر گیا تھا۔ وہ زندہ نہیں ہے کیونکہ یہاں شیخ نے اسے مروا دیا ہے۔ میں نے خود اپنی ان گنہگار آنکھوں سے اس کی موت کی سودی ہوتے دیکھی ہے پھر یہ یہاں......" سوچ سوچ کر دماغ پھٹنے لگا تھا۔

تاہم بات کرتے ہوئے ارشد کی نظر سامنے سیڑھی پر اٹھی تھی۔ ارشد کے دیکھنے پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم!" فوراً سلام جھاڑا تھا۔
"وعلیکم السلام!" حسن نے ارشد کو دیکھتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ نظروں کا تصادم ہوا جاندار تھا۔
نہیں وہ آفریدی نہیں تھا وہ کوئی اور تھا جس کی آفریدی جیسی جسامت قد و قامت ہو مگر ضرور تھی مگر اس کی آنکھیں ہاں وہی ہلوریں آنکھیں جو بس آفریدی کی ہلوریں آنکھوں کی طرح تھیں۔
"آپ کو کوئی کام تھا۔" کافی دیر یونہی کھڑا دیکھ کر ارشد نے پوچھا تھا تو اپنی حرکت پر وہ خود ہی شرمندہ سی ہو گئی۔
"جی..... وہ میں [illegible] آئی تھی" حسن نے [illegible] نظر دیکھنے کے بعد سوال [illegible] تھا۔
"وہ اے کو آج صبح ہی زکام [illegible] ہے آپ چاہیں تو پیچھے چلی جائیں"
"جی بہتر اور مجاہ آپی؟"
"ہاں وہ اپنے روم میں ہیں۔"
"جی پھر میں ان کے پاس چلی جاتی ہوں۔" وہ سیڑھیاں اتری تھی اسے ان دونوں کے پاس سے گزر کر ہی مجاہ کے روم میں جانا تھا اب آئی تھی تو مجاہ آپی سے مل ہی لیتی اور زارا کی طبیعت بھی پوچھ لے گی وہ وہاں سے گزر کر مجاہ کے بیڈ روم میں اتر ہوئی تھی مگر اس دوران مسلسل خود پر دو آنکھیں ضرور محسوس کی تھیں۔
"ہاں حسن اب بولو کیا بول رہے تھے؟" ارشد نے اشارے سے اسے اپنے سامنے صوفے سیٹ پر بیٹھنے کا کہا تھا "آگے کیا ارادے ہیں تمہارے۔"
"ارادہ تو یہی ہے کہ یہیں رہ کر پریکٹس کروں باہر جانے کا اب دل ہی نہیں کرتا۔"
"ہاؤ شرپ!"
"بلکہ یار خود کا کوئی بزنس۔"
"اور اگر میں آفر کروں تب بھی نہیں؟" ارشد نے مسکراتے ہوئے آفر کی تھی۔
"تمہارے خلوص کی میں قدر کرتا ہوں چلو گر اس بارے میں سوچا ضرور جا سکتا ہے۔" حسن نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔
"ٹھیک ہے سوچو تم بہت ٹائم ہے تمہارے پاس جب تک میں دو کپ چائے بنا کے لاتا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا اور کچن کی جانب بڑھ گیا تھا۔
حسن نے میز پر پڑا ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کر لیا تھا۔
کوئی آدھے گھنٹے بعد وانیہ، مجاہ کے بیڈ روم سے نکلی تھی۔ حسن کی نظر ٹی وی پر سے ہٹی تھی اور وانیہ پر ٹک گئیں۔
وانیہ جھجک کر رہ گئی اس کے اس طرح گھورنے پر سر کو جھکائے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی مگر جانے دل میں کیا آیا اس نے پیچھے پلٹ کر ایک نظر دیکھنا چاہا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بری طرح سٹپٹاتی ہوئی اوپر کی جانب تیزی سے بڑھ گئی۔
"پھول تھی۔" حسن کے ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ سی بکھرنے لگی تھی۔

☆...☆

"آج وہ سارا کام کر کے بیٹھی تھی۔ آج چونکہ اتوار کا دن تھا سبھی مرد گھر میں تھے۔ دوپہر کا کھانا اس نے عارفین کی پسند کا بنایا تھا۔ قورمہ اور چائنیز رائس اسے بہت پسند تھے۔ عارفین بہت بدل گیا تھا۔ پہلے جیسی شوخیاں شرارتیں اس پر ذرا بھی جچتے کہ سب جیسے وہ بھول چکا تھا۔ اب تو بات کرنا تو دور دیکھنا تک پسند نہیں کرتا تھا۔ معصوم کا دل کٹنے لگا تھا۔ اس کے بدلے رویے پر دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ آج جو کچھ اس کے ساتھ ہوا یا ہو رہا تھا سب اسفند درانی اور یاور درانی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ کیا تھا وہ پہلے ہی عارفین کو سب کچھ بتا دیتی تو نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی مگر اسفند درانی اور یاور درانی نے اس کی سکون بھری زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ اتنی گہری چال چلیں گے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس کی زندگی کٹھن ہو گئی تھی۔ مشکل میں پڑ گئی تھی اس کی جان، شاید زندگی میں اس کی آزمائش اس کا امتحان ختم نہیں ہوا تھا ابھی برہنہ پا قدموں سے دہکتے انگاروں پر اور چلنا پڑے گا۔ وہ اتنی گہری سوچوں میں غلطاں تھی کہ یہ بھی احساس نہ ہوا کب سے اس کا موبائل بج رہا ہے۔
"معصوم بھابھی! آپ کا موبائل بج رہا ہے۔" وانیہ اپنے روم میں جا رہی تھی معصوم کو دیکھا جو اگلی صوفے پر بیٹھی تھی سامنے ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا۔
"آں.....ہاں....." وہ بری طرح چونک کر وانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔
"آپ کا موبائل کافی دیر سے بج رہا ہے شاید۔"
"ہوں۔" اس نے موبائل اٹھایا جہاں کوئی انجانا نمبر تھا۔ اس نے کچھ سیکنڈ نمبر دیکھا وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس کا نمبر ہے۔ فون بند ہو گیا تھا مگر پھر فون بجنے لگا تھا۔ وانیہ تو اندر چلی گئی تھی اس نے بالآخر فون اٹھایا تھا۔
"ہیلو۔" کا جملہ بولا ہی تھا کہ کمرے سے نکلتے عارفین کے قدم وہیں ٹھہر گئے۔
"ہیلو معصوم کیسی ہو؟" سوچیں اس کے اندر ایک دم منہ چڑانے سا دہرا رہا تھا وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
"اسفند چاچا!"
"ہاں میں..... کیوں بے چارے شریف لوگوں کو پریشان کر رہی ہو ان کے لیے اور تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم بیوی کی شرافت سے ہمارے ساتھ کینیڈا چلو۔"
"مجھے نہیں معلوم کہ آپ لوگوں کا کیا مقصد ہے مگر میں بھی جانتی ہوں اور آپ بھی کہ وہ سب تصویریں، مووی، نکاح نامہ وغیرہ جعلی ہیں ان سب میں کوئی سچائی نہیں ہے۔"
"ہا..... ہا..... ہا" قہقہہ بہت بلند تھا قہقہہ کافی دیر تک سنائی دیا تھا۔
"بالکل ٹھیک کہا تم نے کہ وہ سب جعلی ہے ان میں کوئی سچائی نہیں ہے مگر کیا کریں وہ کہتے ہیں نا کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔"
"شرم کریں اسفند چاچا، بابا نے آپ کو جائیداد سے بے دخل کر دیا تھا اور ہمیں بھی وصیت کی تھی کہ آپ سے ان کے مرنے کے بعد بھی نہ ملیں یقیناً آپ میں کوئی خامی ہے۔"
"خیر یہ سب باتیں تو ایک طرف فی الحال تم جلد از جلد یہاں آؤ میں تمہاری شادی یاور سے کرا دوں گا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری شادی عارفین سے ہو چکی ہے یاور سے کیسے کر سکتے ہیں آپ۔" معصومہ نے دبی دبی آواز میں شکوہ کیا تھا۔
"یہ بات تو تم کہتی ہو عارفین تو نہیں مانتا۔"
"نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں وہ مانتے ہیں اس شادی کو۔"
"اب تمہاری اس بات کو غلط فہمی کہوں یا خوش فہمی بہر حال اگر تم اس بات پر اڑی ہوئی ہو کہ عارفین تمہارا شوہر ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر عارفین ہی نہ رہے تو تب تو تم یاور سے شادی کر سکتی ہو نا۔" کتنی خباثت بھری تھی ان کی سوچ میں۔
"خبردار اسفند چاچو! اگر آپ نے عارفین کو کوئی نقصان پہنچایا تو......" وہ دہل کر رہ گئی تھی۔ عارفین کا ذرا سا بھی نقصان وہ بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی۔
"تو پھر ذہن کو تم یہاں ہمارے پاس آ رہی ہو۔" اسفند درانی نے اس کے جذبات پہ وار کیا تھا جس کے لیے وہ کامیاب ٹھہرے تھے۔
"اگر عارفین کی زندگی کے عوض آپ کو میں چاہیے ہوں تو میں آؤں گی آپ مجھے بتایئے میں کب اور کہاں آؤں۔" شکست زدہ لب و لہجے پر اس کی سیاہ آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے تھے۔
اور اس سے پہلے اسفند درانی کچھ کہتے وہ کچھ سمجھ پاتی عارفین نے اس کے ہاتھ سے تیزی سے موبائل جھپٹا تھا۔ وہ اتنے قریب تھا کہ با آسانی ان دونوں کی گفتگو سن سکتا تھا۔
"آج کے بعد اگر تم نے معصومہ کو فون کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا یہ بات میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، سمجھ جاؤ معصومہ سے دور رہو ورنہ اگر میں اپنے پر آ گیا تو یہاں پاکستان میں تم اب پہلے نظر بھی نہیں آؤ گے۔ یاد رکھنا یہاں پاکستان کی جیل سے بچ بھی گئے تو چھوٹ جاؤ مگر کینیڈا کے قانون کی جیل تمہارا ساری زندگی بھر کا مقدر ٹھہرا دیں گی اگر میری بات نہیں مانی تو۔" عارفین کے لب و لہجے میں شیر کی دہاڑ تھی آنکھوں میں غصے کے شرارے تھے اور غصے کی وجہ سے اس کے دماغ کی رگیں ابھر گئی تھیں۔ عارفین نے موبائل آف کر کے صوفے پر پھینکا تھا اور ڈری سہمی دہشت زدہ سی معصومہ کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تھا کہ وہ کمزور سی اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی تھی۔
"تم نے اگر اس گھر سے باہر ایک قدم بھی میری مرضی کے بغیر نکالا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا اور میں جو کہتا ہوں کر بھی گزرتا ہوں آئی سمجھ۔" جس جھٹکے سے اس نے معصومہ کو کھینچا تھا اس سے کہیں زیادہ زور سے خود سے الگ بھی کر دیا تھا کہ وہ پیچھے صوفے پر گری تھی۔ عارفین نے ایک تیز غصے اور نفرت سے اسے دیکھا اور وہاں سے نکلا چلا گیا تھا مگر اس کا رخ باہر جانے والی کی جانب تھا۔
رابعہ پھوپو لان کے پاس سے آئی تھیں، معصومہ کو صوفے پر سر جھکائے بیٹھا دیکھا تو وہ اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئیں۔
"معصومہ بیٹا! کیا بات ہے اس طرح کیوں بیٹھی ہو تم؟"
"جی۔" وہ چونک کر رہ گئی اور جلدی سے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا رابعہ نے اس کا بھیگا چہرہ اور بھیگی پلکیں دیکھ لی تھیں۔
"اور یہ تم روئی کیوں ہو؟" انہیں معصومہ کی فکر لگ گئی تھی۔
"نہیں تو امی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل میں ابھی کچن سے آ کر بیٹھی ہوں نا کچن میں گرمی

بہت تھی۔" وہ یقین دلانے کی کوشش میں کامیاب ہوئی یا نہیں یہ وہ نہیں جانتی تھی کیوں کہ رابعہ بے نگی سے بغور دیکھ رہی تھیں۔
"سچ کہہ رہی ہو تمہاری آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں اگر عارفین نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ میں ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں۔" بہت شفقت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔
"تم مجھے بہت عزیز اور پیاری ہو میں تمہاری آنکھوں میں معمولی سی بھی اداسی نہیں دیکھ سکتی۔ بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔ کیوں کہ عارفین کو بھی میں نے بہت جلدی میں باہر جاتے دیکھا ہے تم دونوں کے بیچ سب ٹھیک ہے نا۔"
"ارے امی! واقعی ایسی کوئی بات نہیں ہے میرا یقین کریں۔ بس اپنے ماما پاپا کی یاد آ گئی تھی۔"
"میری جان اگر ان کی یاد آئی ہے تو انہیں کچھ پڑھ کے بخشا کرو۔"
"جی امی میں روز بخشتی ہوں۔"
"یہ تو بہت اچھی بات ہے اچھا چلو بتاؤ رات میں پہننے کے لیے اپنے اور عارفین کے کپڑے نکال لیے۔"
"کپڑے مگر کیوں امی ہم کہیں جا رہے ہیں۔" اس نے اپنا درد اپنے دل میں چھپا لیا تھا رابعہ سے کہہ کر وہ انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"ارے لڑکی! اتنا یاد تو تھا آج رات کا کھانا ناظم بھائی اور سلیم بھائی نے پیچھے لان میں رکھا ہے تقریباً سب کا ہی ڈنر رکھا گیا ہے۔"
"اوہ! سوری امی میں واقعی بھول گئی تھی میں ابھی نکال لیتی ہوں۔" معصومہ وہاں سے کھڑی ہو گئی تھی رابعہ کو کوئی اور حال پتہ نہ لگ جائے کیوں کہ اس وقت وہ اس پوزیشن میں بالکل نہیں تھی اس کا دل بار بار بھر رہا تھا۔ آنسوؤں کا ایک گولہ جو حلق میں اٹکا ہوا تھا وہ بہہ نہ نکلے ان کے سامنے۔

☆...☆

"ثوالے۔" زرمیل بیڈ پر نیم دراز کوئی میگزین پڑھ رہا تھا۔
"ہوں۔" وہ وارڈ روب کے پاس کھڑی کم وقت انداز میں بولی تھی۔
"آج رات کیا پہن رہی ہو؟" اس نے میگزین واپس رکھ دیا تھا۔
"سوچ رہی ہوں یہ سوٹ پہن لوں اسلام آباد سے خریدا تھا۔ ابھی ہلکی سی ٹھنڈ بھی ہے تو یہ ویلوٹ کا سوٹ اچھا لگے گا۔" اس نے ہینگر کیا ہوا سوٹ بیڈ پر رکھا تھا۔ زرمیل نے وہ سوٹ دیکھا وہ واقعی قیامت خوب صورت لگ رہا تھا۔ زرمیل نے اس کی پسند کو سراہا بھی تھا۔ ثوالے بالکل خاموش گم صم سی ہو گئی تھی اور اس کی خاموشی کو زرمیل نے بہت شدت سے محسوس بھی کیا تھا۔ وہ بیڈ سے کھڑا ہوا اور اس کے پاس آیا تھا۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" ثوالے نے زرمیل کو اداسی سے دیکھا تھا۔
"شیراز بھائی کی بہت یاد آ رہی ہے آپ جانتے ہیں نا انہوں نے میرا کس قدر خیال رکھا ہے۔ میرے کھانے پینے کی دیکھ بھال دنیا کی ہر چھوٹی سی چھوٹی خواہش کو انہوں نے سنبھالی ہوئی تھی۔ ان کی تربیت و پرورش انہوں نے ہی کی ہے آج وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں مجھے بہت محسوس ہو رہا ہے۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
(جاری ہے)

مکمل ناول

میرے دل میرے مسافر

سڈنی شہر کے اس علاقے کا شمار پوش علاقوں میں ہوتا تھا۔ ساحل سمندر کے قریب اس علاقے کے خوب صورت گھر پہلی ہی نظر میں دیکھنے والوں پر بہت اچھا اثر ڈالتے تھے۔ یہاں گھر لینا ایک اچھا خاصا مہنگا سودا تھا اور عام آدمی تو اس قسم کے گھر خریدنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خوب صورت اور جدید طرز کے ان گھروں کی طرز تعمیر بلاشبہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور سب سے بڑھ کر ساحل سمندر کا نظارہ ان کے اندر



قدرتی خوب صورتی نے اس جگہ کو اور زیادہ دلفریب اور سحر انگیز بنا دیا تھا۔

آسٹریلیا میں سمندر کے قریب جتنی بھی آبادیاں تھیں وہ سب خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھیں اور یہاں کے پرسکون ماحول کی وجہ سے اکثر لوگ یہاں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ انہی جدید طرز کے گھروں میں ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں صرف دو لوگ ہی رہتے تھے، ویسے تو دیگر گھروں میں بھی مکینوں کی تعداد کم ہی تھی مگر یہ دو لوگ ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ کہنے کو وہ دونوں یہاں ہی رہتے تھے مگر ان دونوں کے تعلقات اجنبی مسافروں کی طرح تھے جو ایک ساتھ تو چل رہے تھے مگر ایک دوسرے سے بات کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کے درمیان رنجش اور عداوت حد سے بڑھ چکی تھی مگر اس کے باوجود وہ دونوں ایک ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ حالانکہ وہ جس ملک میں رہتے تھے وہاں اس قسم کے حالات میں لوگ با عزت طریقے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مگر لگتا تھا کہ ان دونوں کا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے یا پھر شاید وہ ایک دوسرے کا صبر آزما رہے تھے اور وقت گزارنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ دن بھی عام دنوں جیسا ہی کوئی دن تھا جس روز اس گھر کی صرف ایک مکین گھر میں موجود تھی۔ گھر کا دوسرا مکین اس وقت گھر سے باہر تھا اور اس لڑکی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا



ہے اور وہ کچھ عجیب کرنے والی ہے۔ وہ لڑکی کمرے کی صفائی سے تقریباً فارغ ہو چکی تھی اور اب اپنے کمرے میں سے اوپر والے پورشن کی کھڑکی کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کھڑکی اور سمندر کے درمیان خاصا فاصلہ تھا اور وہاں سے ساحل سمندر لگتا بھی بہت خوب صورت تھا مگر وہ لڑکی وہاں پر سمندر کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا ارادہ کچھ اور تھا۔ وہ کچھ دیر ساحل سمندر کے قریب کھڑے لوگوں کو مستیاں کرتے ہوئے دیکھتی رہی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا کرتے ہوئے لوگ شرم و حیا کی تمام حدیں پار کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک نوجوان جوڑا ایک دوسرے کے اوپر پانی اچھالنے میں مصروف تھا۔ لوگ غسل آفتابی سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس وقت ساحل پر بڑی اچھی ہوا چل رہی تھی اور پچھلے دنوں کی نسبت اس روز لوگوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ اس لڑکی نے کچھ دیر یہ سب دیکھا اور پھر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ کچھ ہی دیر میں لوگ اس کے نیلے پڑتے وجود کو پانی سے نکال چکے تھے اور اب وہ اسے اسپتال لے جا رہے تھے مگر لوگوں کی اکثریت کا خیال تھا کہ اس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ چکی ہے۔

☆...☆

مائدہ حسن اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں تھی۔ اس سے پہلے جتنی لڑکیاں بھی موسیٰ حیات کی زندگی میں آئیں تھیں وہ انھیں کسی نہ کسی وجہ سے چھوڑتا چلا گیا تھا مگر مائدہ حسن کی اس کی زندگی میں آمد کے بعد اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا کہ وہ مائدہ کی جگہ کسی اور کو دے۔ [illegible] کی مائدہ حسن نے موسیٰ کے دل پر پوری طرح قبضہ کر لیا تھا اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ مائدہ کے بارے میں جو کچھ اس کا دل محسوس کرتا ہے وہ محبت سے بہت آگے کی چیز ہے۔ موسیٰ کا شمار اپنی یونیورسٹی کے فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ کے انتہائی ذہین طالب علموں میں ہوتا تھا۔ وہ اپنے پروفیسرز کا منظور نظر تھا اور اس کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ وہ مصوری کی دنیا میں بہت نام پیدا کرے گا۔ وہ خود بھی مصوری کے متعلق اپنے پاگل پن سے بہت اچھی طرح آگاہ تھا۔ وہ جب کینوس کے پاس کھڑا ہوتا تھا تو اسے اپنا شاہکار مکمل کرنے کے علاوہ کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔ اس کی بنائی ہوئی تصاویر بہت سے انعامات حاصل کر چکی تھیں۔ وہ آنے والے وقت کا ایک نامور مصور ہے اس کے بارے میں یہ پیشین گوئی اس کے تمام ٹیچرز نے کی تھی۔ مائدہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کی ہی لڑکی تھی ہر لحاظ سے موسیٰ کے ہم پلہ تھی اور بظاہر ان دونوں کے ایک ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ موسیٰ کو اس کے اعتماد، خوب صورتی اور ذہانت سمیت پوری شخصیت نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ دلوں میں جگہ کرنے والا انسان تھا اور مائدہ حسن سے دوستی کے محض چند دن بعد ہی موسیٰ نے اسے پرپوز کر دیا تھا اور مائدہ کی رضامندی سے اس کے دل کو اطمینان ہوا تھا کہ محبت کے سفر میں وہ اکیلا نہیں ہے، بلکہ مائدہ بھی اس کی ہم قدم ہے۔ ان دونوں کو والدین کی طرف سے گرین سگنل مل چکا تھا کہ اچانک ایک تیز آندھی چلی جس نے موسیٰ حیات اور مائدہ حسن کے خوابوں کے محل کو لمحوں میں چکنا چور کر دیا اور وہ دونوں ایک ہونے سے پہلے ہی جدا ہو گئے۔

☆...☆

سڈنی آرٹ اسکول کیمپس میں اس وقت بہت سے طلباء و طالبات شریک تھے۔ اس بار انھیں قدرتی منظر بنانے کو کہا گیا تھا۔ ایک ایسا منظر جو دیکھنے والوں کو پہلی ہی نظر میں اپنی گرفت میں لے لے۔

تمام امیدوار بہت پر جوش تھے۔ سب کی خواہش تھی کہ پہلا انعام انھیں ہی ملے۔ پچھلی دفعہ کا فاتح علی نواز شاہ اس بار بھی انعام جیتنے کے لیے پرعزم تھا۔ اس کے اسکول کو اس سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اور وہ خود بھی یقین تھا کہ اس کا اعزاز اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ مقابلے میں شریک تمام طلباء و طالبات کو ایک مخصوص وقت میں اپنے اپنے شاہکار مکمل کر کے ججز کے سامنے رکھ دینے تھے اور پھر ان میں سے تین تصاویر منتخب ہونی تھیں۔ جو بالترتیب پہلے دوسرے اور تیسرے انعام کی حقدار قرار پانی تھیں۔ سڈنی کے اسکولز کے درمیان ہونے والا یہ آرٹ کا مقابلہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔ کیوں کہ جیتنے والی تصاویر کو مختلف آرٹ گیلریز اپنے شہروں میں نمایاں جگہ دیتے تھے اور پھر وہ آرٹسٹ بھی اپنے کام کی وجہ سے ایک نام پالیتا تھا۔ اس مقابلے میں جو انعامی رقم دی جاتی تھی۔ وہ بھی کم نہیں تھی اس لیے سب بھرپور تیاری کے ساتھ اس مقابلے میں حصہ لے رہے تھے۔ تصاویر بنانے کے لیے جو وقت دیا گیا تھا وہ اب ختم ہو چکا تھا۔ تمام شاہکار ججز کے سامنے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے نتائج کا اعلان کر دیا۔ حیرت انگیز طور پر اس بار علی نواز شاہ کی تصویر درجہ بندی میں دوسرے نمبر پر تھی۔ جب کہ پہلا انعام سائرہ وہیلر کی تصویر کو ملا تھا۔ وہ جب اسٹیج پر اپنا انعام وصول کرنے کے لیے آئی تو علی نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ شکل سے ایشیائی لگتی تھی مگر کہیں کہیں اس کے نقوش یورپین ہونے کی چغلی بھی کھاتے تھے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایشیائی اور یورپین نقوش کا حسین امتزاج تھی۔ تقریب کے اختتام کے بعد اب تمام طلباء و طالبات ایک دوسرے کے ساتھ اپنے احساسات کو بیان کر رہے تھے۔ ایسے میں علی سب سے الگ تھلگ اسکول بلڈنگ کے وسیع گراؤنڈ میں موجود ایک درخت کے پاس کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی شکست کے ذائقے سے آشنا ہوا تھا جس سے وہ اپنی اداسی کو چھپا نہیں پا رہا تھا۔ اچانک سے وہی لڑکی سائرہ وہیلر ایک بڑا سا چپس کا پیکٹ لے کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے چپس کا پیکٹ علی کی طرف بڑھا دیا۔ جس میں سے چند چپس علی نے نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھا لیے تھے۔ اس لڑکی کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی جو ہر فاتح کے چہرے پر ہوتی ہے۔

"سائرہ وہیلر" اس لڑکی نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے علی کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"علی نواز شاہ" علی نے بھی سائرہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ علی جب واپس جا رہا تھا مگر وہ خوش تھا کہ ایک خوب صورت دل رکھنے والی لڑکی اس کی دوست بن گئی ہے۔

☆—☆

عروہ جب اس آفس سے نکلی تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ نہایت مایوسی کے عالم میں اب سڑک کے کنارے چلنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ حسب معمول ایک بار پھر انٹرویو میں کامیابی حاصل نہیں کر سکی تھی۔ ایک اچھی نوکری صرف اس کا خواب نہیں تھا اس کی ضرورت بھی تھی مگر لگتا تھا انٹرویو لینے والوں کو اس کی کسی مجبوری کا احساس ہی نہیں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ انٹرویو کے پینل میں موجود لوگ ہر بار اس سے الٹے سیدھے سوالات کیوں کرتے تھے۔ اس انٹرویو میں تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سامنے پڑی کوئی چیز اٹھا کر اس پینل ہیڈ کے سر پر مار دے جو جان بوجھ کر الٹے سیدھے سوالات کر کے عروہ کو زچ کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا تیسرا انٹرویو تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اب بیزار ہو چکی تھی۔ روڈ پر [illegible] کی گاڑیوں میں بیٹھے امیر لوگوں کو دیکھ کر اسے اپنی معاشی بدحالی کا اور شدت سے احساس ہو رہا

تھا۔ اس کے والد سراج دین ایک کنسٹرکشن کمپنی میں سپروائزر تھے اور نہایت سخت مزاج کے حامل انسان تھے۔ ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے عروہ کے گھر کا ماحول بہت گھٹا گھٹا سا تھا۔ بے جا غصے کی عادتوں نے عروہ اور اس کے دیگر بہن بھائیوں کو اس کے والد سے دور کر دیا تھا۔ دو ماہ پہلے سراج دین کا ایک بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس کے نتیجے میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو گئے تھے۔ وہی سراج دین جو ہمیشہ گردن اکڑا کر چلا کرتے تھے اور اپنے بیوی بچوں کو انتہائی کمتر مخلوق سمجھتے تھے۔ اب صرف وہیل چیئر تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی نوکری بھی اب نہیں رہی تھی جس کے باعث وہ مزید بدمزاج ہو گئے تھے۔ گھر کا گزارا پہلے ہی بہت مشکل سے ہوتا تھا اور اب تو صورت حال اور خراب ہو گئی تھی۔ عروہ کی والدہ بھی پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ جو وہ گھر کے معاشی حالات سدھارنے میں اپنا کوئی کردار ادا کر سکتیں۔ اس کے بہن بھائی ابھی چھوٹے تھے سب سے چھوٹی ثنا ابھی آٹھویں میں تھی۔ اس سے بڑی صبا میٹرک کے امتحانات دے چکی تھی اور چھوٹا بھائی بھی ابھی سیکنڈری لیول کی تعلیم ہی حاصل کر رہا تھا اس لیے ساری ذمہ داری اب عروہ کے کندھوں پر آن پڑی تھی۔ اس نے گریجویشن کے بعد انگریزی ادب میں ماسٹرز کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ مگر اب اس نے اپنے خوابوں میں تھوڑی سی ترمیم کر لی تھی۔ اب وہ اپنے بہن بھائیوں کی اعلیٰ تعلیم کے حوالے سے خواب دیکھتی تھی۔ اس کی انگریزی اچھی تھی اور کمپیوٹر سے بھی واقفیت تھی اس لیے اس کا خیال تھا کہ اسے نوکری بہت آسانی سے مل جائے گی مگر ابتدائی چند ہفتوں کی ناکامی کے بعد ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جتنی مرضی قابل ہو جائے بغیر سفارش کے اسے نوکری نہیں ملے گی۔ اپنی سوچوں میں گم چلتے وہ سڑک کے درمیان میں آ گئی اور سامنے سے آنے والی گاڑی سے ٹکرا کر گر پڑی۔ وہ گاڑی موسیٰ کی تھی جو اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے جا رہا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ وہ اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ جائے مگر انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت وہ وہاں پر رک گیا۔ اس نے لوگوں کی مدد سے لڑکی کو اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور اسپتال کی طرف چل پڑا۔ عروہ کے سر پر کافی گہری چوٹ آئی تھی۔ اسپتال کے شعبہ ایمرجنسی میں ابتدائی مرہم پٹی کے بعد عروہ کو فارغ کر دیا گیا۔ ڈاکٹرز نے عروہ کو مکمل آرام کی ہدایات کی تھیں۔ موسیٰ نے ڈاکٹرز کی تجویز کردہ تمام ادویات عروہ کے لیے لے لی تھیں۔ وہ دونوں جب اسپتال سے باہر نکلے تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ عروہ اب موسیٰ کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور درد تھا مگر اب اس کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ موسیٰ کی گاڑی بہت آہستگی سے عروہ کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔ موسیٰ ایک بار تیز گاڑی چلانے کا نقصان اٹھا چکا تھا اس لیے اب وہ دوبارہ تیز گاڑی چلا کر کوئی نیا نقصان نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ویسے بھی عروہ کے سر اور ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تیز ڈرائیونگ سے اسے تکلیف ہو سکتی تھی۔ عروہ کا گھر ایک گنجان آباد علاقے میں تھا اور رات کے اس وقت بھی وہاں بہت رونق تھی۔ عروہ چاہتی تھی کہ موسیٰ اسے سڑک کنارے اتار دے۔ وہ اپنے گھر خود ہی چلی جائے گی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے کوئی موسیٰ کے ساتھ دیکھے وہ اپنے محلے والوں اور گھر والوں کی ذہنیت سے بہت اچھی طرح واقف تھی مگر موسیٰ بضد تھا کہ وہ اسے اس کے گھر کے بالکل سامنے اتارے گا۔ موسیٰ کے ساتھ اس کا ابتدائی تعارف ہو چکا تھا۔ عروہ کا جس طرح اس نے خیال رکھا تھا۔ عروہ دل سے موسیٰ کے خلوص کی قائل ہو گئی تھی۔ عروہ کا گھر آ چکا تھا۔ موسیٰ نے اپنی گاڑی عروہ کے گھر کے سامنے کھڑی کر دی تھی۔ عروہ نے تشکر آمیز نگاہوں سے موسیٰ کی طرف دیکھا

اور گاڑی سے اتر کر اپنے گھر کے اندر چلی گئی۔ موسیٰ نے مطمئن ہو کر اپنی گاڑی کا رخ اپنے گھر کی طرف موڑ لیا تھا۔ اب وہ گھر جا کر آرام کرنا چاہتا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے عائدہ کا خیال آتے ہی اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ دوڑنے لگی تھی۔ وہ ابھی راستے میں ہی تھا کہ اچانک اس کی نظر اپنی گاڑی میں موجود اس لفافے کی طرف پڑی جس میں عروہ کی ادویات تھیں۔ اپنے بھولنے کی عادت پر لعنت ملامت کرتا ہوا وہ اب دوبارہ سے عروہ کے گھر کی طرف جا رہا تھا مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس نے سڑک پر ایک عجیب و غریب منظر دیکھا جو اس کے لیے صرف حیران کن نہیں بلکہ بہت حد تک تکلیف دہ بھی تھا۔



آرٹ اسکول کا کمپٹیشن ختم ہوئے بہت دن ہو چکے تھے مگر علی ابھی تک اس ہنستے مسکراتے چہرے کو بھول نہیں پایا تھا جس کی مسکراہٹ اسے دنیا کی خالص ترین مسکراہٹ لگی تھی۔ وہ لڑکی بہت حسین تھی اور علی نواز شروع سے اس کا حسن متاثر کر چکا تھا مگر علی کو نہ صرف اس کے حسن بلکہ اس کے آرٹ نے بھی اپنی طرف کھینچا تھا۔ اس لڑکی کا گہرا مشاہدہ اس کی بنائی ہوئی تصویر میں صاف نظر آ رہا تھا۔ علی نے ایک میگزین میں بھی سائرہ کی ہاتھ سے بنائی گئی اور بھی تصویریں دیکھیں تھیں۔ اس کے کام کی خوب صورتی نے علی کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ بلاشبہ اس کی تصویر ہی پہلے انعام کی حقدار تھی۔ سائرہ کی بنائی ہوئی تصویر کے مقابلے میں علی کو اپنی بنائی ہوئی تصویر خامیوں کا مجموعہ لگتی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کے کام میں بہتری کی بہت گنجائش ہے۔ سائرہ کی دوستی کی پیشکش کو وہ قبول کر چکا تھا۔ اس کے پاس سائرہ کا نمبر بھی تھا ہر بار جب وہ اسے فون کرنے کا ارادہ کرتا کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آ جاتی۔ وہ اس کے فون کے انتظار میں بھی تھا مگر سائرہ کا اسے کوئی فون نہیں آیا۔ اسی طرح دن گزرتے چلے گئے۔ علی کے امتحانات شروع ہوئے اور جب نتیجہ آیا تو علی نے بہت اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی۔ وہ اب آگے مزید تعلیم فائن آرٹس کے شعبے میں ہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا جلد ہی ایک آرٹ کالج میں داخلہ ہو چکا تھا۔ ابھی کالج میں اس کی کلاسز کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا کہ ایک دن وہ اپنے بابا کے ساتھ ایک شاپنگ مال میں اس کا سائرہ سے ٹکراؤ ہو گیا اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔



عروہ جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوئی اس کی پہلی نظر سراج دین پر پڑی جو اپنی مخصوص وہیل چیئر پر بیٹھے شاید اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا مزاج کچھ ضرورت سے زیادہ ہی گرم نظر آ رہا تھا۔ اس کی والدہ اور باقی بہن بھائی بھی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے والد کے مزاج سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور سمجھ چکی تھی کہ رات کے اس پہر گھر میں داخل ہوتے وقت وہ خطرے کے کتنے قریب آ گئی تھی۔ وہ اس تمام صورت حال کے لیے تیار تھی جو اس کے والد کی طرف سے اسے پیش آ سکتی تھی مگر اس وقت معاملات اپنی سوچ سے بھی زیادہ سنگین لگ رہا تھا۔ اس کے سر میں ابھی بھی ہلکا ہلکا درد تھا۔ ایک حادثے کے بعد اب کٹہرے میں کھڑے ہو کر اپنی صفائیاں پیش کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی جائے اور دروازہ بند کر لے مگر یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ ابھی تو اسے اپنے گھر والوں کو مطمئن کرنا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی دیکھ کر اس کی والدہ آگے بڑھیں تو اس کے باپ کے زہر بھرے چند جملے اسے سنائی دیے

"رک جائیں آمنہ بیگم! ابھی مجھے اس سے پوچھ تو لینے دیں کہ یہ اس وقت کس کے ساتھ اپنا منہ کالا کر کے آرہی ہے۔"

عروہ نے دکھ سے ایک سسکی بھری۔ اس قسم کے جملے اپنے باپ کے منہ سے سننا اس کے لیے نیا نہیں تھا مگر اس بار ان جملوں نے اس کے سر کا درد بہت بڑھا دیا تھا۔

"آپی! ابھی تھوڑی دیر پہلے بڑے تایا کے گھر سے رضوان بھائی آئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ آپ کسی لڑکے کے ساتھ تھیں اور یہ بھی کہ آپ کو وہ پہلے بھی کئی بار اس لڑکے کے ساتھ دیکھ چکے ہیں۔" چھوٹے سے چھوٹی حنا سر جھکا کر بولی۔

عروہ پر تہمت لگ چکی تھی لہٰذا گھر والوں نے اسے گھر بدری کی سزا بھی سنا دی تھی۔ اس قسم کے حالات میں رانے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی سو عروہ کی وضاحتوں کو بھی کوڑے دان میں پھینک دیا گیا۔ اس نے بہت منت کی مگر اس کی والدہ سمیت شاید سب کے دل پتھر کے ہو چکے تھے۔ دس منٹ کے اندر اندر وہ گھر سے باہر تھی۔ اس کی زندگی کے اس مقدر کا فیصلہ دس منٹ میں ہو گیا تھا۔ ان دس منٹوں میں اسے ایک بات بہت اچھی طرح سمجھ آگئی تھی کہ جب برا وقت آتا ہے تو اپنا سایا بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اسے تایا سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ اسے تو گلہ اپنی ماں اور بہن بھائی سے تھا۔ زخم اگر اپنوں کی طرف سے ملے تو دیر سے بھرتا بھی دیر سے ہے اور تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ وہ سڑک پر آگئی تھی۔ اس نے اپنے سر اور ماتھے پر بندھی پٹی بھی اتار دی تھی۔ اس کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا مگر اسے اب کسی زخم کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی اور اس نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ کسی گاڑی کے نیچے آ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔ وہ سڑک کے عین درمیان میں کھڑی تھی۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ کوئی گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جاتی اچانک سے موسیٰ نے اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اسے اپنی گاڑی کے پاس لے آیا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ عروہ کو فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر اب وہ دوبارہ سے اسپتال کی طرف جا رہا تھا۔

"عروہ! آپ نے اپنی پٹی اتار دی۔ آپ کو اندازہ ہے کہ ایک بار زخم بڑھ جائے تو پھر ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لیتا ہے۔" اسے عروہ کی لاپروائی پر شدید قسم کا غصہ آرہا تھا۔

"زخم تو بڑھ گیا مسٹر موسیٰ!" عروہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔ عروہ کے لہجے پر موسیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ عروہ کے ساتھ کچھ بہت برا ہوا ہے۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے مزید کوئی بات پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ عروہ کے ساتھ اب دوبارہ اسپتال آچکا تھا۔ وہاں پر اس کی دوبارہ سے مرہم پٹی کی گئی۔ ڈاکٹرز سے ہدایات لینے کے بعد اب وہ اور عروہ ایک بار پھر اس کی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ عروہ نے مختصر الفاظ میں اپنے گھر والوں کے رویوں کی داستان سنا دی تھی۔ موسیٰ کو یہ سب سن کر بہت دکھ پہنچا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ اس نے عروہ کی طرف دیکھا۔ اسے لگا کہ اس لڑکی کو اس کی ضرورت ہے اگر وہ اسے بیچ راستے میں چھوڑ دے گا تو وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔

"عروہ! آپ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہیں۔" موسیٰ نے یقین بھرے لہجے میں عروہ کو مخاطب کیا۔ اس تھوڑے سے وقت میں نہ جانے کیوں موسیٰ کو وہ اپنا اپنا سا لگنے لگی تھی۔ عروہ نے اپنا سر گاڑی کی سیٹ سے لگا لیا۔ وہ موسیٰ پر اعتبار کر چکی تھی۔ اسے موسیٰ پر اعتماد کرنا ہی تھا۔ کیوں کہ اسے اس کے سارے رشتوں نے

دیا تھا۔ وہ شہر جہاں کہ جب سے گزر رہی تھی اور اس لیے موسیٰ کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا عروہ نے اس پر بھی اعتبار کرنا تھا۔ موسیٰ کی گاڑی کا رخ اب اس کے گھر کی طرف ہو گیا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے ہی گھر عروہ کو گھر لا کر وہ اپنی زندگی کا اہم ترین قدم اٹھانے لگا ہے اور اس ایک فیصلے سے اس کی زندگی یکسر بدل جانے گی۔

☆......☆

شاپنگ کرنا علی کو کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا مگر اس وقت مجبوری تھی کیوں کہ وہ اپنے بابا کی لاپروا طبیعت سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ جب تک وہ اپنے بابا کے ساتھ جا کر ان کے لیے نئے کپڑے اور جوتے نہیں خریدے گا وہ پرانے کپڑوں میں ہی گزارا کرتے رہیں گے۔ سڈنی کے اس جدید شاپنگ مال میں آکر اسے ہمیشہ ایک خوشگوار احساس ہوتا تھا۔ یہ شاپنگ کے لیے اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ شاپنگ مال میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے بابا کے لیے کپڑوں کی خریداری شروع کر دی تھی۔

"بابا! یہ آپ پر کیسا لگے گا؟" علی نے ایک شرٹ ان کے ساتھ لگا کر پوچھا۔ علی کی اس بات پر مسکراتے ہوئے نواز شاہ نے اپنے اس بیٹے کی طرف دیکھا جو محض سترہ سال کی عمر میں ان سے لمبا لگنے لگا تھا۔

"جی، بابا کی جان۔ آپ جو بھی میرے لیے لو گے وہ مجھ پر اچھا ہی لگے گا۔" نواز شاہ نے ڈھیر سارا پیار اپنی آنکھوں میں سموتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بیٹے کی اس عادت سے اچھی طرح واقف تھے کہ وہ جب بھی شاپنگ کرتا ہے ہمیشہ اپنے بابا کے لیے ہی کرتا ہے۔ نواز شاہ کی بیگم علی کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ بیگم کے چلے جانے کے بعد نواز شاہ نے ہمیشہ کے لیے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور آسٹریلیا شفٹ ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا بزنس تھا۔ ان کی کمپنی ووڈ ورک کا شمار پاکستان کی بہترین فرنیچر بنانے والی کمپنیوں میں ہوتا تھا۔ آسٹریلیا میں بھی ان کی کمپنی کا بنایا گیا فرنیچر اپنے اعلیٰ معیار کے باعث بہت پسند کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سڈنی میں بھی ان کا شمار خوش حال افراد میں کیا جاتا تھا اور اب تو ان کا بزنس بہت پھیل گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ علی کو بزنس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ رنگوں کا کھلاڑی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے پر کبھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا کہ وہ صرف بزنس کی ہی تعلیم حاصل کرے اور علی کو اپنے بابا کی یہی بات پسند تھی۔ شاپنگ کے بعد ان دونوں باپ اور بیٹے کا ارادہ قریبی فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ سے کچھ کھانے پینے کا تھا کہ اچانک سے علی کی نظر سارہ پر پڑی جو اس وقت کسی سیاہ فام کے ساتھ اسی ریسٹورنٹ کی طرف جا رہی تھی علی اسے اپنے بابا سے بھی ملوانا چاہتا تھا۔

"ہیلو سارہ!" علی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ علی کی آواز سن کر سارہ رک گئی تھی۔ علی اپنے بابا کو پیچھے چھوڑ کر اب اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سارہ کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے بہت خوشی ہو رہی تھی اور اس خوشی میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ سارہ اکیلی نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

"ہیلو۔" سارہ نے انتہائی روکھے پھیکے لہجے میں جواب دیا۔ سارہ کے ساتھ کھڑے اس سیاہ فام لڑکے نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ علی سے مصافحہ کیا۔ علی ابھی تک سارہ اور اس لڑکے کے درمیان تعلق کی نوعیت جان نہیں پایا تھا۔

"میں ڈینک ہوں۔ سارہ کا ہونے والا فرینڈ اور بوائے فرینڈ (منگیتر) اور کچھ عرصے بعد شوہر بھی کہلاؤں گا۔" ڈینک مسکراتے ہوئے بولا۔

علی کو ایرک کی یہ بات بہت بری لگی تھی۔ وہ کچھ دیر ان دونوں کے پاس کھڑا ہونے کے بعد واپس اپنے والد کے پاس آ گیا تھا جو کافی دیر سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ایرک کی یہ بات سن کر علی کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی اس عجیب و غریب کیفیت پر وہ خود بھی حیران ہو رہا تھا۔ اس روز سائرہ کو دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن جس عجیب انداز سے بے ترتیب ہوئی تھی وہ محبت کی ہی علامت تھی اور علی نواز شاہ کو یہ بات سمجھنے میں بہت دن لگ گئے کہ سائرہ سے اس کی صرف دوستی ہی نہیں تھی بلکہ سائرہ سے اسے بہت شدید قسم کی محبت ہو گئی تھی۔

☆...☆

سرخ اینٹوں سے بنا وہ گھر شاید موسیٰ کی آمد کا منتظر تھا۔ اس گھر کے در و دیوار بھی موسیٰ کی واپسی پر مسکرا رہے تھے۔ کم از کم مروہ کو تو یہی لگ رہا تھا۔ وہ گاڑی سے اتر چکی تھی اور اب موسیٰ کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ گھر میں موجود بلیک شیفرڈ بھی موسیٰ کو دیکھ کر زور زور سے بھونکنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا آ کر موسیٰ کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔ موسیٰ کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چمک اتری تھی اس نے ایک لمحے کے لیے مروہ کو بھی حیران کر دیا تھا۔ موسیٰ نے اس کتے کو گود میں لے کر سہلایا اور پھر اسے نیچے اتار کر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بلیک شیفرڈ بھی موسیٰ کا اشارہ سمجھ کر آگے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں اب گھر کے وسیع و عریض لان سے گزر کر اندر کی طرف داخل ہو رہے تھے۔ گھر کا لان مکینوں کے اعلیٰ ذوق کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے تھے۔ ڈرائنگ روم میں موجود فرنیچر اور بیش قیمت اشیاء کی سجاوٹ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ عام حالات ہوتے تو مروہ اس امارت سے بہت متاثر ہوتی مگر اس وقت تو وہ خود اپنی زندگی سے بیزار تھی۔ اگر موسیٰ اسے نہ بچاتا تو وہ کسی گاڑی کے نیچے آ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔ کیوں کہ اسے لگتا تھا کہ اس کے جینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ موسیٰ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود اوپر سیڑھیوں کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ اس کے گھر کی کوئی ملازمہ تھی۔ جو مروہ کو ہی لینے آئی تھی۔

"مروہ! یہ رضیہ ہیں۔ ہماری خاندانی ملازمہ ہیں۔ آپ ان کے ساتھ اوپر چلی جائیں۔ یہ آپ کو آپ کے کمرے میں لے جائیں گی۔ ابھی آپ آرام کریں۔ کیوں کہ ابھی آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔ صبح پھر دیکھتے ہیں۔ کیا کرنا ہے۔" یہ سب کہتے ہوئے موسیٰ اب اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کی زندگی کی یہ بہت بڑی آزمائش ہے مروہ! آپ نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے تو یقین رکھیں موسیٰ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔"

موسیٰ کے یہ ڈھارس بھرے جملے سن کر مروہ کی آنکھوں سے آنسو اب اور شدت سے بہنے لگے تھے۔ خود پر بٹھائے گئے ضبط کے تمام پہرے اس نے ہٹا دیے تھے۔ زندگی میں ہم پر اکثر ایسے لمحات آتے ہیں جب ہم کسی ایسے کاندھے کی تلاش میں ہوتے ہیں جس پر سر رکھ کر ہم اپنے سارے آنسو بہا دیں اور اس ایک کاندھے پر ہم اپنے آنسوؤں کا بوجھ ڈال کر پرسکون ہو جاتے ہیں اور مروہ کو رات کے اس پہر وہ کاندھا میسر آ گیا تھا۔ مروہ کو اس طرح روتے دیکھ کر موسیٰ کا اپنا دل بھی دکھی ہو گیا تھا مگر اس وقت تو وہ مروہ کے لیے صرف دعا ہی کر سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر مروہ کے پاس بیٹھ کر اسے تسلیاں دیتا رہا اور پھر مروہ رضیہ کے ساتھ اوپر کمرے میں چلی گئی۔ موسیٰ نے اپنی والدہ کو ساری حقیقت بتا دی تھی۔ انہوں نے موسیٰ کو یقین دلایا تھا کہ وہ مروہ کو اپنی بچیوں کی طرح ہی خیال رکھیں گی۔ بلکہ اس کے والدین سے خود جا کر بات کریں گی وہ پرامید تھیں کہ کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکل آئے گی۔

☆...☆

پیٹر جانسن کی زندگی دو ہی چیزوں کے گرد گھومتی تھی باوجود بہت زیادہ شراب پیتا تھا یا پھر عورتوں کے ساتھ دل لگی کرتا رہتا تھا۔ ان دونوں چیزوں کے لیے بہت پیسہ چاہیے تھا جو کبھی اس کے پاس ہوتا تھا اور کبھی نہیں ہوتا تھا۔ پہلے تو اس کی بیوی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی اگر نہیں بھی دیتی تھی تو وہ بیوی سے چھین کر اپنا گزارا کر لیا کرتا تھا مگر جب سے اس کی بیوی بستر سے لگی تھی اس کا گزارا بہت مشکلوں سے ہونے لگا تھا۔ وہ ایک بار میں ملازمت کرتا تھا۔ اس کی چوری کرنے کی عادت کی وجہ سے بار کا مالک اسے کئی دفعہ نوکری سے نکال چکا تھا مگر پیٹر اس سے ہر بار نئے سرے سے معافی مانگ کر پھر سے کام شروع کر دیتا تھا۔ بار کا مالک جانتا تھا کہ پیٹر جیسا بھی ہے بہت محنتی ہے۔ اس لیے وہ بار والے کچھ نہ کچھ رعایت دے دیا کرتا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اسے قرض مانگنے کی عادت پڑ گئی تھی اور سود در سود کی وجہ سے وہ قرض بہت بڑھ گیا تھا اور اب تو قرض خواہ اسے جان سے مارنے کی دھمکی دینے لگے تھے۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی سائرہ جس کی ذہانت کے چرچے اس کے پورے علاقے میں تھے اور اب تو اس کے ہاتھ سے بنائی گئی تصاویر ہاتھوں ہاتھ بک رہی تھیں مگر وہ اپنی کمائی میں سے پیٹر کو ایک پیسہ بھی نہیں دیتی تھی۔ پیٹر جانتا تھا کہ یہ سب اس کی بیوی کے پڑھائے ہوئے اسباق ہیں جن پر اس کی بیٹی دل و جان سے عمل پیرا ہے۔ باقی قرض خواہوں کو تو وہ کسی نہ کسی طرح ٹال دیا کرتا تھا مگر تھامس جانسن جو کہ ایک سیاہ فام یہودی تھا اس نے پیٹر کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ وہ ایک دو بار پیٹر کو اپنے غنڈوں سے مار بھی پڑوا چکا تھا۔ تھامس جانسن کا ایک ہی بیٹا تھا ایرک تھامس جو اسی کی طرح ہی زمانے بھر کا نکما اور بدمعاش ذہنیت رکھنے والا انسان تھا اور پیٹر دیکھ چکا تھا کہ وہ سائرہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا تھا۔ جب تھامس نے ایرک اور سائرہ کی شادی کی تجویز رکھی تو پیٹر نے صاف انکار کر دیا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی اس کی یہ بات کبھی بھی نہیں مانے گی اور وہ خود بھی ایرک کو سائرہ کے لیے انتہائی غیر مناسب سمجھتا تھا مگر تھامس کا قرض کی واپسی کا تقاضا حد سے بڑھتا جا رہا تھا اور اس نے پیٹر کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس رشتے پر رضامند نہ ہوا تو سائرہ کے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کا ذمہ دار پیٹر خود ہوگا۔ پیٹر کے لیے یہ ساری صورت حال بہت پریشان کن تھی اگر وہ سائرہ کا ایرک کا رشتہ کر دیتا تو کم از کم تھامس اس کا قرضہ معاف کر دیتا۔ اس لیے ایک روز اس نے ایرک اور سائرہ کی منگنی کر دی۔ منگنی کا انتظام تھامس کے گھر پر تھا۔ یہ بات اس نے اپنی بیوی سے چھپائی تھی اور بیٹی کو کسی طرح منا لیا تھا کہ وہ فی الحال منگنی کر لے شادی وہ سائرہ کی پسند سے ہی کرے گا۔ سائرہ باپ کی التجا پر مان تو گئی تھی مگر اسے جلد از جلد ایرک سے جان چھڑانی تھی۔ کیوں کہ منگنی کے بعد ایرک اب ہر جگہ زبردستی اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ویسے بھی اب تو اس کی آنکھوں میں کوئی اور ہی چہرہ سما گیا تھا جو سائرہ کے لیے دنیا کا خوب صورت ترین چہرہ تھا۔

☆...☆

مروہ کی زندگی کی وہ پہلی بدترین رات تھی۔ اس رات اس کے ساتھ اتنا کچھ برا ہو چکا تھا کہ اب مزید کچھ برا ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ اپنی قسمت پر ماتم کرتے ہوئے نرم اور آرام دہ بستر پر لیٹ گئی تھی جو

خاص طور پر شاید اسی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے نیند نہیں آئے گی۔ جس کرب سے وہ گزری تھی اس میں نیند کا آنا بہت مشکل تھا مگر بستر پر لیٹتے ہی وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ شاید ان ادویات کا اثر تھا جو ڈاکٹرز نے اسے دی تھیں۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح دس بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ وہ یقیناً بہت دیر تک سوتی رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ ابھی وہ کمرے سے باہر نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"جی آجائیں۔" اتنا کہہ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم! موسیٰ صاحب نے کہا ہے آپ فریش ہو کر ناشتہ کر لیں۔ ناشتہ آپ نے ضرور کرنا ہے۔ اس کے بعد آپ کو میڈیسن لینی ہے۔" ملازمہ نے اندر داخل ہوتے ہی یہ سب کہنے کے بعد ناشتہ میز پر رکھ دیا۔

"موسیٰ! خود کہاں ہیں؟" عروہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"موسیٰ صاحب تو یونیورسٹی جا چکے ہیں۔ وہ تو اب شام کو ہی آئیں گے۔ آپ البتہ ناشتہ کرنے کے بعد بیگم صاحبہ سے ضرور مل لیجیے گا۔ وہ صبح سے دو تین بار آپ کے متعلق پوچھ چکی ہیں۔" رضیہ اور بھی بہت کچھ بولتی جا رہی تھی مگر عروہ کو اس کی کسی بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ناشتہ رکھ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ عروہ نے نہایت بے دلی سے چند لقمے لیے۔ اس کا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ اسے موسیٰ کی والدہ بلا رہی تھیں اس کا مطلب یہی تھا کہ موسیٰ نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ ان سے ملنے سے تھوڑا گھبرا رہی تھی کہ اچانک وہ خود سے اس کے کمرے میں آگئیں۔ وہ نہایت پروقار شخصیت کی مالک تھیں۔ عروہ ان سے پہلی ہی نظر میں متاثر ہو چکی تھی۔

"کیسی ہو عروہ بیٹا؟" وہ عروہ کے قریب آکر بیٹھ گئی تھیں۔ عروہ کو ان کے پوچھنے کا انداز اتنا اپنائیت بھرا لگا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

"ارے یہ کیا تم پھر سے رونے لگ گئیں۔" موسیٰ کی والدہ نے اسے خود سے بہت قریب کر لیا تھا۔ وہ اب اس کی پشت سہلاتے ہوئے اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔

"مجھے موسیٰ نے آپ کے بارے میں سب بتا دیا ہے بیٹا! میں اور موسیٰ بہت جلد آپ کے والدین سے مل کر آئیں گے۔ مجھے امید ہے کہ بہتری کی کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔"

وہ بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھیں اس سے باتیں کرتی رہی تھیں۔ انہیں اس لڑکی سے بہت زیادہ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے ٹھیک سے ناشتہ کروا کر اور میڈیسن دے کر اب وہ اس کے کمرے سے باہر آ چکی تھیں۔ عروہ کی ذہنی حالت اب پہلے سے بہتر تھی مگر وہ اپنے گھر واپس نہیں جانا چاہتی تھی اور اسے موسیٰ اور اس کی والدہ کو جلد از جلد یہ بات بتانا تھی۔

☆...☆

سڈنی کالج آف فائن آرٹس یونیورسٹی آف سڈنی سے ملحق ایک ایسا ادارہ ہے جو دنیا بھر میں فائن آرٹس کے سوالوں کے لیے اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ یہاں سے فارغ التحصیل طلبا و طالبات میں آرٹ کے بہت سے نامور لوگ بھی شامل ہیں۔ یہ ادارہ اس شعبے میں ماہر ہی نہیں بناتا بلکہ طلبا کی شخصیت میں ایک ایسا اعتماد پیدا کرتا ہے جو عملی زندگی میں ان کے بہت کام آتا ہے۔ یہاں تعلیم حاصل کرنا آسٹریلیا کے ہر اس طالب علم کا خواب ہے جو فائن آرٹس کی دنیا میں کچھ کرنا چاہتا ہو اور علی نواز شاہ کا بھی کچھ ایسا ہی خواب

تھا اور اس کا وہ خواب اس روز پورا ہو گیا تھا جس روز اس نے کالج میں اپنا پہلا قدم رکھا تھا۔ وہ بچپن میں اکثر اس عمارت کے سامنے کھڑا اسے دیکھا رہتا تھا۔ وہاں سے نکلنے والے وہ طالب علم جو ہاتھوں میں کینوس اور برش پینٹس اٹھائے ادھر سے ادھر جا رہے ہوتے تھے علی کی خصوصی توجہ کے مرکز رہتے تھے۔ اس وقت علی کا دل چاہتا تھا کہ بھاگ کر اس عمارت کے اندر جائے اور ان طالب علموں کے ہاتھوں سے کینوس چھین کر تصویریں بنانی شروع کر دے۔ اس کے خوابوں کو تعبیر مل چکی تھی اور اب وہ آرٹ کے اس تاج محل میں اپنے خوابوں کی تعبیر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کالج کے وسیع و عریض گراؤنڈز وہاں پر موجود درخت اور ان سے گرتے پتے ایک نہایت خوب صورت منظر تخلیق کرتے تھے۔ قدرتی مناظر سے محبت رکھنے والوں کے لیے یہ مناظر کسی نعمت سے کم نہیں تھے۔ اکثر نو عمر مصور اسی گراؤنڈز میں کھڑے ان مناظر کو کینوس پر اتارنے کی کوشش کرتے نظر آتے تھے۔ علی کو لگتا تھا کہ جیسے وہ جادو کی کسی ایسی دنیا میں آ گیا ہو جہاں ہر رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے ہوں اور وہ خود بھی کسی قوس قزح رنگ کا حصہ ہو۔ اسے یقین تھا کہ یہاں سے وہ جو کچھ بھی سیکھے گا وہ آگے چل کر اس کے بہت کام آئے گا۔ یہاں کے اساتذہ کے سکھانے کا انداز بہت دوستانہ تھا اور باتوں ہی باتوں میں وہ بہت کام کی باتیں سکھا جاتے تھے۔ علی کی کلاس کے تمام طالب علم ہی بہت دوستانہ مزاج رکھنے والے تھے۔ شروع کے دنوں میں وہ لوگ سینئرز کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہتے تھے مگر اب صورت حال نارمل ہو چکی تھی۔ ان کی کلاسز شروع ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک روز ان کے کالج میں ایک رنگ اترا اس رنگ کی بارش نے علی کے پورے وجود کو بھگو ڈالا تھا۔ ایک انوکھی سی لطیف خوشبو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ رنگ سارہ کی محبت کا رنگ تھا۔ جو اپنی کلاس میں اسے دیکھتے ہی علی کو ہر طرف نظر آنے لگا تھا۔ سارہ جو اس کے ساتھ پڑھنے آئی تھی یہ احساس ہی علی کے لیے بہت خوب صورت تھا۔ اس احساس میں گم علی اس روز کی کلاس بھی بھول گیا جب ایرک کی سارہ کے حوالے سے ایک بات نے اسے کئی دن تک پریشان کیے رکھا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ سارہ اس کی کلاس فیلو ہے۔ یہ کالج اتنا حسین علی کو پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔

☆.....☆

”مجھے اپنے گھر نہیں جانا۔ آپ گاڑی واپس موڑ لیں۔ مہربانی کر کے مجھے دارالامان چھوڑ دیں۔ میں اپنے گھر نہیں جانا چاہتی۔“

عروہ کی اس بات پر موحد نے گاڑی روک دی۔ موحد اس وقت اپنی والدہ اور عروہ کو لے کر عروہ کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی والدہ عروہ کے والدین کو راضی کر لیں گی اور سب پہلے کی طرح نارمل ہو جائے گا۔ مگر کبھی کبھی بہت کوشش کے باوجود بھی سب پہلے کی طرح نارمل نہیں ہوتا۔ عروہ کی اس بات پر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ عروہ کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔

”مگر کیوں عروہ بیٹا! ہم آپ کے گھر والوں کو سمجھا دیں گے۔ وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔“ موحد کے بجائے ثمینہ بیگم بولیں۔ انہیں عروہ کے لہجے اس کے رویے نے دکھ پہنچایا تھا۔

”آنٹی! اس رات مجھ پر میرے باپ نے کیچڑ لگا دیا تھا۔ آنٹی میں گندی ہو گئی ہوں۔ میرے اندر سے تہمت کی بدبو آنے لگی ہے۔ میری ماں، بہن، بھائی کسی نے بھی آگے بڑھ کر میرے کردار کی گواہی نہیں دی۔ مجھے اب دوبارہ سے اپنے اس کیچڑ زدہ وجود کو لے کر اس گھر میں نہیں جانا۔ اگر انہیں میری

ضرورت نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ لوگ میری وجہ سے اپنا قیمتی وقت برباد نہ کریں۔“ وہ نم لہجے میں اتنا کچھ بول کر اب خاموش ہو گئی تھی۔ موحد اور ثمینہ بیگم کے پاس عروہ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا اور فی الحال انہیں اس مسئلے کا کوئی حل بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ موحد نے گاڑی کا رخ اپنے گھر کی طرف واپس موڑ لیا۔ وہ عروہ کو دارالامان بھیجنے کے حق میں نہیں تھا۔ وہ ایسا کیوں نہیں چاہتا تھا یہ وہ نہیں جانتا تھا مگر وہ اب عروہ کو کبھی اداس نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆.....☆

”پیٹر! تم نے سارہ کی ایک عیسائی کے ساتھ منگنی کر دی مگر میری بیٹی مسلمان ہے۔ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟“ پیٹر کی بیوی بستر پر بیٹھی غضب ناک لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ چند سال پہلے ایک حادثے کے نتیجے میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی معذوری کو اپنی کمزوری نہیں بنایا تھا۔ وہ ایک مصورہ تھی اور چھوٹی چھوٹی تصویریں اور مجسمے بنا کر اپنا گزارہ کر لیا کرتی تھی۔ سارہ کو مصوری سے لگاؤ اپنی ماں سے ورثے میں ملا تھا۔ سارہ اس کا خیال بھی بہت رکھتی تھی اسے اپنی بیٹی پر فخر تھا۔ پیٹر جو اس وقت اپنے پسندیدہ مشروب سے لطف اندوز ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے نہایت بیزاری سے گردن موڑ کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو غصے میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اتنے برسوں بعد بھی اس کے حسن کی آب و تاب میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

”میں نے کوئی زبردستی نہیں کی۔ سارہ کی مرضی اس میں شامل تھی۔“ پیٹر نے شراب کا گھونٹ بھرتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ الجھ کر اس شراب کا مزہ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کی باس نے ایک نے پیٹر کے کام سے خوش ہو کر اسے دی تھی۔ اس کے علاوہ وہ آج شب بھی زبردستی۔ اس کا ارادہ تو تمام رات حسین لمحات اپنی کچھ گرل فرینڈز کے ساتھ گزارنے کا تھا مگر اب اپنی بیوی کے منہ سے یہ فضول باتیں سن کر اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔

”تم ایک انتہائی جھوٹے اور دھوکے باز شخص ہو۔ تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔“ اس کی بیوی نہ جانے کون سے دھوکے کی بات کر رہی تھی جس پر پیٹر کے غصے کی انتہا نہ رہی وہ اٹھا اور اپنی بیوی کے قریب جا کر اس کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچنا شروع کر دیا۔ اس کی بیوی درد سے بلبلا اٹھی اس سے پہلے کہ پیٹر اس پر مزید تشدد کرتا اچانک سے ایک آواز نے اسے روک دیا۔

”ڈیڈی! رک جائیں۔“ سارہ کی آواز سن کر پیٹر نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔ سارہ تیزی سے اپنی ماں کی طرف بڑھی اسے پانی پلایا اور اس کا سر سیدھا کیا۔ ماں کے آنسو پونچھ کر اب وہ اس کا سر دبا رہی تھی۔ یہ سب اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ بچپن سے ہی یہ سب دیکھتی آ رہی تھی کیونکہ وہ مسلمان والدین کی بیٹی تھی مگر اس کا باپ مسلمان ہوتے ہوئے بھی غیر مسلموں جیسی زندگی گزار رہا تھا۔ سارہ ایک اچھی بیٹی تھی مگر اس کا باپ سدھر جائے وہ راہ راست پر آ جائے مگر دعا کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆.....☆

”موحد! اب تم نے اس لڑکی کو کہاں بھیجنا ہے؟“ ثمینہ بیگم اپنے کمرے میں موجود اپنے بیٹے سے مخاطب تھیں جو ان دونوں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"ماما! میں اس حالت میں اسے دارالامان نہیں بھیج سکتا۔ وہ اپنے گھر نہیں جانا چاہتی۔ عجیب سی الجھن کا شکار ہوں۔" موسیٰ سر جھکائے بول رہا تھا۔

"اس لڑکی کو کہیں نہ کہیں تو بھیجنا ہے۔ اس کے گھر والے بھی اسے لینے کو تیار نہیں ہیں۔ تم اپنے ڈیڈی کا مزاج تو جانتے ہو انہوں نے آج مجھے سختی سے منع کیا ہے کہ یہ لڑکی دوبارہ سے انہیں اس گھر میں نظر نہ آئے تمہارے سسرال والوں کو بھی خبر ہو گئی ہے۔ وہ لوگ بھی ہم سے عجیب عجیب سوال کرتے ہیں۔" ثمینہ بیگم نے دبے لفظوں میں اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

"ماما! میں سب جانتا ہوں۔" موسیٰ کا سر ابھی بھی جھکا ہوا تھا۔

"تم نے اس کے گھر والوں سے دوبارہ بات کی؟" ثمینہ بیگم نے پوچھا۔

"ماما! میں اس کے گھر والوں سے بات کر چکا ہوں۔ اس کی ماں اور بہنیں تو اسے رکھنا چاہتی ہیں مگر اس کے والد صاحب کسی صورت نہیں مان رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ عروہ بھی کسی صورت اپنے گھر والوں کے پاس دوبارہ واپس جانے پر تیار نہیں ہے۔" موسیٰ نے تفصیل سے بتایا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" ثمینہ بیگم نے اس سے پوچھا۔ انہیں اس کا لہجہ بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"ماما! عروہ کی یہ حالت میری وجہ سے ہوئی ہے۔" اس بار موسیٰ نے سر اٹھا کر ثمینہ بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ بات کی تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ تم نے اتنا کچھ تو کیا ہے اس کے لیے۔" ثمینہ بیگم نے آہستہ آواز میں کہا۔

"ماما! عروہ کے اوپر جو کیچڑ کے داغ لگے ہیں انہیں اب میں ہی صاف کر سکتا ہوں۔" موسیٰ کی بات سن کر ثمینہ بیگم کو لگا کہ ان کے پیروں کے نیچے سے آہستہ آہستہ زمین کھسکتی جا رہی ہے۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ کھل کر کہو۔" ثمینہ بیگم نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"ماما! میں عروہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اسے اپنا نام دینا چاہتا ہوں۔" موسیٰ نے وہ بات کہہ ہی دی جو وہ بہت دیر سے کہنا چاہ رہا تھا۔

"موسیٰ! مائدہ کا کیا ہوگا؟" ثمینہ بیگم نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں موسیٰ سے کہا۔ انہیں اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ موسیٰ ان سے کیا کہہ رہا ہے۔

"مائدہ! بہت اچھی ہے۔ اسے بہت سے اچھے لوگ مل جائیں گے مگر عروہ کو اب میرے علاوہ کوئی نہیں اپنائے گا۔" موسیٰ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا اور ثمینہ بیگم کو زندگی میں پہلی بار اپنے اس بیٹے سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆

کالج میں علی کو دیکھ کر سائرہ کو ایک خوشگوار قسم کی حیرت ہوئی تھی۔ دل ایک انوکھی سی دھن پر دھڑکنے لگا تھا۔ جسے محبت کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کالج میں اس کا داخلہ تھوڑی دیر سے ہوا تھا مگر یہ دیر بھی اب اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔ کالج میں لیکچر کے دوران کن انکھیوں سے علی کو دیکھنا اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ علی سے بہت سی باتیں کہہ دینا چاہتی تھی مگر اسے اس کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایک روز کالج آڈیٹوریم کے لیے اسٹوڈنٹس کو مختلف فن پارے بنانے کا ٹاسک دیا گیا۔ تمام اسٹوڈنٹس ہی بہت پرجوش تھے اور سب ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار تخلیق کرنا چاہتے تھے۔ علی کے گروپ میں ان کی ایک کلاس فیلو کیتھی بھی تھی۔

جس کا [illegible] التفات سائرہ کو بہت برا لگ رہا تھا۔ کیتھی اور علی اب اکثر اکٹھے ہی نظر آتے تھے اور سائرہ کو لگتا تھا جب کیتھی علی کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ اسے مکمل نظر انداز کر دیتا ہے۔ کالج آڈیٹوریم کے لیے سائرہ کے بنائے ہوئے شاہکار کو ہی سب سے زیادہ پسند کیا گیا تھا۔ تمام اساتذہ اور اسٹوڈنٹس اس کے اس بہترین فن پارے کی تعریف کر رہے تھے۔ اسے سراہ رہے تھے۔ ایسے میں سائرہ کو علی کی کمی بہت بری طرح محسوس ہو رہی تھی وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ ساری دنیا کی تعریف ایک طرف تھی اور علی کے بولے ہوئے چند جملے ایک طرف تھے۔ اگر علی اس کے فن پارے کی تعریف میں چند جملے بول دیتا تو سائرہ کی ساری محنت کا صلہ اسے مل جاتا۔ سائرہ کو اپنی بنائی ہوئی تصویر کے مقابلے میں علی کی تصویر زیادہ بہتر لگی تھی۔ وہ اسے یہ سب کچھ بتانا چاہتی تھی مگر علی اس لمحے اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اسے پریشانی لاحق ہوئی کہ آخر علی کالج آڈیٹوریم میں کیوں نہیں تھا اسے تجسس ہوا کہ آخر وہ کہاں تھا اور اس وقت کیا کر رہا تھا۔ وہ آڈیٹوریم سے نکل کر اب علی کو ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ وہ لائبریری کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا علی بھی اسے لائبریری میں ملے گا مگر وہ لائبریری میں نہیں تھا وہ لائبریری کے سامنے موجود لان میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جو اس کے کاندھے پر سر ٹکائے دنیا جہان سے بے خبر بیٹھا تھا۔ وہ وجود علی کے اتنا قریب تھا کہ اس کی سانسوں کی گرمی سے علی کا چہرہ چمک رہا تھا۔ سائرہ ایک مغربی معاشرے کی پیداوار تھی۔ ایسے مناظر وہ اپنے ارد گرد روز ہی دیکھتی تھی مگر علی اور کیتھی کو ایک ساتھ اس طرح دیکھ کر اسے لگا کہ جیسے کسی نے اسے بہت گہری کھائی میں دھکا دے دیا ہو۔ اس کی زندگی کی تصویر میں چند خوش رنگ جو ابھی اس نے بھرنے شروع ہی کیے تھے۔ ایک دم سے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ سیاہ رنگ نے ان سب رنگوں کے اوپر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے آڈیٹوریم کی طرف واپس جا رہی تھی۔ جہاں اس کے فن سے محبت کرنے والے بہت سے لوگ موجود تھے مگر وہ جس سے محبت کرنے لگی تھی اس نے اس محبت کو اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ علی کی آنکھوں میں ہمیشہ اسے اپنے لیے محبت نظر آتی تھی۔ پھر وہ کیسے دھوکا کھا گئی۔ شاید اس کی محبت کا رنگ ابھی کچا تھا جو اتنی جلدی اتر گیا۔ کبھی کبھی ہم جو دیکھتے ہیں وہ ہماری نظروں کا دھوکا ہوتا ہے جو ہمارے سامنے ہوتا ہے اس کے پس منظر میں کچھ اور حقیقت ہوتی ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہے سائرہ بھی ایک ایسے ہی دھوکے کا شکار ہوئی تھی۔ وہ اب علی کا کسی صورت سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے اس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی مگر نفرت سے زیادہ اسے اپنی بے بسی پر رونا آیا تھا۔

☆......☆

موسیٰ یونیورسٹی کینٹین میں اس وقت مائدہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے لگا تھا اور موسیٰ کو لگا تھا اس پر اس سے زیادہ مشکل وقت کبھی نہیں آیا تھا۔

"عروہ کون ہے؟" مائدہ نے انتہائی ناگواری سے اس سے پوچھا تھا۔

"عروہ چند روز پہلے میری گاڑی سے ٹکرائی تھی۔" موسیٰ اب اسے اب تک کے تمام واقعات کی تفصیل بتا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بھی نوٹ کرتا جا رہا تھا جہاں اسے صدمہ اور بیزاری کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" اگلا سوال کیا گیا۔

"میں نے ہر طریقے سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے گھر والے نہیں مان رہے۔ دارالامان میں اسے بھیجنا نہیں چاہتا۔ اب اس مسئلے کا ایک ہی حل رہ گیا ہے۔" سومی نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے پوچھا ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟" وہی سوال دوبارہ پوچھا گیا مگر اس بار لہجے میں خوف تھا۔ سومی خاموش تھا وہ لفظوں کو ترتیب دے رہا تھا مگر لفظ لگتا تھا اس کے حلق میں کہیں پھنس گئے ہیں۔

"سومی! میں تم سے پوچھ رہی ہوں اب تم کیا چاہتے ہو؟ ابھی کے ابھی مجھے بتاؤ ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔" اس بار سوال پوچھنے والے کے لہجے میں صرف شکوہ نہیں بلکہ درد اور اذیت سے بھری ہوئی چیخیں بھی شامل تھیں۔

"میں عروہ سے شادی کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے اس مسئلے کا ایک یہی حل ہے۔" یہ کہہ کر سومی وہاں سے باہر نکل کر چلا گیا۔ وہ مائدہ کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے آنسوؤں کو نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ عروہ کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسے عروہ سے شادی کرنی ہی تھی اور وہ یہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

سڈنی کے موسم کا مزاج دیگر شہروں کے موسموں کی نسبت تھوڑا مختلف ہے۔ دیگر شہروں میں جن دنوں گرمیاں زوروں پر ہوتی ہیں یہاں پر ہلکی ہلکی سردی سے موسم نہایت خوشگوار ہو جاتا ہے اور جب وہاں سردیاں اپنے رنگ دکھا رہی ہوں تب یہاں گرم ہوائیں اپنے جلوے بکھیرتی نظر آتی ہیں مگر بارشوں کی کثرت کے باعث یہاں کا موسم کبھی بھی ناقابل برداشت نہیں رہا ہے۔ ویسے تو یہاں آئے روز بارشیں ہوتی رہتی ہیں مگر مارچ سے لے کر جون تک یہاں بادل ٹوٹ کر برستے ہیں۔ یہاں کے شہری ان بارشوں کے اور ان کے حادثے سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لیے ان کے معمولات زندگی کچھ خاص متاثر نہیں ہوتے۔ ایسی شدید بارشوں کے دنوں میں جب سڈنی شہر پر کہر پوری طرح چھائی ہوتی تھی پیٹر کے گھر کا ڈرائنگ روم ایک مہمان کی آمد سے سجا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ مہمان میتھیو تھا جو اس وقت ایرک اور سائرہ کی شادی کی بات فائنل کرنے آیا تھا۔ وہ پیٹر کے روز روز کے بہانے سن کر تنگ آ چکا تھا اور اس روز وہ گھر سے فیصلہ کر کے آیا تھا کہ وہ پیٹر سے اس سلسلے میں آخری بات کرے اور اس ذہنی اذیت سے نکلے جس نے پچھلے کئی روز سے اس کی راتوں کی نیندیں حرام کی ہوئی تھیں۔ ایک تو اسے پیٹر کا رویہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا دوسرا وہ ایرک کی وجہ سے بھی پریشان تھا۔ ایرک نے اسے بہت تنگ کیا ہوا تھا اس کا روزانہ ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ میتھیو پیٹر سے مل کر شادی کے معاملات کو حتمی شکل دے۔ سو اس روز شدید بارش کے باوجود وہ پیٹر کے گھر بات کرنے کے لیے آیا تھا۔ ابھی اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ پیٹر بھی آ گیا۔ میتھیو کو اپنے گھر میں دیکھ کر پیٹر کو کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی مگر وہ یہ سب میتھیو پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم سے ملحقہ کمرے کی طرف نظر ڈالی جہاں اس کی بیوی سو رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سکون کا سانس لیا کہ اس کی بیوی جاگ نہیں رہی ورنہ میتھیو کو دیکھ کر اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دینا تھا۔

"کیسے ہو پیٹر؟" میتھیو نہایت گرمجوشی سے اس سے ملنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"میں ٹھیک ہوں میتھیو! تم سناؤ کیسے آنا ہوا؟" پیٹر نے اس کے بیٹھتے ہی اس سے آنے کی وجہ پوچھی۔ یہ

بات میتھیو کو بری لگی تھی مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔

"میں دراصل ایرک اور سائرہ کی شادی سے متعلق بات کرنے آیا ہوں۔" میتھیو نے آنے کی اصل وجہ بیان کر دی تھی اور اب وہ پیٹر کا کوئی نیا بہانہ سننے کا منتظر تھا۔

"میتھیو! تم جانتے ہو سائرہ کی پڑھائی مکمل ہونے سے پہلے میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تمہیں پہلے بھی کئی بار یہ بات بتا چکا ہوں۔" پیٹر نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اسے میتھیو کی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ یہ بات بہت دفعہ میتھیو کو بتا چکا تھا مگر میتھیو پھر وہی بات لے کر بیٹھ جاتا تھا۔

"مگر اس بار صورت حال مختلف ہے۔ دراصل ایرک کو اسکاٹ لینڈ کی ایک کمپنی میں بہت اچھی نوکری مل گئی ہے اور میں چاہ رہا ہوں کہ سائرہ بھی اس کے ساتھ چلی جائے۔ ایرک کی بھی یہی خواہش ہے۔" میتھیو نے سچ اور جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے بات بنائی۔ ورنہ ایرک کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ اسے اسکاٹ لینڈ میں نوکری مل گئی ہے۔ اس کا شمار تو سڈنی کے انتہائی نکمے قسم کے بے کاروں میں ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی کام کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

"اور سائرہ کی تعلیم؟" پیٹر نے پوچھا۔

"اسکاٹ لینڈ میں بہت سے آرٹ کے ادارے ہیں۔ سائرہ وہاں سے پڑھ لے گی۔ ویسے بھی وہ اتنی ذہین ہے جہاں بھی جائے گی، کامیابی ہی حاصل کرے گی۔" میتھیو نے یہ کہہ کر اب پیٹر کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ وہ مزید کچھ سوال کرے۔

"مگر سائرہ کیسے مانے گی؟" پیٹر نے خود کلامی کی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ سائرہ اس شادی کے لیے کبھی نہیں مانے گی۔ میتھیو پیٹر کی خود کلامی سن چکا تھا۔

"اپنی بیٹی کو منانا اب تمہاری ذمہ داری ہے پیٹر! منگنی پر وہ نہایت خوش نظر آ رہی تھی۔ اب اس کو کیا مسئلہ ہے اگر تم اس رشتے کو ختم کرنا چاہتے ہو تو پہلے میرا اتنا قرضہ سود سمیت مجھے دو دن میں واپس کر دو، پھر جو چاہے فیصلہ کر لینا اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کل رقم کتنی بنتی ہے۔" میتھیو کی یہ باتیں سن کر پیٹر کو پسینہ آ گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے گا۔ اب اس نے اس مسئلے کو کسی نہ کسی طرح حل کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے میتھیو! اگلے سنڈے کو ہم ایرک اور سائرہ کی شادی کر رہے ہیں۔" پیٹر نے نہایت شکست خوردہ انداز میں جواب دیا۔ بارش کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔ میتھیو نہایت خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے گھر واپس چلا گیا تھا مگر پیٹر کی پریشانیوں میں ایک اور پریشانی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جس طرح اپنی بیوی پر تشدد کر کے اپنی بات منوائی تھی سائرہ کے ساتھ اس نے کبھی بھی غصے سے بات نہیں کی تھی مگر اب مجبوری تھی اس نے سائرہ پر بھی وہی طریقہ آزمانا تھا۔ سائرہ کے کالج سے آنے میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا اور سنڈے آنے میں بھی بہت کم دن تھے۔ پیٹر نے اپنی بیوی اور بیٹی دونوں کو اس شادی کے لیے تیار کرنا تھا۔ اگر وہ بغیر کسی جھگڑے کے اس کی بات مان لیتیں تو ان کے لیے بہتر تھا ورنہ پیٹر کو دوسرا طریقہ اختیار کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

"عروہ! ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" سومی عروہ کو یہ کہہ کر واپس چینج کرنے چلا گیا تھا۔

موسیٰ اب نہ جانے اس کو کہاں لے کر جانے والا تھا۔ عروہ اس کے لہجے سے ڈر گئی تھی۔ اسے موسیٰ کے گھر میں رہتے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے۔ یہاں رہتے ہوئے وہ اس گھر کے مکینوں کے رویوں کو بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ موسیٰ کی والدہ اب اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ مطلب اب وہ عروہ سے بیزار ہو چکی تھیں۔ گھر کے نوکروں کی زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ موسیٰ کے والد اب اس کو مزید اس گھر میں رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ اس گھر میں صرف ایک موسیٰ ہی تھا جس کا رویہ عروہ کے ساتھ ابھی تک دوستانہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب تک عروہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتی تب تک وہ کہیں اور جانے کا سوچے بھی نہیں۔ وہ یہاں آرام سے رہے کیوں کہ اسے آرام کی سخت ضرورت ہے۔ عروہ کے زخم اب بہت حد تک مندمل ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی جلد از جلد اس گھر سے جانا چاہتی تھی وہ کہیں بھی چلی جاتی مگر یہ طے تھا کہ اب اسے اپنے گھر نہیں جانا تھا۔

عروہ اب موسیٰ کی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی مگر نہیں جانتی تھی کہ موسیٰ اسے کہاں لے کر جا رہا ہے۔ ویسے بھی اس نے اب اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ موسیٰ گاڑی چلاتے ہوئے انتہائی سنجیدہ تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو۔ عروہ کو احساس ہوا کہ اس نے اس شخص کے ساتھ بڑی زیادتی کر دی ہے۔ ایک حساس دل رکھنے والے انسان کو اس نے کتنا پریشان کر دیا ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ بس اب وہ اس کی زندگی سے نکل جائے گی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ عروہ سے جو کچھ کہنے والا تھا وہ عروہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شہر کی ایک معروف شاہراہ کے کنارے اس نے اپنی گاڑی کھڑی کر دی تھی۔ اب وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

''عروہ! جہاں ہم نے جانا ہے وہ عمارت یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے مگر وہاں جانے سے پہلے میں تمہاری مرضی جاننا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر موسیٰ خاموش ہو گیا تھا۔

عروہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس کی بات سمجھ نہ پائی ہو۔

''عروہ! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' موسیٰ نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

موسیٰ کے الفاظ تھے یا کوئی تیز دھار آلہ جس نے لمحوں میں عروہ کی سماعتوں کو چیر ڈالا تھا۔

''عروہ! تم میری گاڑی سے ٹکرائی تھیں۔ تمہاری زندگی میں بہت برا میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں پچھلے کئی دن سے تمہارے والد صاحب سے مل رہا ہوں مگر وہ میری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان کے کان بھرنے میں تمہارے کچھ رشتے داروں اور محلے والوں کا ہاتھ ہے جن کی تمہاری خاندان سے کوئی ذاتی رنجش ہے۔ میں نے تمہارے والد کو بہت سمجھایا ہے عروہ۔'' اتنا کہہ کر موسیٰ رک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اور لہجہ دونوں ہی نم ہو رہے تھے۔

''میں نے زندگی میں کبھی کسی کو اتنی صفائی نہیں دی۔ کسی کی اتنی منت نہیں کی مگر عروہ تمہاری خاطر تمہارے والد صاحب کے سامنے اپنی اور تمہاری صفائی میں بہت کچھ کہا۔ مگر وہ نہیں مانے۔ میں پچھلی کئی راتوں سے سکون سے سو نہیں پایا ہوں۔ ایک عجیب سے دوراہے پر کھڑا ہو گیا ہوں مگر اب میں نے تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے اب تمہاری رائے کا انتظار ہے۔'' موسیٰ اپنی بات مکمل کر کے اب عروہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عروہ نے حیرت سے اس انسان کو دیکھا جو اس کی محبت میں اس حد تک چلا گیا تھا کہ اس نے اپنے سگے رشتوں تک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ یہ محبت تھی یا ہمدردی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر اسے موسیٰ چاہیے

بنانے کی لیے شدید قسم کی محبت ہو گئی تھی۔ وہ سے لگا کہ اگر وہ موسیٰ کی محبت کو ٹھکرا دے گی تو وہ خود پر بہت ظلم کرے گی اور وہ سے اب خود پر ظلم نہیں کرنا تھا۔

''موسیٰ! مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے۔'' عروہ نے موسیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ موسیٰ کو لگا کہ اس سے زیادہ خوب صورت لمحہ اس کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ عروہ کے اقرار نے اسے قلبی طور پر بہت پرسکون کر دیا تھا۔ وہ اطمینان سے گاڑی چلاتا ہوا عدالت میں داخل ہوا۔ عدالت میں ایک مختصر کارروائی کے بعد وہ دونوں قانونی طور پر میاں بیوی تھے۔ عدالت میں داخل ہونے سے پہلے وہ اجنبی تھے مگر باہر آ کر وہ دونوں اس دنیا کے سب سے خوب صورت رشتے میں بندھ چکے تھے۔

☆......☆

مائدہ کے سر میں بہت شدید درد ہو رہا تھا۔ اس طرح کا سر درد اسے پہلے بھی ہو چکا تھا مگر اس روز درد کی شدت کی وجہ سے مائدہ کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ درد کسی صورت ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کے گھر والے اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتے تھے مگر مائدہ کم از کم اس رات گھر سے باہر جانا نہیں چاہتی تھی اس کے درد کی دوا تو موسیٰ کے پاس تھی جو ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اس کی محبت کے پیچھے کل کو اپنے پیروں تلے روند کر موسیٰ نے ایک نئے راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ موسیٰ کی دل پھینک طبیعت سے وہ واقف تھی مگر یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ موسیٰ اسے چھوڑ کر ایک عام سی لڑکی کا انتخاب کرے گا۔ اسے عروہ سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جس نے چند ہی دنوں میں اس کی محبت کو اس سے چھین لیا تھا۔ مائدہ کے پاس خالی رہ گئے تھے اور موسیٰ عروہ کے ساتھ محبت کے نئے راستوں پر چل پڑا تھا۔ مائدہ کے گھر والے موسیٰ کی محبت پر خاموش تھے اور چاہتے تھے کہ موسیٰ جلد از جلد اس لڑکی سے جان چھڑائے اور پھر وہ مائدہ کی تعلیم مکمل ہوتے ہی ان دونوں کی شادی کر دی جائے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ موسیٰ ہمیشہ کے لیے اس لڑکی کو اپنانے والا ہے۔ مائدہ نے اس رات جتنے آنسو بہانے تھے بہا لیے تھے۔ ایک ماہ بعد اس کے امتحانات تھے اور امتحانات ختم ہوتے ہی ڈگری ملنے کے بعد اس کا ارادہ ملک سے باہر جانے کا تھا۔ وہ کم از کم اب موسیٰ کی نظروں سے بہت دور چلا جانا چاہتی تھی۔ گھر والوں کے اصرار پر وہ ڈاکٹر کے پاس چلی گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کو کچھ مخصوص سکون آور ادویات دی تھیں جن کے زیر اثر وہ سو تو گئی تھی مگر وہ درد ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کا روگ بن گیا تھا۔

☆......☆

''تمہاری ہونے والی کی اگلے سنڈے کو شادی ہے۔'' پیٹر کے اس انکشاف پر سارہ کو لگا کہ پیٹر اس کا باپ نہیں کوئی جلاد ہے جو ایک ہی جھٹکے میں اس کا سر تن سے جدا کرنا چاہتا ہو۔ وہ جو اپنی محبت کی بربادی پر پہلے ہی افسردہ تھی اور اس کی آنے والی مصیبت پر اسے لگا کہ جتنی جان اس کے وجود میں باقی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو رہی ہے۔ اپنی بات مکمل کر کے پیٹر اب بڑے اطمینان سے گھونٹ گھونٹ شراب اپنے اندر اتار رہا تھا۔

''ڈیڈی! آپ رب کو مانتے ہیں؟'' سارہ نے بہت عجیب نظروں سے پیٹر کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سوال اس کے باپ کو کافی مشتعل کر دے گا۔ اس کی ماں جب بھی مذہب سے متعلق کوئی بات کرتی تھی اس کا باپ ایسے ہی چیخ پڑتا تھا۔ اور پھر گھر کی فضا کتنی دیر تک ان کا جھگڑا چلتا رہتا تھا۔

''میں تمہارے کسی فضول سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ سنڈے کو

تمہاری شادی ہے اور تم اپنی ماں کو بھی بتا دو۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے گڑبڑ کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔" پیٹر نے غصے سے کہا۔ اسے اپنی بیٹی کے چہرے کے تاثرات ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی! میں تیار ہوں۔" سارہ شکست خوردہ انداز میں اٹھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پیٹر حیران نظروں سے اسے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے امید نہیں تھی کہ سارہ اتنی جلدی مان جائے گی مگر سارہ تو اس روز ویسے ہی اتنی ٹوٹی اور بکھری ہوئی تھی کہ اس کے اندر اب ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ وہ زندگی سے حد درجہ مایوس ہو چکی تھی اور خودکشی جیسے حرام فعل سے بہتر تھا کہ وہ ایرک سے شادی کر لیتی اور وہ یہی کرنے جا رہی تھی۔

☆....☆

عروہ کے ساتھ شادی نے موسیٰ کی زندگی میں جو مشکلات کھڑی کر دی تھیں موسیٰ ان سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ عروہ کو اپنے گھر لے جانے کی بجائے اپنے دوست کے گھر لے جائے۔ محسن اس کا صرف دوست ہی نہیں بلکہ اس کے لیے بھائیوں کی طرح تھا۔ وہ اس کے کرب اور اذیت کو محسوس کر سکتا تھا جن سے ان دنوں موسیٰ گزر رہا تھا۔ محسن کا گھر موسیٰ کو ہر لحاظ سے بہتر لگا تھا۔ یہ تین کمروں پر مشتمل ایک درمیانے درجے کا گھر تھا جس کے ایک کمرے میں موسیٰ نے اپنی رہائش رکھی ہوئی تھی جب کہ باقی دو کمروں کو اس نے آرٹ روم بنایا ہوا تھا اور کبھی کبھی وہ سب دوست کمبائن اسٹڈی کے لیے بھی ان کمروں کو استعمال کر لیتے تھے۔ محسن کی فیملی ملک سے باہر تھی۔ وہ اس گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد اس کا ارادہ خود بھی ملک سے باہر جانے کا تھا۔ موسیٰ کے کہنے پر اس نے اپنے گھر کے باقی دو کمرے مکمل طور پر خالی کر دیے تھے اور وہاں پر ضرورت کی تمام چیزیں رکھوا دی تھیں اس نے موسیٰ کو کہہ رکھا تھا کہ وہ جب تک چاہے اس کمرے میں رہ سکتا ہے۔ موسیٰ جانتا تھا کہ محسن صرف زبانی باتیں نہیں کر رہا بلکہ وہ عملی طور پر بھی ایسا کچھ کر گزرے گا۔ محسن نے نہ صرف اس کمرے میں ایک بیڈ کا سامان مکمل طور پر سیٹ کر دیا تھا بلکہ وہاں موجود الماری میں بھی جدید طرز کے کچھ لباس رکھوا دیے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نئی نویلی دلہن کے سامنے اس کے دوست کو کوئی شرمندگی ہو۔ محسن نہ صرف موسیٰ کا بلکہ مائدہ کا بھی بہت اچھا دوست تھا۔ وہ مائدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر سوائے افسوس کے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مائدہ کو اس حقیقت کو مان لینا چاہیے کہ اس کا اور موسیٰ کا ساتھ بس اتنا ہی تھا محسن کے نزدیک جو بہت معمولی بات تھی۔ مائدہ کے نزدیک وہ ایک ایسی حقیقت تھی جس نے اس کے پورے وجود میں آگ بھر دی تھی جس میں اب ساری عمر اسے جلنا تھا۔ ان دونوں کی سوچ میں بس اتنا ہی فرق تھا۔

عروہ موسیٰ کے ساتھ شہر کے اس پوش علاقے میں موجود محسن کے اس خوب صورت گھر میں داخل ہو چکی تھی۔ گھر کو دیکھ کر پہلا خیال یہی آتا تھا کہ یہ واقعی میں کسی آرٹسٹ کا گھر ہے۔ وہ دونوں جیسے ہی گاڑی سے اترے ایک دبلے پتلے سے نوجوان نے ان دونوں کا استقبال کیا اور یہ یقیناً محسن ہی تھا جس کا ذکر موسیٰ عروہ سے کر چکا تھا۔ محسن اور موسیٰ کی بے تکلفی دیکھ کر عروہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ محسن اس کا بہت گہرا دوست ہے۔ عروہ اب محسن اور موسیٰ کے ساتھ گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو رہی تھی۔ موسیٰ کے سنگ چلتے ہوئے عروہ کے احساسات بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔ یہ احساسات بہت خوب صورت، دلنشین

اور محبت سے لبریز تھے۔ وہ محبت سے گندھی ہوئی لڑکی تھی۔ موسیٰ کا نام اس کے دل پر نقش ہو چکا تھا اور اب وہ ساری زندگی اس نقش کو اپنے دل سے مٹا نہیں سکتی تھی۔ موسیٰ کے احساسات بھی عروہ سے مختلف نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے عروہ سے محبت ہے یا نہیں مگر اب وہ کسی صورت عروہ کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر یہ محبت تھی تو موسیٰ کو واقعی میں عروہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اسے یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں تھی کہ گہری آنکھوں والی لڑکی نے اس کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ محسن ان دونوں کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر آیا۔ کمرے میں پھولوں کی ہلکی ہلکی سجاوٹ نظروں کو بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ موسیٰ نے وارڈ روب کھولی تو اس میں عروہ کے لیے جدید طرز کے چند ملبوسات موجود تھے۔ موسیٰ کے کہنے پر عروہ نے اس میں سے ایک لباس کا انتخاب کر لیا۔ عروہ جب سے موسیٰ کے گھر آئی تھی وہ اسے چند سستے کپڑوں میں ہی دیکھ رہا تھا۔ موسیٰ کے گھر کی خواتین ہمیشہ بہترین ڈیزائنرز کے منتخب کردہ ملبوسات کا ہی انتخاب کرتی تھیں اور موسیٰ خود بھی ہمیشہ نہایت مہنگے کپڑے پہنتا تھا۔ عروہ کے لیے وہ کچھ خاص خریداری نہیں کر سکا تھا۔ محسن ہی اس کے کہنے پر چند ملبوسات لے کر آیا تھا مگر موسیٰ کو محسن کے انتخاب سے خوشی ہوئی تھی۔ اس معاملے میں محسن نے اسے مایوس نہیں کیا تھا۔ عروہ اب اس کی ذمہ داری تھی۔ اب وہ اس لڑکی کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ شادی کی خبر ملتے ہی اس کے گھر والوں کا ردعمل بہت شدید ہوگا۔ اس کے والد صاحب اسے جائیداد سے عاق بھی کر سکتے ہیں اور اس نے آخری حد کا سوچ کر ہی عروہ کو اپنایا تھا۔

وہ اپنی یونیورسٹی کا بہترین طالب علم تھا۔ اس کے ہاتھ سے بنائی گئی تصویروں کو ہر سطح پر پسند کیا جاتا تھا۔ اس کے بینک اکاؤنٹ میں موجود رقم فی الحال ان دونوں کے لیے بہت تھی۔ کچھ عرصے بعد ہونے والے امتحانات میں بھی اسے امید تھی کہ وہ اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرے گا۔ اسے اپنی یونیورسٹی میں نہایت اچھے پیسوں پر جاب کی پیشکش ہو چکی تھی اور ان حالات میں وہ اس پیشکش پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کا سوچ رہا تھا۔ ایک آرٹ گیلری میں اس کا ارادہ اپنے ہاتھ سے بنائی گئی تصویروں کی نمائش لگانے کا تھا اور اسے پوری امید تھی کہ اس کی تصویریں ہاتھوں ہاتھ بکیں گی۔ وہ اپنے روشن مستقبل کے حوالے سے جاگتی آنکھوں سے کچھ خواب بننے میں مصروف تھا کہ عروہ فریش ہو کر آ گئی۔ وہ اس جدید طرز کے لباس میں بلاشبہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ موسیٰ بے اختیار ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ موسیٰ کو اس قدر رغبت سے دیکھنے پر عروہ کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی اور عروہ کو مسکراتے دیکھ کر موسیٰ کو لگا کہ مونالیزا کی مسکراہٹ اس مسکراہٹ کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔

عروہ کمرے میں موجود بیڈ پر موسیٰ کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی مگر اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ اب اس کی آنکھوں کے پیچھے جا کر چھپ گئی تھی جس طرح کے حالات سے وہ گزری تھی ان کے بارے میں سوچ کر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ عروہ کو اس طرح اداس دیکھ کر موسیٰ کو لگا کہ جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔

"عروہ!" وہ انتہائی محبت سے بولا اس نے عروہ کے ہاتھوں کو ایک جذب کے عالم میں تھام لیا تھا۔

"تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں ہو۔ تم سے پہلے جتنی بھی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں وہ سب ہوا کے جھونکوں کی طرح آئیں اور ایک جھلک دکھا کر وقت کے سیلاب میں گم ہو گئیں۔" وہ یہ سب کہتے ہوئے انتہائی محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ابھی بس چند گھنٹوں پہلے ہی تو اسے ادراک ہوا تھا کہ یہ کتنی ہمدردی

نہیں بلکہ محبت ہے۔ عروہ دم سادھے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"مائدہ میری زندگی میں آنے والی ایسی لڑکی تھی جس کے ساتھ میری منگنی ہو چکی تھی۔ وہ عنقریب شادی ہونے والی تھی مگر اسے میری ہمسفر نہیں بننا تھا۔ میرے رب نے تو میرے نصیب میں تمہارا ساتھ لکھ دیا تھا۔" موسیٰ کی یہ باتیں سن کر عروہ کو اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔

بلاشبہ خدا نے اسے نواز دیا تھا۔ ایک بہت خوب صورت انسان کا ساتھ اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا تھا۔

"موسیٰ! مجھے اپنی قسمت سے ڈر لگتا ہے۔" عروہ نے موسیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ جہاں محبت کا ایک سمندر موجزن تھا۔

"اپنے دل سے سارے خوف نکال دو۔ اب ان آنکھوں میں مجھے کوئی آنسو نظر نہ آئے۔" یہ سب کہتے ہوئے وہ پوروں سے اس کی آنکھوں سے آنسو چن رہا تھا۔ عروہ کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے ہمسفر کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ عروہ ذرا مغرور ہوئی تھی مگر اس کے زخموں پہ مرہم رکھنے والا انسان اس کی زندگی میں آ گیا تھا۔ جیسے جیسے ہوتے ہوئے اسے یقین تھا کہ اب اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی۔ عروہ موسیٰ کی محبت پہ ایمان لے آئی تھی۔

نیو ساؤتھ ویلز آرٹ گیلری میں علی اکثر آتا رہتا تھا۔ یہاں پہ مختلف آرٹسٹوں کے کام کو دیکھ کر اسے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ اس روز اس آرٹ گیلری میں ایک پاکستانی آرٹسٹ کی تصویروں کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ علی ہمیشہ پاکستانی آرٹسٹوں کے کام کو بہت شوق سے دیکھا کرتا تھا۔ وہ بہت چھوٹا سا تھا جب اس کے والد اسے سڈنی لے آئے تھے۔ پاکستان کے متعلق کوئی خاص یادیں اس کے پاس نہیں تھیں مگر پھر بھی اسے اپنے ملک سے بہت انسیت تھی۔ علی کو اس پاکستانی آرٹسٹ کے کام کی عجیب سی ویرانی اور باریکی نے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے بنائے گئے فن پاروں میں ایک تلاش نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کس کی تلاش میں تھا۔ تصویروں میں اداسی کا رنگ نمایاں تھا۔ تمام تصویروں میں کوئی چہرہ نہیں رہا تھا۔ خالی ہاتھ، ویران آنکھیں، بنجر زمین، خشک کھیت اور صحرا کی اداس شام میں اس کی تصویروں میں جا بجا نظر آ رہی تھیں۔ آنسوؤں کی آمیزش بھی تقریباً ہر تصویر میں تھی۔ کہیں کسی لڑکی کے آنسو زمین اور کہیں آسمان روتا نظر آتا تھا مگر اس آرٹسٹ کا کام بہترین تھا۔ علی اس آرٹسٹ کے فن پاروں کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک ایک آواز سن کر چونک گیا۔

"ہیلو علی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" کیمی مسکراتی ہوئی اس سے مخاطب تھی۔ علی نے بھی اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"میں یہاں پہ وہی کر رہا ہوں جو تم کر رہی ہو۔" علی نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

"میں تو اس آرٹ گیلری میں موجود اس خوش شکل سے لڑکے سے بات کر رہی ہوں اور اس کے بعد میرا ارادہ اس کے ساتھ جا کر کافی پینے کا ہے۔" کیمی نے ہنستے ہوئے کہا۔ علی کو وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ علی کو وہ ہمیشہ سے ایسے ہی خوش لگتی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی ذاتی زندگی سے متعلق کچھ ایسی تلخ حقیقتوں سے واقف تھا جن سے دوسرے لوگ بے خبر تھے۔

"کافی پینے کے بعد اپارٹمنٹ پہ لیٹی سی واک کرنے کا ارادہ ہے۔"

(جاری ہے)

افشاں علی

افسانہ

ضمیر و ضرب مہلک

وہ بیچ کرائے کی ورق تھی اور دم اٹھا ان کے چار سو خار آلود جھاڑیاں تھیں اور نظر کے سامنے لا متناہی صحرا...... وہ اس آتشیں صحرا سے نکلنا چاہ رہا تھا جہاں نہ کوئی بندہ تھا نہ کوئی بندے کی ذات......!!

مسلسل دوڑنے سے اس کے اعصاب شل ہونے لگے تھے۔ اس کا توشہ نہ جانے کہاں گر چکا تھا۔ خالی پیٹ نے اس کی ساری توانائی جذب کر لی تھی۔ ویسے ہی جیسے تپتی پیاسی ریت پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ بھوک سے اس کی انتڑیوں میں بل پڑ گئے تھے اور پیاس سے سوکھے حلق میں گویا نوکیلے کانٹے اُگ آئے تھے۔ پاؤں کے نیچے تپتی ریت اور سر پر آگ اگلتا سورج...... اس کے سوا آس پاس کوئی سائبان کوئی نخلستان نہ تھا بس تاحد نظر لا متناہی صحرا کا پھیلا ہوا سمندر تھا۔ کبھی اچانک گرم ہوا کا بگولہ آتا اور ریت کا مرغولہ سا طوفان اٹھنے لگتا۔

مسلسل اس آتش زار پاٹ سے بھاگتے رہنے سے اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ اسے اب سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی تھی۔ اسے لگا کہ وقت نزع قریب تر ہے وہ اپنے رب کو پکارے بھی تو ......؟

اس جاں ستاں صحرا میں اس کی پکار صدا بہ صحرا تھی۔ وہ اس ریت کے سمندر کو جلد از جلد پار کرنا چاہتا تھا۔ پر اب اس میں بھاگنے کی سکت ختم ہو چکی تھی۔ اس کے قدم اب آگے بڑھنے سے انکاری تھے۔ اس کا سانس گھٹنے لگا اور قدم ریت کی دلدل میں دھنسنے لگے تھے۔ بھوک، پیاس اور گرمی کی شدت کے باعث اس کا سراب چکرانے لگا تھا۔ کاش ہو سکتے ریتی کے اس بگولے کو گھونٹ کر اور ...... نہ جانے کب وہ اس آتشی دلدل پار کر گیا.....

اچانک آنکھ کھلی تو اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ حلق میں اب تک پیاس کی طلب سے کانٹے موجود تھے۔ اس نے پاس رکھے سائیڈ ٹیبل پر موجود پانی کا گلاس جلدی سے لبوں سے لگا لیا۔ پانی پی کر اس کے کچھ حواس بہتر ہوئے۔

پر دل ابھی بھی خوف سے لرز رہا تھا۔ "یا اللہ یہ کیا بھیانک خواب تھا۔" اس نے خدا کی کی تھی اس کے کانوں میں فجر کی اذان کی آواز آئی۔ اپنے ذہن کو پرسکون اور خواب کے اثرات زائل کرنے کے لیے وہ نماز کی نیت کرتا بیڈ سے اتر گیا۔

☆......☆

"ہماری حکومت واقعی بے حس ہو چکی ہے۔ حکومت کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا ہے......" بڑی بی یعنی منورہ بیگم نے افسوس بھرے لہجے میں ٹی وی پر چلتی صحرائے تھر کی نیوز پر تبصرہ کیا۔ فرائنگ کھاتے اسفند یار کے ہاتھ اس بات پر پل بھر کو تھمے اور ذہن میں کچھ جھماکا سا ہوا۔ "ڈیڈ...... ہم...... سرپرائز...... میرا رزلٹ آ گیا...... ایم سو ہیپی۔" تب ہی طوبیٰ کی پرجوش آواز پر اس کا دھیان بھٹک گیا۔ عالمگیر فیملی پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ اسفند یار عالمگیر جو ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں DCO کی پوسٹ پر تھے۔ ان کی بیوی سمیرا اسفند یار ان کے دو بچے بڑا بیٹا عمیس عالمگیر چھوٹی بیٹی طوبیٰ اور ان بچوں کی دادی یعنی منورہ بیگم۔ ڈنر کے بعد ان سب کا مشترکہ معمول تھا کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں اکٹھے بیٹھنا اور باتیں کرنا گو کہ اپر کلاس میں ایسے معمول نہیں ہوتے پر عالمگیر فیملی میں یہ روایات شروع سے چلتی آئی تھیں جسے اسفند یار عالمگیر نے بھی برقرار رکھا تھا۔ ابھی بھی وہ سب ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے ماسوائے طوبیٰ کے اور وہ بھی اچھلتی کودتی سب کے بیچ آ موجود ہوئی تھی وہ بھی اتنی اچھی خبر کے ساتھ جسے سن کر سب بے حد خوش ہوئے تھے۔

"ارے واہ! یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے۔" منورہ بیگم نے طوبیٰ کے پاس آ کر جھٹ سے بلائیں

لیں۔ جب کہ اسفند یار، مسز اسفند یار اور ثمیس بھی باری باری علوینہ کو گلے لگانے و وشیں کرنے لگے۔ "بیٹا آپ کو کیا گفٹ چاہیے؟" اسفند یار نے مسکراتی بیٹی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ڈیڈا! مجھے صرف گفٹ نہیں ایک پارٹی بھی چاہیے۔" علوینہ نے لاڈ سے کہا۔

"ہاں جی! بالکل ایک زبردست سی پارٹی تو بنتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ اسفند یار۔ ثمیس کی برتھ ڈے پارٹی کے ساتھ ساتھ علوینہ کی بھی پارٹی دے دی جائے۔" مسز اسفند یار نے علوینہ کی بات سن کر اپنی رائے دی۔

"مسز اسفند یار خیال تو بہت زبردست ہے۔" اسفند یار عالمگیر نے بھی ہامی بھری۔

"تو یہ طے رہا Bro کی برتھ ڈے پارٹی کے ساتھ میری پارٹی بھی رکھی جائے گی۔ فارم ہاؤس پر....؟" علوینہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"فارم ہاؤس پر.... کیا بہت زیادہ لوگ آئیں گے؟" صفورہ بیگم اپنی بہو کی بات سن کر فارم ہاؤس کے نام پر چونک سی گئیں۔

"ظاہر ہے موم! میرے اکلوتے بیٹے کی سالگرہ ہے۔ کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے اور پھر اسفند یار کا سرکل اتنا بڑا ہے میرے کلب کی فرینڈز ہیں۔ ثمیس کے فرینڈز بھی ہیں۔ اپر کلاس کے لوگ تو پارٹی اور سلیبریشن کے بہانے موقع ڈھونڈتے ہیں اور اب تو دوسرا موقع بھی چلا آیا تو پارٹی تو شاندار ہی بنتی ہے۔" سمیرا اسفند یار نے اپنے کیکس لگے بالوں کو کھولتے ہوئے صفورہ بیگم کو جواب دیا۔

"اتنے سارے لوگ! شادی ہے یا سالگرہ؟ اور اپر کلاس کی کیا بات مڈل کلاس کے لوگ بھی سالگرہ مناتے ہیں پر اس طرح اتنی فضول خرچی اور......"

"اوہو گرینڈ موم! چھوڑیں نا یہ باتیں ابھی تو اتنی خوشی کا موقع ہے نا۔" علوینہ نے محبت سے صفورہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس بحث کو طوالت سے بچایا۔

"ہاں گرینڈ موم! اس علوینہ کی وجہ سے میری تو وہیں کی وہیں رہ گئی جسے سن کر پوری کرنے بجائے ڈیڈ بھی حکومت کی طرح React کر رہے ہیں۔" یکدم ثمیس نے بھی اپنا جھگڑا رو دیا اس نے برتھ ڈے گفٹ کے طور پر ہیوی بائیک کی فرمائش کی تھی۔ حالانکہ ان کے گھر میں آل ریڈی دو کاریں موجود تھیں۔

"تو اب آپ مجھے [illegible] کر کے" اسفند یار نے اپنے اکلوتے بیٹے کی بات کو [illegible] ہوئے گھورا۔

"ہیلو نہیں تو کیا ڈیڈ....! مجھ سے چھوٹے بچوں کے پاس اپنا ذاتی بائیک ہے ایک آپ ہی ہیں۔ ان رہنے دیجیے گرینڈ موم آپ ہی ڈیڈ کو سمجھا دیں۔" ثمیس نے اپنی دادو سے سفارش کروانا چاہی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں تمہارے ڈیڈ، دیکھا ہے میں نے تمہارے جیسے لڑکے اللہ معاف کرے کیا تیزی سے اسکوٹر چلاتے پھرتے ہیں جیسے [illegible] کر رہے ہوں۔"

صفورہ بیگم نے صاف ہری جھنڈی دکھائی تو ثمیس نے اپنا رخ اپنی موم کی جانب کیا۔ "موم پلیز آپ ہی ڈیڈ سے کہیں آخر آل کس بات کے برتھ ڈے گفٹ....!" ثمیس نے التجا آمیز لہجے میں اپنی موم سے کہا۔

"مان جائیں نا۔ دلا دیجیے ثمیس کو بائیک آخر ہمارا اکلوتا بیٹا ہے جو ہے سب کچھ اسی کا تو ہے پھر جانے کیوں؟" سمیرا نے بھی اپنے بیٹے کی سائیڈ لی۔

"اے ہے اب تم بھی بچے کی فضول ضد میں آ گئیں۔ کچھ تو ہوش کے ناخن لو۔ کل کلاں یہ بھی ان [illegible] کی طرح [illegible] کر بیٹھا تو....؟" صفورہ بیگم نے ان لوگوں کو ڈپٹا اور ساتھ ہی ان کی ہدایت کی دعا کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھیں۔ جب کہ پیچھے بیٹھا ثمیس دھرنے والے آئیڈیا پر غور و فکر کر رہا تھا اور بالآخر اس کا آئیڈیا کام کر گیا۔

ثمیس کی برتھ ڈے والی رات جب صفورہ بیگم سمیت سب فارم ہاؤس پہنچے تو سارے مہمان تقریباً آ چکے تھے۔ مہمان بھی کون سب اپر کلاس سے تعلق رکھنے والے لوگ۔ شہر کی آبادی سے دور ایک پرسکون جگہ پر اسفند یار عالمگیر کا خوب صورت وسیع فارم ہاؤس برقی قمقموں و لڑیوں سے سجا کسی نئی نویلی دلہن کا تاثر دے رہا تھا۔ رات کے اس پہر گویا دن کا سماں تھا۔ پارٹی کیا تھی یوں لگے پیسوں کی فراوانی کا بے دھڑک روانی جابجا دکھ رہی تھی۔ [illegible] میں کیک کاٹا گیا اور ساتھ ہی ثمیس کو برتھ ڈے گفٹ کے طور پر اس کی فرمائش کے مطابق ہیوی بائیک کی چابی اور علوینہ کو بطور گفٹ اس کی خواہش کے مطابق [illegible] لیپ ٹاپ دیا۔ پیسوں کی اس قدر ناقدری پر صفورہ بیگم کا دل آنکھ آنسو رونے لگا۔

"واہ! کیا بات ہے آج تم نے پارٹی بہت شاندار دی ہے۔" مسز قسیم نے چکن لیگ پیس کے ساتھ بھرپور انصاف کرتے ہوئے سمیرا سے تبصرہ کیا۔

"ارے! ایسی بھی کچھ خاص نہیں۔ نیو ایئر پارٹی تو اس سے بھی بڑی شاندار تھی بھئی۔" سمیرا عرف کی نے بڑی شان بے نیازی سے کہا۔ "Wow! مگر تم بھی [illegible] چمک کر آ رہی ہو [illegible] یورپ سے لائے تھے۔"

مسز قسیم نے اشتیاق سے کہا "ہاں بالکل بھئی! خاص اس پارٹی کے لیے زمرد و یاقوت کا سیٹ منگوایا ہے۔"

[illegible] نے بھی اپنی تیاری کو بڑھ چڑھ کر شو آف کیا۔ اس بات سے بے خبر کہ پاس ہی موجود صفورہ بیگم کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے۔

☆......☆

"السلام علیکم بچوں! آپ سب کا بہت شکریہ میرے پوتے اور پوتی کی خوشی میں آپ سب شامل ہوئے اور اب معذرت کہ میں آپ سب سے تھوڑا وقت لینا چاہوں گی۔ چاہے نہ چاہے آپ سب کو میری بات سننی ہی پڑے گی۔" بالآخر صفورہ بیگم نے DJ سے مائیک لے کر ان سب کو متوجہ کیا۔

"اف! اب موم.....! یہاں بھی کوئی لیکچر اسٹارٹ نہ کر دیں۔" سمیرا نے فکرمندی سے سوچا۔ جب کہ پارٹی میں آئے سب ہی لوگ مائیک سے ابھری آواز پر متوجہ ہوتے صفورہ بیگم کے اردگرد جمع ہونے لگے تھے۔

"یہ پاکستان جہاں آج ہم سب آزادانہ سانس لے رہے ہیں اسے کسی دیوانے کا خواب نہیں تھا بلکہ ہمارا مقصد حیات تھا۔ جسے اللہ نے انعام کی صورت ہمیں سرسٹھ برس پہلے نوازا۔ جس کی تعمیر میں ہمارے بزرگوں کا خون، گارے کی جگہ اور ان کی ہڈیاں اینٹوں کی جگہ استعمال ہوئیں۔ ہمیں علیحدہ وطن تو مل گیا مگر ہم آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں یا پھر کچھ زیادہ ہی آزاد ہو گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے اس خوب صورت رات کو اور اس شاندار پارٹی میں مجھ بڑھیا بلکہ آپ کی زبان میں "اولڈ فیشن" کو سننا آپ کو برا لگ رہا ہوگا۔ لیکن یہ پارٹی اپنی جگہ میری بات بھی بہت اہم ہے جسے آپ سب کو تو برداشت کرنا ہی ہوگا۔"

صفورہ بیگم نے کچھ لمحوں کا توقف کیا اور حاضرین پر نظر دوڑائی جہاں سب کے چہرے سوالیہ اور تیوری کے بل نمایاں تھے۔ "ذرا اپنے آپ سے پوچھیے کیا ہمارے بزرگوں نے جس اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ کیا وہ

وصول ہوتیں؟ اس کا صلہ کیا ملا؟ بہت آسان ہے حکومت کو، فوج کو معاشرے کو برا بھلا کہنا ہر مسئلے کا ذمہ دار انہیں ٹھہرانا۔ پر اصل ذمہ دار تو ہم ہیں! ہم ہی نے تو ان حکمرانوں کو اپنے سروں پر سوار کیا ہے۔ یہاں اس پارٹی میں کتنے بڑے بڑے اعلیٰ افسر ہیں۔ خود میرا بیٹا بھی۔ میرا پوتا آنے والے کل کا افسر ہوگا۔ میری بہو سوشل ورکر اور یہاں موجود بیگمات ہیں جو کوئی ڈاکٹرز تو کوئی کچھ تو کوئی بڑی بڑی کرسیوں پر ہیں لیکن آپ سب میں سے کتنے ہیں جو اپنی کرسیوں سے انصاف کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جو اپنے کام کو ایمانداری سے کرتے ہیں؟ جو ہم اپنے حکمرانوں سے بھی ایسی امید رکھیں۔ خدا نے اگر ہمیں دولت سے نوازا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اسے یوں دونوں ہاتھوں سے فضول لٹائیں۔ ہم ایک مسلمان ہیں ہمیں دین اور دنیا دونوں کو ہی ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔ ہمارا ہمسایہ ہمارے پہلو میں بھوک سے تڑپ تڑپ کے جان دے رہا ہے اور ہم فضول خرچیاں کر رہے ہیں۔ ہمارا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہا ہے۔ جل رہا ہے۔ مر رہا ہے اور ہم پارٹیاں کرتے چین و سکون کی نیند سوتے ہیں۔ ذرا ہمارے پیغمبر و صحابہ کی زندگی دیکھو! حضرت عمرؓ حضرت فاروقؓ اپنے دور میں حکمران ہوتے ہوئے بھی رات کو گلیوں میں گشت کرتے کہ کہیں میری حکمرانی میں کوئی کتا بھوکا نہ بلک رہا ہو۔ ورنہ میں آخرت میں خدا کو کیا حساب دوں گا اور یہاں یہ حال ہے کہ لوگ بھوک سے بلک رہے ہیں۔ مر رہے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کو فضول خرچیوں سے ہی فرصت نہیں۔ عیشوں کے محل میں بیٹھے غریب عوام کی تکلیفوں کا تماشہ دیکھنے والے ہم سب وقت کے فرعون ہی تو ہیں۔"

"اس ساری تقریر کا مقصد!" ایک بگڑے ہوئے باپ کے بیٹے نے صفورہ بیگم کو خاموش ہوتے دیکھ کر اکتا کر پوچھا۔ شاید وہ اس شاندار پارٹی کا مزہ کرکرا ہونے اور میوزک کے بند ہونے پر بے چین و بدمزہ ہو رہا تھا۔

صفورہ بیگم نے چاروں اور نگاہیں گھمائیں کچھ ان کی باتوں سے متفق تھے اور نگاہیں جھکائے سن رہے تھے تو کچھ بے چینی و بے دلی سے نظر آ رہے تھے کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی جھلک نمایاں تھی اور کہیں خاموشی تھی۔

صفورہ بیگم نے پھر سے سلسلہ کلام جوڑا۔ "آج سب کا مقصد تم سب کو بتا چکی ہوں۔ سب کہتے ہیں کہ ہم پاکستان میں رہتے ہیں تو پاکستان میں کیا کچھ کیوں ہو رہا ہے اس کی پروا نہیں۔ کیا معلوم ہے کچھ عرصہ میں رہتے ہیں سندھ کے کس علاقے میں کیا ہوتا ہے اس کی خبر نہیں رکھتے۔ ایک جگہ پارٹی ہوتی ہے تو دوسری جگہ بھوک و غربت سے بچے مر رہے ہیں۔ کل آپ سب کے گھر میں آپ کا اپنا بھوک سے تڑپ رہا ہو تو کیا آپ تب آرام سے پارٹیاں منا سکیں گے؟ ذرا سوچیں اور خود اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیں کہ آپ کی انسانیت کہاں ہے؟ آپ کا ضمیر کہاں ہے؟ انسانیت کی ہی خاطر کچھ تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے ہمارا تعلق جس اسلام مذہب سے ہے اس میں بھی مسلمانوں، پڑوسیوں، مسافروں سب کے حقوق بتائے ہیں۔ اسلام کہتا ہے عام مسلمان و انسان جو ضرورت مند ہو، تکلیف میں ہو اس کی اپنی حیثیت کے مطابق مدد کرو۔ لیکن ہم اہل ہوتے ہوئے بھی ہاتھ پر ہاتھ باندھے بیٹھے ہیں۔ جب کوئی اپنا آنکھوں کے سامنے بیمار، بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دے رہا ہو تو کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ ہم جانیں اور کیوں جانیں کیوں کہ ہم تو بے حس ہیں۔" بولتے بولتے وہ یکدم ٹوٹ سی گئیں اور اپنی عمر سے زیادہ ضعیف نظر آنے لگیں تھیں۔ "جس نبی نے امت کے لیے اتنی تکلیفیں برداشت کیں جس نے سجدوں میں بھی رو رو کر اپنی امت کی بھلائی کی دعائیں مانگیں جس نے دین کی تبلیغ کے واسطے پتھر برداشت کیے آج اس کی امت اتنی سنگ دل ہو گئی۔ دین کی خاطر نہ سہی انسانیت ہی کی خاطر ہم غریبوں اور ضرورت مندوں کو بھی پارٹی جشن اور دعوتوں پر فوقیت کیوں نہیں دیتے۔ ہم کیسی مائیں ہیں کہ اپنے بچوں کی خاطر جشن دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ پر ان ماؤں کا نہیں سوچتے جن کی گود میں اس کے اپنے بچے بھوک سے تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ ہم کیسے باپ ہیں کہ اپنے بچوں کی ہر خواہش منہ مانگے پوری کر دیتے ہیں اور ان بچوں کا نہیں سوچتے جو اپنے غریب باپ سے ایک روٹی مانگتے ہیں اور بدلے میں باپ دکھ و آنسوؤں بھری خالی آنکھوں سے بے بسی سے تکتا ہے۔ ہم کیسے والدین ہیں؟" کب سے رکے آنسو اب موتی کی لڑیوں کی صورت میں صفورہ بیگم کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے تو کچھ اور آنکھوں میں بھی پانی جھل مل کر رہا تھا۔ کیس آگے بڑھا اور دونوں ہاتھوں سے انہیں تھام لیا۔

"دادو یو آر سو گریٹ آج آپ نے یہاں موجود بہت سے لوگوں کو آنکھیں دی ہیں بہت لکی ہوں کہ مجھے آپ جیسی دادو ملیں۔ فرینڈز آج میں بھی کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ان 18 سالوں میں میں نے 18 برتھ ڈے منائے۔ ہر برتھ ڈے پہ بلکہ عام دنوں میں بھی مہنگے سے مہنگے اور قیمتی تحفے لیے۔ جن کی مالیت کروڑوں تک تو ہوگی ہی۔ اب آج ہی کی بات لیجیے۔ اس برتھ ڈے پر میں نے ڈیڈ سے ڈھیر مانگی جو باہر موجود ہے۔ ساتھ ہی Sis نے لیپ ٹاپ کی فرمائش کی جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ کی طرح یہاں موجود تمام ینگ جنریشن بھی اپنے مام ڈیڈ سے یوں ہی مہنگے گفٹ فرمائش کرتی ہوگی اور بہت سے مام ڈیڈ کی طرح یہاں موجود سب ہی Parents اسے فوراً پورا بھی کر دیتے ہوں گے کیوں کہ ان کے لیے بھی اپنے بچوں کی خوشی اہمیت رکھتی ہے تو کیا بھوک سے غربت سے روتے بچوں میں ان کے Parents کی جان نہیں ہوگی؟ کیا وہ ان کے لیے Importance نہیں رکھتے ہوں گے؟ کاروں میں آتے جاتے۔ اے سی میں بیٹھے بیٹھے ہمارا بچپن ہوا اور بچپن گزرا۔ کھلانے والے نے ہمیں کھلایا۔ ہمیں کیا معلوم بھوک کی تڑپ اور پیاس کی شدت کیا ہوتی ہے۔ نہ ہم نے کبھی جاننے کی کوشش کی ہمارا مقصد تو اچھا کھانا، اچھا پہننا، اپر کلاس لوگوں سے ملنا، آؤٹنگ کرنا، پارٹیاں کرنا اور بے فکر جینا ہے۔ نہ ہم نے کبھی سوچا کہ ہم جو ہزاروں روپے یوں ضائع کر دیتے ہیں اگر یہ ہزاروں نہ سہی 100 کا نوٹ ہی تھر اور اس جیسے پسماندہ و قحط زدہ علاقوں کے غریب و مفلس لوگوں کو دے دیا جائے تو ایک وقت کا ہی سہی ان کے پیٹ کا ایندھن بھر جائے۔ ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں کہ کسی بھوکے کو کسی غریب کو کھانا کھلانے کا بہت اجر و ثواب ہے لیکن ہم نے اس پر کبھی عمل نہ کیا اور نہ ہی اس کو سمجھا ہماری آخرت کیا ہے؟ ہمارا مستقبل کیا ہے؟ بہت ہی ڈارک۔ کیوں کہ ہمارے Parents خود اس چکاچوند اور اندھیرے کی دنیا میں لگے ہیں اور ہم بھی Step by Step ان کے پیچھے چل رہے ہیں بلکہ بعض اوقات ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تو ذمہ دار کون؟ ہم اے سی کی ٹھنڈک و خنک دار کمروں میں بیٹھے لوگ تپتی لو میں بھوک سے تڑپتے مرتے لوگوں کا درد کیا جانیں۔ ہم وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں ہم بے حس انسان ہیں۔

"ہم کس گلی جا رہے ہیں
اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں
اپنوں کی انجمن میں
بیٹھے ہیں اپنا گھن میں

اپنا کوئی نشانہ نہیں!!"

مجلس کے خاموش ہوتے ہی کسی نے پلیئر آن کر دیا۔ عاطف اسلم کے بول ماحول پر حاوی ہونے لگے اور ساتھ ہی منصورہ بیگم اور شمس کی کہا تھیں وہاں موجود لوگوں کے مردہ ضمیر کو جگانے لگیں۔ وہ جو کب سے اپنے خواب میں کھویا ہوا تھا۔ وہ بھی جاگ گیا یکدم اپنے خواب کی تعبیر سامنے نظر آنے لگی۔ وہ یعنی اسفند یار عالمگیر آگے بڑھ کر اپنے پیچھے کھڑے لگ گیا۔ آج اسے اپنے خواب کی تعبیر سمجھ آ گئی تھی۔

"میں یعنی اسفند یار عالمگیر آج خود کو خوش نصیب سمجھوں کہ میرا اپنا ضمیر اتنا مرا ہے یا بدنصیب سمجھوں کہ میں اپنی حیات کا مقصد سمجھ نہ پایا۔ یہاں موجود جہاں سب کے ضمیر جاگے ہوں یا نہ جاگے ہوں پر میرا تو ضرور جاگا ضمیر بھی اور احساس بھی۔ واقعی ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ غربت و قحط ہے۔ بھوک کے ہاتھوں ستائے لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہے ہیں اور ہمارا ضمیر سو رہا ہے۔ حکومت تو ہے ہی بے خبر۔ پر ہم ہماری انسانیت ہمارا دین کیا اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ان ضرورت مندوں کی مدد کریں۔ ذمہ دار صرف حکومت نہیں ہم بھی ہیں بقول اقبال

"اپنے کردار سے گر دور نکل جاؤ گے
خواب ہو جاؤ گے افسانوں میں ڈھل جاؤ گے"

اور دیکھو ہم خواب ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے دلوں میں واقعی بے حسی اتر آئی ہے۔ ہم ہمارا ضمیر مردہ ہی ہے۔ ہم واقعی ایک افسانوی زندگی جی رہے ہیں۔ ہمارے ایمان تک داؤ پر لگ گئے ہیں۔ ہمیں مرنے والوں کے بھوکے پیٹ، ننگے پیر، خاموش آنکھیں نہیں دکھتی ہمیں تو بس یہ نظر آتا ہے کہ ان کا تعلق ہمارے مذہب سے نہیں پر انسانیت سے تو ہے۔ ہم کب تک خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں گے؟ اب ہمیں بھی آواز اٹھانی چاہیے تو سب سے پہلے میں آواز اٹھاتا ہوں آج سے یہ فضول پارٹیاں، بے جا شندوہ فرمائشوں پر خرچ ہونے والی رقم وصل اعزاز کر کے ضرورت مند لوگوں تک پہنچاؤں گا۔ کیوں کہ اس وقت ملک کا یہ حال ہے کہ

"گلی گلی شہر شہر ملا کا شور کہ
مسجد پر تعمیر ہے
چندہ دے کر ثواب دارین حاصل کریں
بچے کچرے سے بھوکے پیٹ نشا چوستی رہا ہے کہ
کاش! میں بھی مسجد ہوتا

اس لیے اپنی حیثیت جتنی ان کی ضرورت ہو ہمیں ضرور مدد کرنی چاہیے کیوں کہ ہماری حیثیت سے ہم سب خوب واقف نہیں ہیں۔ اس لیے اب ان کی ضرورتوں کو اہمیت دیں کیونکہ بحیثیت ایک مسلمان بروز قیامت ہم سے ہماری ہر نعمت کی پوچھ گچھ ہوگی جس میں یہ دولت بھی شامل ہے جسے ہم بے دریغ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے ہیں اور ہمارا توشہ آخرت بھی بالکل خالی ہے۔

ہمیں ان ضرورت مندوں و غریبوں کی مدد کرنی ہے۔ اس سال نیو ایئر پارٹی وغیرہ پر پیسے کو پانی کی طرح بہانے کے بجائے اس کی قدر کرلی ہے۔ اس سال ایک نئی امید لیے ہم نے ایک شمع جلائی ہے۔ خاموش سی آنکھوں میں امید و خوشیوں کے دیپ جلانے ہیں۔ بلکتے بھوکے پیاسے بچوں کو سہارا دینا ہے۔ یہی میرا انتقام اور مقصد ہے۔"

اسفند یار عالمگیر کی بات مکمل ہوتے ہی فارم ہاؤس تالیوں سے گونج اٹھا جس کے شور میں یہ بات نمایاں تھی کہ سب کے مردہ ضمیر جاگ اٹھے ہیں اور اب وہ آنے والے سال میں انسانیت کو بھی جگا کیں گے!!

☆

حنا کنول شہزاد

افسانہ

میری زیست کا حاصل



آج نجانے اسے کیسے لگے تھے ان بیتے لمحوں گزرے گئے [illegible] کچھ پتہ نہیں تھا، اسے پتہ تھا تو صرف اتنا کہ اس کی زیست کا حاصل کہیں بہت دور چلا گیا تھا جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آنسو تھے کہ پلکوں کی باڑھ سے بہتے ہوئے اس کے رخساروں کو بھگوئے جا رہے تھے۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ بھی مر جائے کم از کم اسے اس دکھ سے نجات تو ضرور ملے گی، جو اسے اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر رہا تھا، یہ تو ختم ہوگا مگر وہ ایسے دوراہے پر کھڑی تھی، نہ مر سکتی تھی اور نہ جی سکتی تھی۔ بھلا آسان ہوتا ہے کسی ایسے انسان کے بغیر جینا جو آپ کی رگ و جان سے بھی قریب ہو، جو آپ کے لیے آکسیجن کا کام کرتا ہو۔ جب انسان کو آکسیجن نہ ملے تو وہ مرنے لگتا ہے، وہ بھی مرنے لگی تھی جبکہ وہ تو مر کر دفن بھی ہو چکی تھی۔ اب صرف وہ ایک لاش تھی جس کا اندر کب کا مر چکا تھا مگر وہ پھر بھی زندہ تھی۔ کیا یہ جینا تھا، یہ تو صرف وہی جانتی تھی وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے۔

"شاکلہ!" وہ نجانے کتنی دیر سے یونہی تھی کہ کسی کی آواز پا کر ٹھہر گئی اور [illegible] بولی۔

"رخ! وہ ایسے کیسے چلا گیا مجھے چھوڑ کر وہ تو کہتا تھا ہم ساتھ جئیں گے اور ساتھ مریں گے، پھر اکیلے کیوں چھوڑ گیا، کیوں نہ کیا، تمہیں پتہ ہے میں نے اسے [illegible] کتنا منتوں کے مانگا تھا یہاں تک کہ اپنا [illegible] میرے رب نے اسے دیا تھا تو صرف ایک سال کا ساتھ اس نے مجھے دیا۔ اس نے کیوں [illegible] ساحل کو وہ پتا تھا کہ میں اس کے بنا مر جاؤں گی۔" شاکلہ [illegible] پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو رخ [illegible] بھی آنسو بھر آئے مگر وہ خود کو [illegible] سے شاکلہ کو گلے لگا کر بولی۔

"شاکلہ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اپنے رب سے پوچھیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، ایسا کیوں نہ کیا؟ مثلاً میں تمہیں کوئی چیز دوں گی تو وہ میرا دل کرے گا، واپس لے لوں گی، تم مجھے یہ کہنے کا حق نہیں رکھو گی کہ میں نے وہ چیز تمہیں دے کر تم سے کیوں لے لی؟ کیوں کہ جب وہ چیز ہے میری تو میں نے کبھی نہ کبھی تم سے لے لینی ہے، اسی طرح اللہ نے ساحل کو ہمیں عطا کیا اور اس کا دیا ہوا تھا اس نے جب چاہا اسے لے لیا، اب ہمیں اسے یہ کہنے کا حق تو نہیں ہے کہ اس نے اپنی امانت ہم سے واپس کیوں لے لی اس حقیقت کو سمجھو اور حالات کو قبول کرو یوں رونے سے خود کو کمرے میں بند کر لینے سے ساحل بھائی واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں جانا تھا وہ چلے گئے اور ہم سب کو بھی ایک نہ ایک دن چلے جانا ہے، کیوں کہ یہ جو زندگی ہے نا یہ ایک ٹرین کی مانند ہے جس پر روز ہزاروں لوگ چڑھتے ہیں اور ہزاروں اترتے ہیں۔ جس کی جب منزل آتی ہے وہ اتر جاتا ہے اور پھر آخر کار وہ ٹرین ایک دن خالی ہو جائے گی، کیوں کہ کوئی بھی انسان تا قیامت اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا تو جیتے جی خود کو مار لینے سے کوئی واپس بھی نہیں آتا۔ تم سن رہی ہو نا میری بات۔" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے آخر میں پیار سے بولی تو وہ ہنکار بھر کر رہ گئی۔ رخ پھر بولی۔

"تمہارے آگے زندگی پڑی ہے۔ تمہیں اپنے لیے نہ سہی زوہیب کے لیے جینا پڑے گا۔ منہ چھپا لینے سے دکھ اور پریشانی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا صبر اور شکر کرنے سے ختم ہو جاتی ہے، اگر ہم خود کو کمرے میں چھپا لیں گے تو چھوٹی سے چھوٹی پریشانی بھی ہمیں بہت بڑی لگنے لگے گی۔ چلو اب تم سو جاؤ ٹھیک ہے۔"

رخ اسے بیڈ پر سلا کر لائٹ آف کر کے چلی گئی مگر نیند تو اس سے نجانے کب سے روٹھی ہوئی تھی، اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں ساحل آفندی کا مسکراتا چہرہ

اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے محبت سے آنکھیں کھول لیں اور باہر کی ظالم پریوں نے اس کا اپنے پر پھیلانا شروع کر دیئے اور ماضی اس کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگا۔

☆ — ☆

وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی صالحہ ماما اسے دیکھ کر مسکرائیں اور محبت سے بولیں۔

"شائلہ بیٹا! جاؤ ساحل کو اٹھاؤ ہم تو اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہیں، تم کوشش کر لو۔" ان کی بات پر شائلہ مسکرا دی پھر "جی ماما" کہہ کر ساحل کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ ناک کرنے پر کوئی آواز نہیں آئی تو وہ دروازہ دھکیل کر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئی، پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا پہلے اس نے لائٹ آن کی سارا کمرہ ایک دم روشنی سے بھر گیا۔ ساحل نے کسمسا کر کروٹ بدلی تو وہ جھنجلا کر بولی۔

"دیکھو ساحل! دن کے دس بج رہے ہیں اور آپ جناب کی ابھی تک صبح نہیں ہوئی، حد ہوتی ہے جناب سونے کی مجھے تو لگتا ہے تم گھوڑے گدھوں کا اصطبل بیچ کر سوتے ہو۔" بولنے کے ساتھ اس نے ساحل کو بازو سے پکڑ کر اچھا خاصا جھنجوڑ ڈالا تھا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ساحل آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا پھر اسے چڑانے کو بولا۔

"تم نے ٹھیک کہا شائلہ آفندی کہ میں گھوڑے گدھوں کا اصطبل بیچ کر سوتا ہوں، مگر تمہیں پتہ ہے اسے خریدتا کون ہے۔" اس کی بات پر شائلہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تو ساحل اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو کھینچ کر بولا۔

"تم اسی لیے تو تم بھی دن کو 9 بجے اٹھتی ہو۔"

"ساحل آفندی! اچھ کر دکھاؤ تم اب مجھ سے۔" وہ غصے سے بولی تو ساحل مصنوعی بے بسی سے بولا۔

"میں نے بہت کوشش کر لی ہے بچنے کی مگر نہیں بچا۔"

"کس سے؟" اس کے معصومیت سے پوچھنے پر ساحل اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"تمہارے عشق سے جو میری زیست کا حاصل ہے۔" اس کی بات پر شائلہ نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا پھر اپنی خفت چھپانے کو غصے سے بولی۔

"جتنی تم باتیں کرتے ہو نا..."

"اتنا تمہیں پیار کیا کروں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تو مارے شرم کے اس کے رخسار گلابی ہو گئے اس نے تکیہ اٹھا کر ساحل کو دے مارا پھر بولی۔

"چلو اب اٹھو جلدی کرو، ماما بلا رہی ہیں۔" وہ تیز تیز بولتے ہوئے جانے لگی تو ساحل نے [illegible] اس کا ارادہ ترک کر کے سنجیدگی سے بولا۔

"آج کیا ارادہ ہے؟"

"کس چیز کا؟" اس کی بات پر ساحل مصنوعی جھنجلا کر بولا۔

"تمہاری معصومیت کے بھی کیا کہنے، بھئی میں تمہاری پڑھائی کا پوچھ رہا ہوں۔"

"اور... کالج میں داخلہ لینا ہے، فارم آنا ہے۔"

"کوئی یونیورسٹی نہیں جا رہیں تم، اب جلد رخصتی کی بات کروں گا، بہت پڑھ لیا تم نے۔" اس کی بات پر وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

"پلیز ساحل! مجھے ایم اے کے ایگزام دینے دو، دیکھو جہاں اتنے سال گزر گئے ہیں دو سال اور سہی۔"

"دو سال...... پاگل ہو گئی ہو تم۔" اس کی بات پر وہ چیخا تھا، پھر اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولا۔

"ٹھیک ہے لیکن صرف دو سال۔"

"ساحل! تم کتنے اچھے ہو۔" شائلہ خوشی سے بے قابو ہو کر بولی تو وہ فرضی کالر جھاڑ کر بولا۔

"وہ تو میں ہوں ہی تمہیں اب پتہ چلا۔"

"مجھے پتہ ہے۔"

"تم جانتی ہو کیا پتہ ہے؟" وہ پھر سے شرارت سے [illegible] گھور کر بولی۔

"ساحل چیز! چلو اب۔"

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔" شائلہ مسکرا کر باہر چلی آئی، سامنے لاؤنج میں بیٹھی رخ نے اسے شرارت سے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی پھر اسے گھور کر بولی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"ہونے والی بھابھی صاحبہ بھائی اٹھنے میں اتنی دیر لگاتے ہیں۔" رخ شرارت سے بولی تو شائلہ اسے گھور کر رہ گئی پھر بولی۔

"آج ساحل فارم لے آئے گا۔"

"کیا ساحل بھائی مان گئے؟" رخ اس سے زیادہ خوش ہوئی پھر دونوں یونیورسٹی جانے کی پلاننگ کرنے لگیں۔

☆.....☆

احمد رضا اور احمد فیاض دونوں بھائی تھے۔ احمد رضا کی شادی صباحت سے ہوئی جو کہ ان کی کلاس فیلو تھیں۔ احمد رضا کی صرف ایک بیٹی شائلہ تھی۔ شائلہ کی پیدائش کے صرف ایک سال بعد صباحت اور احمد رضا کا انتقال ایک حادثے میں ہو گیا تو صالحہ جو احمد فیاض کی بیوی تھی، نے شائلہ کی پرورش کی اور اسے بیٹی کی طرح رکھا۔ صالحہ کے تین بچے تھے بڑا بیٹا ساحل پھر رخ اور ننھا حاجی۔ احمد فیاض کی گارمنٹس کی فیکٹری تھی۔ جس میں گریجویشن کے بعد ساحل جانے لگا تھا۔ ساحل شائلہ سے محبت کرتا تھا یہ جانتے ہوئے صالحہ اور احمد فیاض نے کچھ عرصہ پہلے شادی کی بجائے دونوں کا نکاح کر دیا تھا۔ رخ کی منگنی احمد فیاض کے دوست کے بیٹے اسلم سے طے تھی۔ شائلہ کی ایم اے کرنے کے بعد رخصتی ہونا تھی جب کہ رخ اور اسلم کی شادی کا بھی قرار پایا تھا۔

اکرم [illegible] ان کے دیرینہ دوست تھا۔ وہ دونوں رہے ہی ایک دوسرے کی بہت اچھی دوست بھی تھیں اسی لیے کسی اور لڑکی کی انہیں ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ سر اکرام کی کلاس سے فارغ ہو کر وہ دونوں گراؤنڈ میں چلی آئی تھیں۔ شائلہ نے کتابیں گھاس پر رکھیں پھر آرام سے بیٹھ گئی۔ ہمیشہ کی طرح اسکارف کو سر پر اچھی طرح لپیٹے گلے میں چادر لپیٹے بغیر کسی میک اپ کے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ رخ [illegible] چڑ کر بولی۔

"کیوں ناں کینٹین چلیں بھوک لگ رہی ہے۔"

"اچھا چلو مگر پیسے تمہارے۔" شائلہ مسکرا کر بولی تو دونوں کینٹین کی طرف بڑھ گئیں۔

"ابے یار! کیا مصیبت ہے تیری وجہ سے میں بھی رکا ہوا ہوں۔" حسب معمول اکرم شروع ہو چکا تھا اور اس کا رٹا رٹایا جواب تھا۔

"تجھے کس نے روکا ہے کر لے شادی۔"

"ابے پاگل پتہ تو ہے کہ میں، تیری ہوگی تو میری باری آئے گی نا۔"

"اور تجھے پتہ ہے کہ میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گا جب تک مجھے میری آئیڈیل لڑکی نہیں مل جاتی ہے۔" ذکی نے اپنے ہر بار کے کہے ہوئے جملے دہرائے تو اکرم سر پکڑ کر کرسی پر ڈھے گیا جب کہ [illegible] سے بولا۔

"یہ آئیڈیل وائیڈیل کچھ نہیں ہوتا، بس کچھ لوگ تنہائی سے گھبرا کر خود ساختہ آئیڈیل تلاش کر لیتے ہیں اور رئیل لائف میں کسی کو اپنا آئیڈیل نہیں ملتا۔"

"تو، تو ہے ہی بڑا فلسفی۔ میری آئیڈیل ضرور ملے گی اور کہتے ہیں نا کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، پھر مجھے میری پسند کیوں نہیں ملے گی۔"

"دیکھتے تیرا آئیڈیل ہے کیا آج تو ہمیں بتا ہی دے۔" وہ بے چارا اکرم نجانے کتنے سالوں سے اس کے آئیڈیل کے بارے میں سن سن کر تھک چکا تھا، آخر زچ ہو کر آج پوچھ ہی لیا تو ذکی کھوئے سے انداز میں

بولا۔
"ایک لڑکی جس کے لیے گھنے بال ہوں، جو ہمیشہ خود کو چھپائے۔ حتیٰ ہو یہاں تک کے اس کی ہنسی بھی کسی مرد نے نہ سنی ہو۔ جو مرد کو دیکھ کر فوراً ہی اپنی نظریں جھکا لیتی ہو۔ اتنی سفید بھی نہ ہو کہ چاند کو ماند کرے۔ اتنی سیاہ بھی نہ ہو کہ رات کو ماند کرے بس ایسی ہو کہ جو! مجھے ایک پل کو رک سا جائے یہ ہے میری آئیڈیل۔" اکرم اور علی جو اسے بغور سن رہے تھے۔ دونوں نے آخر میں ایسے سر ہلایا کہ جیسے سب سمجھ گئے ہوں۔ پھر علی بولا۔
"تو پھر تو آج تک ایسی لڑکی نہ ڈھونڈ سکا۔ کچھ تو میں اور اکرم مل کر تیری آئیڈیل لڑکی کو ضرور تلاش کر لیں گے بس اب تو انتظار کر۔" علی کی بات پر وکی مسکرا کر رہ گیا۔ جب کہ علی اکرم آگے کا لائحہ عمل سوچنے لگے۔

☆....☆

"ہائے کیا ہو رہا ہے خواتین۔" وہ لاؤنج میں داخل ہو کر شرارت سے رخ دعا اور شائلہ کو دیکھ کر بولا تو ہمیشہ کی طرح دعا چیخی۔
"او ہیلو! یہ خواتین کا لفظ کس کے لیے استعمال کیا ہے؟"
"کیوں یہاں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی ہے کیا؟" ساحل مصنوعی حیرت سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تو رخ غصے سے بولی۔
"لگتا ہے کہ آپ کی آنکھیں خراب ہیں شاید اسی لیے آپ کو پتہ نہیں ہے کہ یہاں خواتین نہیں دوشیزہ لڑکیاں بیٹھی ہیں۔"
"او.... بڑی خوش فہمی ہے آپ دونوں کو اپنے بارے میں۔"
"جی نہیں۔ آپ ہمارے منہ مت لگیں۔"
"کیوں تمہارے کتنے منہ ہیں ویسے۔" ساحل پھر شرارت سے بولا تو رخ اور دعا [illegible] لیے تیار ہو گئیں۔ جب کہ شائلہ مسکراتی ہوئی اور ساحل کے لیے پانی لے آئی جسے ساحل نے [illegible] سے تھام لیا۔ ہاں تم ان دونوں سے مذاق کر [illegible] کیا تھا۔ جبھی کمرے میں احمد نیاز داخل ہوئے [illegible] چاروں با ادب سے بیٹھ گئے۔
"بابا! کھانا لگ گیا ہے آپ سب منہ ہاتھ دھو [illegible] آجائیں۔" شائلہ مسکرا کر کہتے ہوئے چلی گئی [illegible] سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆....☆

"کیا ہوا یار علی تمہیں میری آئیڈیل [illegible]" احمد ولی، اکرم اور علی کو کالج میں ادھر ادھر [illegible] بے چینی کی جب کے اکرم [illegible] کر چل رہا [illegible] یقین تھا کہ ضرور دونوں کی کسی نے خوب [illegible] تھی اس لیے اسے یہ خیال تھا اسی لیے شرارت سے بولا [illegible] علی اور اکرم نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تو بمشکل وکی نے اپنا قہقہہ کنٹرول کیا پھر مصنوعی ہمدردی سے بولا۔
"ارے یار! یہ کیا ہوا تم دونوں کو لگتا ہے کسی نے بہت پرانی دشمنی نکالی ہے جو یہ حال ہو گیا ہے۔"
"کسی نے کیا دشمنی نکالی ہمیں تو تیری [illegible] نے مار ہی ڈالا۔" علی دکھ بھرے انداز میں بولا تو [illegible] حیرت سے بولا۔
"ہوا کیا ہے کچھ بتانا پسند کرو گے۔"
"ہوا کیا تھا کچھ دن پہلے ہم دونوں تیری اس آئیڈیل کے چکر میں تھے کہ ایک برقع پوش لڑکی دیکھا تو علی بولا۔ وکی سے شادی کرو گی اسے آپ جیسی تلاش ہے پلیز۔ یہ کہتے ہوئے علی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تو اس لڑکی نے نجانے [illegible] لڑکوں کو بلا کر ہمیں اتنی مار لگوائی کہ ہم نے آئیڈیل سے توبہ کر لی۔" اکرم آخر میں ہاتھ [illegible] ہوئے بولا تو وکی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ جب [illegible] مسلسل گھور رہے تھے تو وکی ان کے انداز [illegible] پہ جھینک سے بولا۔
"ویسے مجھے میری آئیڈیل مل گئی۔"
"کیا! .... کیسے ..... ! کہاں، کب؟" علی اکرم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو وکی مسکرا کر بولا۔
"ہمارے ہی کلاس میں پڑھتی ہے۔ کل مجھے اسی گراؤنڈ میں نظر آئی تھی مگر اس نے مجھے ایک نظر بھی نہیں دیکھا بس اسی ادا پہ وہ بھی بہت جلد میری ہو جائے گی۔"
"مبارک ہو یار! ہمیں بھی بھابی سے ملوانا۔" علی اور اکرم سارا دکھ بھول کر خوشی سے اس کے گلے لگ گئے تو وکی بھی دل کھول کر مسکرا دیا۔
اکرم اور وکی دونوں بھائی تھے۔ جب کہ علی ان کا کزن اور بہت اچھا دوست تھا۔ تینوں ایک ساتھ گریجویشن کر رہے تھے۔ علی اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا جب کہ اکرم اور وکی کی صرف ایک بہن لائبہ تھی جو شادی شدہ اور ایک پیاری سی بچی کی ماں بھی تھی۔ وکی کے والد صاحب آفریدی کا اپنا بزنس تھا۔ [illegible] کو شادی کی جلدی تو نہیں تھی مگر بھائی کو تنگ کرنے کے لیے [illegible] ایسا کرتا تھا۔
اس نے بہت کوشش کی تھی کہ صرف ایک بار بھی وہ لڑکی اس کی طرف دیکھے مگر نہیں اور آج اسے پتہ چلا کہ وہ صرف ایم اے کرے گی، پھر یونیورسٹی چھوڑ جائے گی تو وہ سکتے میں رہ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ اب ضرور وہ اپنے پیار کا اظہار کرے گا اور اس سب کے دوران اس لڑکی کا پیچھا بھی شروع ہو گئے۔ اس نے ہمت کر کے ایک خوبصورت سے [illegible] ایک نہایت ہی پیارا کرسٹل کا گفٹ لیا جو کہ بیل جیسا تھا جس میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک دوسرے کو پھول تھمائے ہوئے تھے۔ اس گفٹ پر بھی I love you لکھا تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ یونیورسٹی آ گیا [illegible] بیٹھنے پر وکی اور اس کی دوست [illegible] میں بینچ پر بیٹھنے تھے۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا پھر سلام کر کے بولا۔
"میرا نام وکی ہے۔"
"تو ہم کیا کریں؟" شائلہ غصے سے بولی تھی۔ وہ کافی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ یونیورسٹی میں وہ ہر وقت ان کے پیچھے رہتا تھا۔ اسے دیکھتا رہتا یہ بات رخ نے بھی نوٹ کی تھی۔ دونوں کو اس پر بہت غصہ تھا اور آج اس کی ہمت دیکھو وہ اس کے سامنے کھڑا باتیں کرنے لگا تھا مگر پھر وکی کے اگلے الفاظوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔
"میں اپنی زندگی کے اس سفر میں اپنی تمام تر وفا اور سچائیوں کے ساتھ آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری زندگی کے سفر میں میری ہمسفر بنیں گی۔"
"جسٹ شٹ اپ! آپ کو ایک بار تو سوچنا چاہیے کہ آپ کسی کی منگوحہ سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میرا نکاح ہو چکا ہے اور شادی بھی ہونے والی ہے، میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں سو پلیز اپنی حد میں رہیں۔" شائلہ رخ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی، جب کہ وکی کے ہاتھ سے بکے کے پھول بکھر گئے جب کہ گفٹ چھن چھن کرتا ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ وہ بری طرح گرا تھا اس نے کیا کچھ نہیں سوچا تھا مگر سب ختم وہ شکست زدہ قدموں کے ساتھ یونیورسٹی کا گیٹ پار کر گیا وہ چلتا جا رہا تھا اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کہاں جا رہا ہے کیوں جا رہا ہے وہ بس چل رہا تھا سب کچھ بھلائے اس کا دماغ اس وقت کوئی کام نہیں کر رہا تھا اور دل وہ تو وہیں کہیں شائلہ کے قدموں میں روند آیا تھا۔ وہ اب کیا کرے کسے کہے کہ وہ اسے اس کی شائلہ دے دیں۔

☆....☆

"اللہ اکبر اللہ اکبر۔" وہ اپنی سوچوں میں جا رہا تھا کہ ایک دم سامنے مسجد سے موذن اذان دے رہا

تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا مسجد میں داخل ہو گیا۔ پہلی بار دل میں خیال آیا تھا کہ اس کا رب دن میں پانچ بار اسے فلاح کی طرف بلاتا تھا۔ کامیابی کی طرف اور وہ اکثر نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ کون کہتا ہے کہ خدا نظر نہیں آتا وہ تو ہر جگہ نظر آتا ہے۔ جب کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ وہ مسجد میں گیا دو رکعت نماز ادا کی سجدے میں گرا، بس گرتا چلا گیا جانے کب کے رکے ہوئے آنسو سیلاب بہا لے گئے۔ جانے وہ کتنی دیر روتا رہا جب امام صاحب نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور کہا۔

"خدا تمہیں سکون اور خوشیاں عطا کرے بیٹا! صبر کرو صبر کا پھل ضرور ملتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو لگی ٹھوکر سے سنبھل جاتے ہیں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ٹھوکر لگنے کے انتظار میں رہتے ہیں اور کچھ ٹھوکر لگنے کے بعد کسی سہارے کا انتظار کرتے ہیں۔ گرتے پڑتے رہتے ہیں۔ جب تک کوئی سہارا نہ دے مگر انسان کو اپنی مدد خود کرنی چاہیے۔ تم افسوس انتظار میں مت رہو کہ کوئی سہارا دے گا۔ کیوں کہ سب سہارے وقتی ہیں صرف ایک سہارا امر ہے وہ ہے خدا کا سہارا۔" وہ بھی بس سنبھل گیا، بغیر کسی سہارے کے کھڑا ہوا اور فلاح کی طرف چل پڑا۔

☆---☆

گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ بے حد خوش تھی تو دل کا کوئی کونا اداس بھی تھا اسے زندگی میں پہلی بار اپنے ماں باپ کی بے حد کمی محسوس ہوئی تھی وہ ہوتے تو بابا اسے قرآن کے سائے میں رخصت کرتے اور امی وہ نجانے کتنی نصیحت کرتیں مگر اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی تھی جب احمد رضا نے اسے قرآن پاک کے سائے میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں رخصت کیا اور کسی ماں کی طرح صالحہ بیگم نے اسے خوب سا دعا

نصیحتیں کیں۔ سب کی دعاؤں اور ساتھ کے ساتھ ثنائلہ فیاض سے ثنائلہ ساحل بن گئی۔ صرف لگے تھے وہ ثنائلہ ساحل تو کب کی بتا دی گئی تھی نے اپنی نئی زندگی کی شروعات کر دی تھی۔ ساحل تو وہ بے حد خوش تھے کہ شادی کے صرف تین مہینے بعد اسے ایسی خوشی ملی کہ وہ دنگ رہ گئی۔ ساحل بھی باپ بننے پر بے حد خوش تھا لیکن ان ہی دنوں میں ساحل کو لاہور جانا پڑا کہ کچھ ضروری کام تھا۔ احمد رضا بھی ان دنوں باہر تھے ورنہ وہ چلے جاتے۔ ثنائلہ کا دل گھبرا رہا تھا اس نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اسے تسلی دیتے ہوئے چلا گیا۔

اور پھر جس دن ثنائلہ نے خوب صورت سے بچے کو جنم دیا اسی رات اسے ایسی خبر ملی کہ جیسے اس کی روح کھینچ لی ہو اور وہ مرتی ہوا سے لگا کہ کسی نے اس کے قدموں سے زمین کھینچ لی ہو اور اس کے نیچے گہری کھائی میں گرتی جا رہی ہو۔ بہت ہی اندوہ کر رہی تھی اس رات اسے پتا چلا کہ جس ٹرین میں ساحل سفر کر رہا تھا اسے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور پھر کچھ لوگوں کو گولیوں سے بھون دیا جن میں ساحل بھی تھا۔

صرف کچھ پیسوں کے لیے انہوں نے کتنوں کے سہاگ اجاڑ دیے تھے۔ نجانے کتنی ماؤں کی گودیں اجاڑی تھیں نجانے کتنی بہنوں کے بھائی چھین لیے تھے۔

☆---☆

وہ آج پھر سے وہی بات لے کر بیٹھ گئی تھیں آج وہ ادھوری تھی، پہلے وہ صرف اس کے لیے آگئیں تھیں کہ شادی کر لو ساری زندگی تنہا رہو گی مگر آج ان کی گود میں وہ زوہیب تھا۔ اس کا جگر تھا اور ساحل کی آخری نشانی۔ جس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی اس نے صرف اتنا کہا کہ زوہیب ہے نا، تو امی بولیں تھیں۔

"تو ماں نہیں تو مشکل بھی نہیں ہے۔"

"نہیں امی! میں ساحل کی یاد کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔ تب پہ بوجھ نہیں بنوں گی اپنا اور زوہیب کا خرچ خود اٹھاؤں گی پلیز مجھے مجبور مت کریں۔" اس کی بات پر امی غصے سے بولیں تھیں۔

"ثنائلہ! نہ تو تم ہم پر پہلے بوجھ تھیں نہ اب ہو۔ ہم تو اس لیے تمہیں شادی کا کہہ رہے ہیں کہ تمہارا بیٹا کبھی باپ کے پیار سے محروم نہ رہے۔ اور وقار بہت اچھا ہے۔ تمہیں خوش رکھے گا اور اسے تمہارے بیٹے زوہیب سے بہت محبت ہے میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ ماضی کے سہارے کبھی بھی زندگی نہیں گزاری جاتی مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا، تو بیٹی! ہم بھی خود کو مار لینے سے مرنے والے کبھی واپس نہیں آتے۔"

صالحہ بیگم کی بات پر ثنائلہ خاموش تھی، پھر ثنائلہ ساحل کی زندگی میں ایک وقت آیا تھا کہ وہ ثنائلہ وقاص بن کے اس کے گھر میں موجود تھی۔ شادی سادگی سے ہوئی تھی۔ اس کی ایک بیٹی تھی اور ایک دیور جو کہ شادی شدہ تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی، جب دروازہ کھول کر وقاص اندر داخل ہوا اور سامنے بیڈ پر بیٹھ کر بولا۔

"السلام علیکم! میں اپنی تمام تر دعاؤں کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی میں خوش آمدید کہتا ہوں۔" ثنائلہ کو کوئی پہلی یاد آگئی اس نے سر جھکا دیا، جب کہ وقاص مزید بولا۔

"پتا ہے محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبت آپ کو خدا سے دور کر کے فانی کا عادی بنا دیتی ہے تو دوسری محبت آپ کو خدا کے قریب کر دیتی ہے پھر آپ کو احساس ہوتا ہے کہ جس کے پیچھے آپ بھاگ رہے تھے وہ تو فانی تھا ختم ہو جانے والا جو امر ہے وہ ہے، ہمیشہ رہنے والا۔ تمہاری محبت نے

مجھے خدا سے قریب کر دیا۔ امر کا پتہ چلا تو مجھے احساس ہوا کہ میں فانی کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ مجھے نہیں پتہ کہ کب مجھے تم سے محبت ہوئی اور کب میں نے تمہیں اپنے رب سے مانگنا شروع کیا۔ میں نے فلاح کا راستہ چنا اور اس کا انعام آج تم میرے سامنے میری بیوی بنی بیٹھی ہو۔ میں اپنے رب کا جتنا شکر کروں کم ہے۔ ثنائلہ لوگ کبھی بھی آپ کو آپ کے کل کی وجہ سے نہیں جانتے آج کی وجہ سے جانتے ہیں۔ آج جتنا اچھا ہو گا کل اتنا اچھا ہو گا۔ کیوں کہ آج کو کل میں بدل جانا ہے۔ میں وعدہ نہیں کرتا کہ تمہیں ہر خوشی دوں گا کیوں کہ خوشی دینے والا یا دکھ دینے والا ہمارا رب ہے ہاں میں کوشش کروں گا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی دکھ نہ پہنچے۔ میں دعا میں صرف وہی تمہیں اپنے گھر اور زندگی میں خوش آمدید کہتا ہوں۔" ثنائلہ جو ساکت بیٹھی اسے صرف سن رہی تھی مطمئن سی مسکرا دی اور سوچنے لگی۔

"جو بھی ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے، اگر ہم ہر دکھ کا مقابلہ مسکرا کر کریں تو وہ دکھ زیادہ دیر تک رہتا، بس ہمیں ہر دکھ تکلیف سے نمٹنے کے لیے صبر اور ہمت سے کام لینے پڑتے ہیں۔" وقی اسے بہت چاہتا تھا اور وہ بھی اب وقی کو چاہنے لگی تھی، مگر کبھی اقرار نہیں کیا تھا آج اس نے وقی کو تنگ کر دیا۔

"جو بات میں کہہ نہیں سکتی اسے میں فرض کرتی ہوں چلو میں فرض کرتی ہوں مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم میری زیست کا حاصل ہو۔" تسلیم کر کے وہ مسکرا دی کہ کسی کے چلے جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی ہاں خالی خالی سی ضرور ہو جاتی ہے۔ مگر پھر کوئی ایسا آپ کی زندگی میں ضرور آتا ہے جو اس خالی پن کو مکمل کر دیتا ہے۔

☆---☆

مکمل ناول

فرزانہ رضوی

گھر

حق جہاں کی بیلوں سے ڈھکے ... ولے
ورانڈے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ڈوبتے سورج کو تکنا
اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ لو سمندر کی گود میں
اترتا آگ کا گولہ اسے اپنے بچھڑے گھر کی یاد دلاتا۔
چوبیس گھنٹوں میں آئے یہ کوچے گھٹے کا دورانیہ بے
حد Fascinate کرتا۔ اپنے سارے کام چھوڑ کر اس
تو مے گھٹے میں صرف وہ صرف اپنی دنیا میں گم
ہو جاتی تھی۔
ایسا ہی ڈھلتے سورج کا وقت تھا جب وہ اس گھر میں



آئی تھی۔ اس وقت وہ صرف آٹھ برس کی تھی۔
باپ کی اچانک حادثاتی موت کے بعد ماموں جان کی
انگلی پکڑے جب وہ اونچے اونچے دروں سے
اس بڑے سے گھر میں آئی تھی تو اس کی ہرنی
کمان سی آنکھیں حیرت سے پھیلی لان میں جھولے اور فوارے دیکھ
اس کا معصوم سا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ وہ جو ماموں جان
کی انگلی چھوڑ کر خود بھی ان خرگوشوں کے پیچھے بھاگنے
جنہیں وہ خوبصورت سا لڑکا بہت تماشہ دوڑا رہا تھا۔ انہیں
دیکھ کر اب ان کی طرف دوڑا آیا تھا اور ماموں
جان سے لپٹ گیا تھا۔

"یہ کون ہے ڈیڈی۔" اسے دیکھتے ہی اس
خوبصورت سے لڑکے نے بے حد ناگواری سے
... کچھ سال کی بڑی ہو گی ... تھوڑی سی
ماموں جان کے پیچھے چھپ گئی۔
"یہ نیلم ہے۔ تمہاری مرحوم پھوپھو کی بیٹی۔"
انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"اچھا۔" وہ جیسے کچھ ... کیا اب یہیں رہے گی
... "اسے شاید اچھا نہیں لگ رہا تھا ان کا نام ...
ایسا ہی لگا تھا ... پھول سی ہونے ...
کا احساس اسی وقت ہو گیا تھا۔
"ہاں! اب یہ تمہارے ساتھ اسی گھر میں رہے
گی۔"

"تو یہ کہاں سوئے گی۔" وہ پھر فکر مند ہوا۔
"یہ اپنے کمرے میں سوئے گی۔ آپ کی ماما نے
اس کے لئے کمرہ تیار کیا ہو گا۔"
"یہ تو ... ڈرے گی۔" وہ بڑے یقین سے ...
انداز میں ... بھی تھا۔
"نہیں ڈرے گی۔ ارے ... کیا بات ... سے
اپنے گھر میں بھی یہ اپنے کمرے میں اکیلی سوتی تھی
کیوں بیٹا۔" ماموں جان نے بڑے پیار سے پوچھا
... دیا۔
نیلم نے فوراً ... میں ... اس کی ...
... اسی گھر ... ماموں جان ...

دونوں چوٹیاں پکڑ کر کھینچ لے۔ وہ اسی کے ڈیڈی کی انگلی پکڑے فرنچی کی مستقل شاید اس لئے

"بیٹا تم کیوں کھیل نہیں۔" وہ پوچھتی کر بولا۔ چھوٹی کی ہے۔ تم اس سے بات کرو، دوستی کرو، اس کے ساتھ کھیلو۔"

"یہ تو لڑکی ہے۔ میں لڑکیوں کے ساتھ نہیں کھیلتا، میں اس سے دوستی نہیں کروں گا۔" اس نے بڑی نخوت سے انکار کیا۔

"تو یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے، یہ تمہارے ساتھ ہی رہے گی۔ دوستی تو کرنا پڑے گی۔"

"نہیں، نہیں، نہیں۔" اس کے تیور بگڑ [illegible] اور جانے کو مڑا۔

"تیمور! بات سنو بیٹا۔"

مگر وہ باپ کی بات سنے بغیر اندر کو دوڑ گیا تھا، ساکر تھا نے۔

یاسمین جان کا ہاتھ تھامے وہ گھر کے اندر آئی تو سامنے ہی سے سارہ کا ہاتھ تھامے وہ انہیں تقریباً گھسیٹتا ہوا لا رہا تھا۔ ریم پر نظر پڑتے ہی سارہ نے ہاتھ چھڑایا اور لپک کر ریم کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"کیسی پیاری بچی ہے، بالکل گڑیا۔" سارہ نے اسے خوب پیار کیا، پلٹ کر دیکھا بھی نہیں کہ بیٹے کا کیا ری ایکشن ہے۔ وہ تو جب رضا نے اسے آواز دی تو سارہ کو پتہ چلا کہ وہ روٹھ کر اپنے کمرے میں بھاگ گیا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ تیمور جیلس ہو گیا ہے۔" انہیں احساس ہوا۔

"کیا تم نے اسے ریم کے بارے میں بتایا نہیں تھا؟"

"بتایا تھا، سمجھایا بھی تھا، اس وقت تو کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔" شوہر کو فکرمند دیکھ کر انہوں نے انہیں تسلی دی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ سمجھ جائے گا کچھ دنوں میں۔ ابھی تو بچہ ہے، میں اسے ہینڈل کر لوں گی۔" سارہ کو بیٹے کی فطرت کا اندازہ تھا۔ وہ [illegible] مطمئن نہیں [illegible] مگر رضا کو ایک پریشانی نے آگھیرا تھا۔

پھر سارہ تو ریم کو سنبھالنے میں لگ گئیں اور وہ بیٹے کو منانے میں۔ کھانے کی میز پر بھی وہ [illegible] "ممّا کے ساتھ میں بیٹھوں گا۔" [illegible] ہمیشہ ماما کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ ریم نے ڈر کر فوراً کرسی چھوڑ دی۔

"تم ادھر آجاؤ ریم!"

سارہ نے اپنی دوسری طرف کی خالی کرسی کی طرف اسے بلایا، [illegible] رضا کو بیٹھے [illegible] کوشش [illegible] تھی کہ کہیں [illegible] ریم کا [illegible] بھی نہ رہے۔ بہن کی مشکل ریم نے [illegible] تیمور کی غصیلی نظروں سے اتنی خوفزدہ ہوئی [illegible] لپک کر [illegible] جا بیٹھی۔

[illegible] بچی [illegible] آنکھیں [illegible] بہت [illegible] دھیان [illegible] سارہ کو بڑا پیار آیا۔

"[illegible] نہیں لگتا تم مجھے ممّا کہا کرو۔" سارہ نے [illegible]

"نہیں! آپ کو ممّا نہیں [illegible] آپ صرف میری ممّا ہیں۔" تیمور بری طرح بگڑا۔

"اچھا اچھا! ٹھیک ہے، تم [illegible]" بیٹے کو ٹھیک کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔ [illegible] ویسے [illegible] کے رویے سے بہت تشویش ہو گئی تھی۔ ریم [illegible] اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"بیٹا! جس طرح تم مجھے یاسمین جان کہتی ہو اسی طرح انہیں ممانی جان کہا کرو۔ آنٹیاں تو بہت ہوں گی مگر تمہاری ممانی جان بس ایک ہی ہیں۔" رضا نے ریم کو رشتہ سمجھایا۔

ریم نے ایسے سر ہلایا جیسے بات سمجھ میں آگئی ہو۔ سارہ [illegible] لیکن تیمور [illegible]

ویسے تو سارہ کو اطمینان تھا کہ تیمور جلد ہی ایڈجسٹ کر لے گا۔ [illegible] نہیں تھا۔ [illegible] کے لئے ایک ساتھی کی خواہش بھی [illegible] اب تک [illegible] اکیلا [illegible]

[illegible] گھر میں دیکھا نہیں تھا۔ وہ [illegible] اور کسی [illegible] تھا کہ ریم کی آمد کو اس کا ذہن کسی طرح قبول نہیں کر پا رہا تھا، مگر اسے یہ بھی علم تھا کہ ریم تو اب اس کے ساتھ اسی گھر میں رہنا ہے۔ ایک [illegible] نے بیک وقت اس کے ماں باپ کو اس سے [illegible] کے لئے چھین لیا ہے۔ اس سے اس کا اپنا پیارا [illegible] چھوٹ گیا ہے۔ وہ اپنی خوشی سے اس گھر میں نہیں آئی ہے بلکہ اپنی ماں کی وصیت کے احترام میں اسے اپنا گھر، شہر اور ملک چھوڑ کر آنا پڑا ہے۔

[illegible] کیلی فورنیا میں جہاں وہ پیدا ہوئی۔ اپنے [illegible] لان والے چھوٹے مگر خوبصورت سے گھر [illegible] تتلی کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ ممّا اور پاپا اسے دیکھ کر جیتے تھے۔ بڑی دعاؤں کے بعد وہ پیدا ہوئی [illegible] سالوں ممّا پاپا کو اپنا انتظار کرایا تھا۔ اس کی [illegible] دھوم دھام سے منائی جاتی تھی اور اس [illegible] اس کی سالگرہ سیلیبریٹ کر کے گھر [illegible] ایک وہ اندوہناک حادثہ ہوا تھا جس میں اس کے [illegible] تو گزر گئے تھے اور ممّا [illegible] زندگی سے [illegible] تھی۔ ریم کو [illegible] زخم آئے تھے۔

[illegible] کی خبر ملتے ہی رضا [illegible] پہنچے تھے۔ [illegible] ان کی ایک ہی بہن تھی [illegible] اس کا پورا سسرال وہیں [illegible] ریم کے [illegible] اور [illegible] ریم کو [illegible] سے رخصت کر دیا اور وہ [illegible] وقت اپنی [illegible] تھی مگر آخر وقت میں [illegible] نے بڑی حسرت [illegible] رضا [illegible]

"ریم کو اپنے ساتھ لے جانا [illegible] باپ کے بغیر اس ماحول میں [illegible] بہت چاہتے ہیں [illegible] ریم کو [illegible] معاشرے [illegible] کوئی کچھ [illegible] کسی صورت یہاں نہ چھوڑیے گا بھیا۔"

اور رضا نے بہن سے کیا عہد پورا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ریم کے دادا چچا کو منانے میں انہیں کافی تگ و دو کرنا پڑی، مگر وہ اسے اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے سب اثاثوں کی مالک ریم تھی۔ گھر، جنرل اسٹور اور چچا کے ساتھ شراکت میں چلنے والے کیفے میں بھی ریم کا حصہ تھا۔ اس کے سب اثاثوں کو ایک امانت کی طرح [illegible] میں دے دیا گیا جو ریم کے اٹھارہ سال کی ہونے تک ان کی دیکھ بھال کرتا اور نفع کا حساب بھی رکھتا۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر پورے پندرہ دن کے بعد رضا وطن واپس آئے تو بہن کی نشانی ریم ان کے ہمراہ تھی۔

ان کے آتے ہی تیمور نے جس ردعمل کا اظہار کیا وہ بے حد تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے، ہر چند کہ سارہ انہیں اطمینان دلائے جا رہی تھیں۔

"آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں رضا! کچھ عرصے کی بات ہے پھر تیمور ایڈجسٹ کرنے لگ جائے گا۔ وہ بھی تو بچہ ہے [illegible] قربت کے احساس کو آہستہ آہستہ ہی اس کا ذہن قبول کرے گا۔ آٹھ سال سے [illegible] رہا ہے۔"

"[illegible] اسے دنیا میں لا کر [illegible] اسے اور بہن بھائیوں کی بھی ضرورت ہے۔" رضا نے ہنس کر بیوی کو چھیڑا مگر وہ ناراض ہو گئیں۔

"[illegible] میری کوئی [illegible] خوشی نہیں۔ آپ جانتے ہیں مجھے بچوں کی کتنی چاہ ہے۔ [illegible] دعائیں مانگی ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں [illegible] اولاد نہیں [illegible] تو میں اس کی رضا میں راضی ہوں۔ [illegible] شکوہ نہیں [illegible] شاید اسی لئے اس نے مجھے ریم جیسی پیاری سی بچی دے دی۔"

[illegible] سارہ کے چہرے پر ممتا کی روشنی پھیل [illegible] پیار سے بیوی کو دیکھا۔

[illegible] خوشی میں [illegible] بھول جاتے تیمور کو بھی

تمہیں بہت خیال رکھنا ہے۔ ریم کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ تیمور بچہ کا دل نہ دکھے کبھی بہت بھاری ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر آپڑی ہے سارہ۔"

اور حقیقت میں سارہ کو دن میں تارے نظر آگئے تھے۔ چند ہی دنوں میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ تیمور کو ہینڈل کرنا اتنا آسان نہیں جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔ سارہ میں برداشت کا مادہ بہت تھا۔ بڑے حوصلے والی تھیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے وہ دونوں بچوں کے درمیان مفاہمت کا راستہ بنانے میں لگی ہوئی تھیں مگر تیمور کو تو ریم کے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سب پر اعتراض ہوتا تھا۔ دن میں بیسیوں بار ایسے [illegible] جملے۔

"یہ یہاں کیوں بیٹھی ہے؟"

"ادھر کیوں کھڑی ہے؟"

"اس نے میری پلیٹ کو ہاتھ کیوں لگایا؟"

"میں اسے چاکلیٹ نہیں دوں گا؟"

"پھپھو صرف میرے لیے آتی ہیں۔"

اللہ واسطے کا بیر باندھ لیا تھا اس سے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے پھرتی مگر تیمور اس سے بات ہی نہیں کرتا تھا۔ پہلی بار جب ریم نے اسے بڑے پیار سے بھیا پکارا تھا تو اس نے ریم کو بری طرح جھڑک دیا تھا۔

"میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔ خبردار جو مجھے بھیا کہا۔"

"پھر کیا کہوں؟" وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے بات کرتا ہوں کیا۔" اس نے رعونت کی انتہا کر دی۔

ریم خاموش ہو گئی۔ لیکن وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔ وہی اس کے پاس آ کر بیٹھنے کی کوشش میں رہتی تھی۔ اس سے دوستی کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کھیلنا چاہتی تھی۔ وہ سنتا یا نہ سنتا کوئی نہ کوئی بات سناتی رہتی اس کا امریکن لہجے میں اردو بولنا سارہ کو اتنا بھاتا تھا کہ وہ گھنٹوں اس سے اس کے مما پپا اور گھر کی باتیں سنا کرتیں۔ وہ انہیں اسکول کی اپنی دوستوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی [illegible] بارہا انہیں سنا چکی تھی اور سارہ کا من نہ بھرتا۔ [illegible]

پھر ایک رات کو کھانے کے بعد سب لان میں جا بیٹھے۔ رضا ان دونوں کو اپنے دائیں بائیں بٹھا کر بھائی کی بچپن کی باتیں سنا رہے تھے۔ بڑے پیار بھرے قصے سنا سنا کر ہنسایا کرتے۔ ریم بڑے شوق سے انہیں تکا کرتی۔ اس کا سارا دھیان رضا کی طرف ہوتا مگر تیمور کی ہر ہر ادا سے بیزاری جھلکتی۔ باپ کا [illegible] وہ لاڈلا تھا مگر ان سے ذرا بھی بے تکلف نہیں تھا اس لیے ان کی اتنی ہمت تو نہیں ہوتی تھی [illegible] ٹوک سکے [illegible] اعتبار میں تھا [illegible] وہ اپنے اپنے طریقے سے تیمور کو [illegible] مصروف تھے۔ ریم اب اس گھر کی [illegible] زندگی کا لازمی اور اہم حصہ [illegible] بڑے نارمل انداز میں گھر کی ہو گئی۔ سارہ سے [illegible] کیا۔ رضا کے سر سے بھی بوجھ اترا کہ ریم کے [illegible] میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس کا اب گھر میں کوئی [illegible] نہیں کرتا۔

رضا نے ریم کو تیمور کے ساتھ [illegible] اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ اسکول میں اپنے [illegible] پوچھنے پر اس نے جواب دیا تھا۔

"ڈیڈی کی رشتہ دار ہے۔ میرے گھر میں رہتی ہے۔"

جبکہ ریم اپنی دوستوں سے اسے اپنا بھائی بتاتی تھی۔ جس دن تیمور کو پتہ چلا وہ سارے راستے اس سے لڑتا آیا تھا۔

"مجھے بھائی کیوں کہا تم نے؟"

"تم میرے بھائی نہیں ہو کیا؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں! میں تمہارا کزن ہوں بس۔" وہ چیخ کر بولا۔

اور وہ اور کے سارے [illegible] بھی نہیں سکی کہ کزن [illegible] بھائی [illegible]

گھر میں سارہ اس سے تیمور کو بھائی کہلوانے کی کوشش کرتیں۔ بھائی کو بلاؤ، بھائی کو یہ دے آؤ، بھائی کے ساتھ کھیلو مگر [illegible] بھائی تھا وہ اپنے آپ کو اس کا بھائی سمجھنے پر تیار ہی نہیں تھا۔

دادا جان اور پھوپھو نے امریکہ سے کسی کے ہاتھ اسے بہت سارے چاکلیٹ، کپڑے اور گڑیا بھیجی تھیں۔ ساتھ ہی تیمور کے لیے ویڈیو گیمز بھی تھے۔ وہ بڑی چاہ سے اسے دینے اس کے پاس آئی۔

"میرے پاس پہلے ہی بہت ہیں، یہ تم ہی رکھو۔" اس نے نخوت سے ناک سکیڑی۔

"مگر یہ تو ابو جان نے تمہارے لیے بھیجے ہیں۔" وہ آہستہ سے منمنائی۔

"تمہارے رکھوانے بھیجے ہیں نا تم ہی رکھو لے جاؤ۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

تو وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ ویڈیو گیمز اس نے سنبھال کر رکھ دیے۔

"[illegible] بھائی کو دے سکے گا۔"

"تم کو [illegible] وہ ہر [illegible] اسی کوشش میں رہتی تھی کہ دونوں [illegible] ہو جائیں۔"

"میں نے خود دیے تھے [illegible] کوئی گلہ نہیں کرتے۔"

وہ سارہ سے جھوٹ نہیں بول [illegible]

سارہ نے اسی وقت تیمور کو بلا کر [illegible] اس نے ریم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور [illegible] گیمز اٹھا کر اپنے کمرے میں لے [illegible] الماری میں رکھ دیے [illegible] پھر ایک [illegible] سامنے ہی اس نے ایک دوست کو [illegible] دے دیے [illegible] تھیں۔

پھر اگلی [illegible] امریکہ سے [illegible] آئے اور تیمور کا تحفہ بھی ساتھ [illegible] کے کمرے میں چپکے سے رکھ آتی اور [illegible] ہو جاتا۔

وقت گزرتا گیا اب وہ عمر کے اس حصے میں تھی اب بہت سی باتیں خود بخود سمجھ میں آنے لگی تھیں۔ تیمور کا [illegible] بیزار رویہ اسے [illegible] پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ اس سے بہت کم مخاطب ہوتی تھی۔ وہ اتنا لمبا چوڑا نکلا تھا۔ اپنی عمر سے کہیں بڑا لگتا تھا۔ ریم تو اس کے سامنے پڑنے سے بھی کتراتی تھی۔ اسے بلانے میں تو بہت ہی جھجک محسوس کرتی۔ نام لینا تو بڑا عجیب لگتا تھا جب بہت ہی ناگزیر ہو جاتا تو تیمور بھائی کہہ کر بلا لیتی اور اب وہ اس پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

تیمور نے سینئر کیمبرج کر لیا تو ان کا روز کا اسکول ساتھ جانا ختم ہو گیا۔ وہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں چلا گیا تھا۔ رضا نے اسے گاڑی لے کر دی تھی۔ اب وہ اکیلا ہی آتا جاتا تھا۔ ریم کا دونوں وقت کا یہ ساتھ بھی چھوٹ گیا تھا۔ اب تو ایسا بھی ہوتا کہ کسی کسی دن وہ اس کی صورت بھی نہ دیکھ پاتی۔ وہ گھر میں کم ہی نظر آتا اور جو کسی دن شام کو گھر سے نکلنے میں دیر ہو جاتی تو دوستوں کے فون کی لائن لگ جاتی۔ پھر رات گئے گھر میں گھسنا اس کا معمول بن گیا۔

ایک دن ناشتے کی میز پر سارہ اسے رات دیر سے آنے پر ڈانٹ رہی تھیں۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ جب تک تم گھر نہیں آجاتے تمہارے ڈیڈی جاگتے رہتے ہیں۔"

"کیوں جاگتے رہتے ہیں؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "آپ انہیں لوریاں سنا دیا کریں۔"

"بدتمیزی نہیں کرو۔" سارہ ہنسنے کے باوجود ہنس پڑیں۔ "جلدی گھر آیا کرو۔ کہاں رات کو اتنی دیر رہتے ہو تم؟ کچھ وقت ماں باپ کو بھی دیا کرو۔ ہم تم سے بات کرنے کو ترس جاتے ہیں۔ ہر وقت [illegible] گھومنے پھرنے [illegible] ابھی گھر میں جی نہیں لگتا۔ پھر [illegible] میں تنہا اکیلی ہو جاتی ہوں۔"

"ہاں [illegible] آپ کی [illegible] کس مرض کی دوا ہے۔ آپ کی تنہائی دور نہیں کر سکتی؟" اس نے ایک تیز نظر ناشتہ کرتی ریم پر ڈالی۔ ریم کے ہاتھ چائے کا کپ لبوں تک اٹھاتے رک گئے مگر اس نے نظر نہیں اٹھائی۔ [illegible] اس کی طرف دیکھا۔

[illegible] ہے اور اپنی بساط سے بڑھ کر میرا

خیال رکھتی ہے۔ تم میرے بیٹے ہو۔ تمہاری بات اور سب۔ دل چاہتا ہے تمہارے ساتھ بھی سب کچھ شیئر کروں۔ آج چھٹی کا دن ہے۔ تم سارا وقت میرے پاس بیٹھو گے۔ کہیں جانے کا نام نہ لینا سمجھے۔" انہوں نے بیٹے کا ہاتھ کھینچا۔

"اف! سارا وقت بیٹھ سکتا ہوں ماما۔ میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں جو آپ کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہوں۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"ہاں! میرے لیے تم بچے ہی ہو۔"

"ممی! آج تو میرا دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام ہے شہر سے باہر۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"گھر سے باہر اتنی دلچسپیاں کیوں ڈھونڈتے ہو بیٹے۔" سارہ کو غصہ آگیا۔

"گھر میں کون سی دلچسپیاں ہیں میرے لیے۔" وہ اکھڑپن سے بولا۔

"گھر میں تمہارے ماں باپ ہیں۔ ان سے بڑا دلچسپی اور کیا ہو گی۔ بس میں کہہ رہی ہوں آج تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" سارہ نے ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن انداز میں کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"جاؤں گا تو ضرور! آپ بضد ہیں تو جلدی آجاؤں گا۔" وہ کرسی پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپنے ڈیڈی سے مل کر جانا۔ انہیں کچھ بات کرنی ہے تم سے۔" سارہ جانتی تھیں ان کے روکنے سے وہ رکنے والا نہیں تھا۔

"کہاں ہیں ڈیڈ؟ اپنے کمرے میں۔" وہ جاتے جاتے پلٹا۔

"نہیں! آفس گئے ہیں۔ آجائیں گے ابھی تھوڑی دیر میں۔"

"لو بھلا! تب تک تو میں جا بھی چکا ہوں گا۔ مجھے جانا بھی تو ہے۔" وہ اٹھ گیا۔

"ارے ذرا دیر انتظار نہیں کر سکتے اور تمہیں کون سی بزنس میٹنگ میں وقت پر پہنچنا ہے۔ دیکھو! میں نے کہہ دیا ہے۔ ڈیڈی سے ملے بغیر نہیں جانا' وہ ناراض ہوں گے۔"

"ان کو تو عادت ہے ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہونے کی۔" وہ پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"جتنا کہہ رہا تھا..." سارہ کچھ نہیں سمجھ سکی۔ فوراً مریم سے پوچھا تو وہ وضاحت کر گئی۔

"میں نے سنا نہیں بھابی جان۔"

"دیکھو ذرا اس کے طور طریقے! بچے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا۔" انہوں نے ناراضی سے کہا تو وہ بولتی۔ خاموشی سے ان کی بڑبڑاہٹ سنتی رہی۔

ماما کے ٹوکنے پر وہ [illegible] جلدی گھر آیا اور وہی دو گھنٹے بن گئے۔ رات [illegible] سے آیا تو سارہ ہی اس کے انتظار میں جاگی تھیں۔ [illegible] وہ چاول ساتھ لے جاتا خود ہی دروازہ کھولا [illegible] آیا تھا۔ نام طور پر سارہ اس کو چاول لے جانے [illegible] کا خیال کر کے جلدی آجائے [illegible] مریم [illegible] دروازہ کھولا تھا۔

"انتظار کیوں [illegible] ابھی تک۔" پتہ نہیں کیسے وہ خود ہی پوچھ بیٹھا۔ [illegible] مریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔ [illegible] ناراض کیوں ہو رہا تھا۔

"میں پڑھ رہی تھی۔ کل میرا پیپر ہے۔"

وہ [illegible] سے گزر کر اندر لاؤنج میں آگیا۔ [illegible] کتابیں پڑی تھیں۔ وہ وہیں فلور کشن پر [illegible] پڑھ رہی تھی شاید۔

"اپنے کمرے میں کیوں نہیں پڑھتیں؟" چند دنوں بعد وہ اس کی کلاس لینے کے موڈ میں تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے اسے مریم کے اٹھنے بیٹھنے پر اعتراض ہوتا تھا۔

"میرے کمرے کا فیوز گیا ہوا ہے۔ آج لائٹ نہیں ہے وہاں۔"

وہ دوبارہ کشن پر بیٹھ گئی۔ کتاب اٹھائی۔ تیمور کو سخت بھوک لگی تھی۔ اسے پڑھنے سے [illegible] مطلب نہیں لگ رہا تھا مگر خود بھی کچھ کرنے کی عادت تو تھی نہیں۔ [illegible] ذرا دیر ٹھہر کر پوچھا۔

"کھانا کس نے بنایا؟"

"بھی اٹھی نہیں ہوتی۔" وہ کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔

وہ تھوڑی دیر اس انتظار میں رہا کہ وہ خود کھانے کو پوچھے گی مگر مریم کو الہام تو ہوا نہیں تھا کہ وہ بھوکا ہے۔ وہ اسی بے نیازی سے کتاب پر جھکی رہی تو وہ چڑ کر بولا۔

"کھانے کو کچھ ملے گا؟"

"ارے! آپ نے کھانا نہیں کھایا اب تک؟" مریم نے فوراً کتاب بند کی۔ "پہلے کیوں نہ بتایا۔ میں ابھی گرم کر کے لاتی ہوں۔" وہ جلدی سے اٹھی۔ تیمور اس کے ساتھ ہی کچن میں آگیا۔

"کھانے میں کیا ہے؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"بیف قیمے کے کباب ہیں۔ بھنڈی چکن اور چکن کا [illegible] آپ چاول کے ساتھ کھائیں گے یا روٹی [illegible]"

"[illegible] چاول ٹھیک ہے۔" [illegible] "جلدی کرو۔" مریم نے [illegible] فریج سے سلاد اور [illegible] پانی نکال کر [illegible]

"چائے بنا لوں آپ کے لیے؟"

"نہیں۔" اس نے فوراً [illegible]

"تکلف نہ کریں۔ میں اپنے لیے بنا رہی [illegible]"

[illegible]

"[illegible] کھانے کی جگہ [illegible] کا سوال [illegible] مریم نے [illegible] سوچا۔ اپنے لیے چائے بنانے کا ارادہ [illegible] کر کے وہ واپس لاؤنج میں آئی۔ کتاب اٹھائی مگر [illegible] پڑھنے کا موڈ نہیں بنا۔

ذرا دیر بعد وہ کچن سے باہر گیا۔ مریم کی طرف دیکھے بغیر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ اٹھ کر کچن میں آئی۔ اپنے لیے چائے بنائی۔ میز سے برتن سمیٹے۔ کپ لے کر واپس لاؤنج میں آ کر پڑھنے کا کسی طرح موڈ نہیں بن پا رہا تھا۔ چائے کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔

کل اس کا آخری پیپر تھا۔ پھر وہ اس لیول سے فارغ ہو جائے گی۔ اب اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ ایک پروفیشن اپنانا تھا اور اپنے گھر جانا تھا۔ ساری زندگی تو اس گھر میں نہیں گزارنی تھی۔ اس کا تو اپنا گھر موجود تھا۔ ابھی جس طرح تیمور نے اس کی حیثیت اس گھر میں جتائی تھی وہ بہت حیرت ہونے کی بجائے سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اب وہ چھوٹی سی آٹھ سالہ معصوم بچی نہیں رہی تھی جو اس گھر میں آئی تھی۔ ہر وقت تیمور کی جھڑکیاں سن سن کر بھی اس کی دوستی کی خواہاں رہتی تھی۔ دس سال اس کے ساتھ اس گھر میں گزارنے کے بعد اب اس بات پر یقین کرنے لگی تھی کہ اس کی بے زاری' اس کی سرد مہری اب نفرت میں بدل چکی ہے۔ اس گھر میں مریم کا وجود اسے کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

مریم کو کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ کسی کی محتاج نہیں تھی۔ ماں باپ اس کے لیے گھر' جما جمایا بزنس' بینک بیلنس بہت کچھ چھوڑ کر گئے تھے۔ اس کے دادا اور چچا نے پوری ایمانداری سے اس کے حصے کی ایک ایک پائی کا حساب رکھا تھا۔ اپنی پیدائش سے ہی امریکہ کی شہریت رکھتی تھی۔ اپنی تعلیم کے اگلے مراحل بآسانی امریکہ میں وہ کرنے کا سوچ رکھتی تھی۔ آج سے پہلے بھی کئی دفعہ اسے اس کا خیال آیا تھا مگر ماموں جان سے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی مگر آج جانے کیوں [illegible] پر بڑی چوٹ پڑی تھی۔ دل میں اٹل ارادہ کر کے [illegible] کہ وہ اب رضا کو راضی کر کے چھوڑے گی۔

[illegible] پیپر دے کر گھر واپس آئی۔ سارہ نے آتے ہی کھانا لگوا دیا تھا۔ وہ فریش ہو کر



20%
Prickly
Heat



Prickly Heat
English
Prickly Heat

بیمار ہوا تھا۔

ایک ہفتے وہ بیمار رہا۔ اسے سخت قسم کا فلو ہوا تھا۔ سارہ اس کی تیمار داری میں لگی تھیں۔ ریم نے اس کے کمرے میں جھانکا بھی نہیں۔ ایک ہفتے بعد کھانے کی میز پر ان کا سامنا ہوا۔ تب ریم نے اسے دیکھا وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ سرخ و سفید رنگت میں پیلاہٹ واضح ہو رہی تھی۔ ریم نے بے ساختہ منہ کھولا اس کا حال پوچھنے کے لیے مگر [illegible] لب بھینچ لیے۔ اتنی لمبی بیماری جھیل کر وہ بالکل [illegible] ہو گیا ہو گا۔ پتہ نہیں اسے کس طرح لڑ کیا۔ بولے یا نہ بولے ویسے بھی اب وہ چاہتی تھی کہ اب جتنے دن اس گھر میں گزارنے ہیں تیمور سے کسی ٹکراؤ کے بغیر سکون سے گزر جائیں۔ اس کی بیماری کے دوران ایک موقع ملتے ہی وہ ماموں جان سے بات کر چکی تھی۔ اس کے ارادے جان کر وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ ریم بڑی آس بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ شفقت سے مسکرا دیے۔

"تم امریکہ میں پڑھنا چاہتی ہو۔ کوئی حرج نہیں ہے مگر میرا خیال تھا کہ تم گریجویشن کر لیتیں تو ماسٹرز کے لیے چلی جاتیں۔" وہ سر جھکا کر خاموش ہو گئی اور اس کی یہی ادا رضا کو اس کی بات ماننے پر مجبور کر گئی۔ وہ ہر معاملے میں بہت Co-operative تھی۔ کوئی تکرار، کوئی ضد، انکار کچھ نہیں ہوتا تھا اس کی طرف سے۔

"ویسے اس طرح تمہیں کچھ عرصے کے لیے کبھی نہ کبھی تو جانا ہے۔ کل آنا جی سے میری فون پر بات ہوئی تھی تمہاری پراپرٹی اور بزنس کے سلسلے میں۔ اگلے سال تم ماشاء اللہ اٹھارہ سال کی ہو جاؤ گی۔ اب تمہاری ساری جائیداد تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ اس کے لیے تمہیں وہاں جا کر اپنے انکل سے ملنا ہے۔ اب تمہیں اپنے معاملات خود طے کرنے ہوں گے۔ یہ طے کرنا ہو گا کہ آگے تمہارے کیا ارادے ہیں۔ تمام سب کچھ اسی طرح رکھنا چاہتی ہو یا وہاں سب کچھ ڈسپوز آف کر کے یہاں انویسٹ کرنا چاہو گی کیونکہ میں تو چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو۔ آگے تمہاری مرضی۔"

"نہیں وہاں کچھ عرصہ رہ کر ہی decision لے سکتی ہوں۔" وہ سوچ کر بولی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم کچھ عرصہ اپنے ددھیال والوں کے ساتھ گزارو۔ وہاں کا ماحول دیکھو۔ پڑھنا ہو تو اتنے عرصے کے لیے رک بھی سکتی ہو مگر واپس تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ تمہاری ممی نے تمہیں میرے حوالے کیا تھا۔ میں نے ان سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ میں ہر صورت نبھاؤں گا۔ تمہاری سرپرستی سے بھی ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔ چاہے تم یہاں رہو یا نہیں اور۔" انہوں نے [illegible] کہا تو وہ بھرپور طمانیت سے مسکرا دی۔

"[illegible] تک جاؤ، رکو گے؟"

"[illegible] میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔ سارے معاملات طے ہونے تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ [illegible] یہاں بہت مصروف ہوں۔ اس کے بعد [illegible] تم تیاری کر لو اور آنا جی کو فون کر لینا۔ ہم ان سے [illegible] جا کر۔"

ریم نے اسی دن دادا جان کو فون کیا تھا [illegible] کہ وہ [illegible] میں رہنا چاہتی ہے۔ وہاں پڑھنا چاہتی ہے۔ [illegible] لیے انہیں اب ریم کے ساتھ اس کے گھر میں رہنا ہو گا۔ وہ بہت خوش ہوئے تھے اور راضی ہو گئے تھے۔

ریم کا مسئلہ از خود حل ہو رہا تھا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن تھی اور جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

تیمور پوری طرح ریکور ہوا تو سارہ [illegible] کی لپیٹ میں آ گئیں۔ ان کی دیکھ بھال ریم کے ذمے تھی۔ تیمور [illegible] شب و روز [illegible] تھے۔ بیماری کے دوران بننے والے [illegible] میں [illegible] کیا تھا۔

اس دن صبح سے مطلع ابر آلود تھا۔ شام ہوتے ہی بارش شروع ہو چکی تھی اور تیمور کے متعلق [illegible] گاڑی لے کر گیا تھا۔ اب بارش میں تیزی آ گئی تھی۔

"ریم! تم نے دوا نہیں لی۔ [illegible] موسم کتنا خراب ہو رہا ہے۔" رضا پریشانی سے ٹہل رہے تھے۔

"مجھے پتا نہیں وہ کب نکل گئے۔ میں ممی کے [illegible] تھی۔" ریم ان کے لیے چائے بنا کر لائی تھی اور انہیں اتنا پریشان دیکھ کر خود بھی فکر مند ہو گئی تھی۔

"کب آئے گا۔ کب گیا ہے کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ بہت لاپرواہ ہے۔ لڑکا خود اپنی طرف سے بھی [illegible] ابھی بیماری سے اٹھا ہے۔ ذرا خیال نہیں کرتا اپنا۔ اب اس طوفانی بارش میں جانے کہاں پھر رہا ہو گا۔" اب انہیں پریشانی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔

"ماموں جان! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ [illegible] کے تھوڑی دیر میں۔" وہ انہیں تسلی دینے لگی۔

"کیسے پریشان نہ ہوں۔ رات کے گیارہ بج رہے ہیں اب تک اس کا پتہ نہیں۔ موبائل بھی ساتھ لے کر نہیں گیا۔ جانتا ہے گھر سے فوراً [illegible] ہو جاتی ہے۔ [illegible] کہاں ہو۔ کیا کر رہے ہو۔ فوراً گھر آؤ۔" [illegible]

"اچھا! آپ [illegible] آرام کیجیے۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ ممانی جان بھی [illegible] ان کا بخار ابھی اترا نہیں ہے۔ میں نے اس وقت کی دوا کھلا دی ہے۔ آپ انہیں ڈسٹرب مت کیجیے گا اور تیمور بھائی آ جائیں تو میں ان سے بات کروں گی۔ اب آپ اٹھیے۔" وہ پیار سے ان کا بازو تھام کر بولی۔

"مجھے انتظار [illegible] رات بھی آئے، آج میں بات کروں گا۔" [illegible] آ گئے تھے۔

"[illegible] اب چلیے۔" وہ انہیں ان کے کمرے [illegible] چھوڑ آئی۔

بارش کے ساتھ ساتھ سردی بھی بڑھ رہی تھی۔ ریم [illegible] کھول کر دروازے میں [illegible] جھانکا۔ وہاں [illegible] تیز ہوا [illegible] اور بارش کا [illegible] تھا۔ سردی کی لہر [illegible] اس کے ساتھ [illegible] اندر آ گئی۔ "[illegible] ہی تو پریشان [illegible] بہت تیز بارش ہے اور [illegible] سردی بھی۔" اسے بھی تیمور کی لاپروائی پر غصہ آ گیا۔ کچھ سوچ کر اس کے کمرے میں گئی۔ ہیٹر آن کیا اور لاؤنج میں آ کر اس کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ بارہ بجے کے قریب مین گیٹ پر گاڑی کی ہیڈلائٹس دیکھ کر وہ باہر دروازے میں آ گئی۔ شاید تیمور آ گیا ہے۔ اسے خیال ہوا مگر گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی بھی نہیں آیا۔ وہ سوچ کر پریشان سی وہیں کھڑی رہی۔ جب ہی [illegible] بیل بجی پھر گیٹ بہت زور سے کھٹکھٹایا گیا۔ چوکیدار بھاگ کر گیا۔ دروازہ کھلا۔ تیمور اندر آ رہا تھا۔ ریم نے سکون کی سانس لی۔ دروازے میں ہی کھڑی اسے آتا دیکھتی رہی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم اتنی سردی میں باہر کیا کر رہی ہو؟"

"آپ کا انتظار۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ پھر اس کی حالت دیکھ کر دھک سی ہو گئی۔ وہ سر سے پیر تک پانی میں شرابور تھا۔

"یہ آپ کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ گاڑی کہاں ہے؟"

"سڑکوں پر بہت پانی ہے۔ گاڑی راستے میں بند ہو گئی۔ ایک سگنل سے پیدل چل کر آ رہا ہوں۔" وہ کہتے کہتے تیزی سے اندر گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔

اپنے کمرے کے باہر تیمور نے اپنے پانی سے لبالب جوتے اتارے۔ کپڑوں سے اب تک پانی ٹپک رہا تھا۔ کمرے کے اندر آیا تو بڑی خوشگوار سی حدت محسوس کر کے ٹھٹکا۔ کمرہ خوب گرم تھا۔ اسے بڑا سکون محسوس ہوا۔ ریم اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اب اس کی وارڈروب سے اس کے کپڑے نکال رہی تھی۔

"جلدی سے چینج کریں۔" وہ سلیپنگ سوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

وہ فوراً باتھ روم میں گھسا۔ [illegible] سے شلوار [illegible] میں باہر آیا تو ریم [illegible] پینے کے [illegible] میں [illegible] رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو

آپس میں رگڑتا ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو سامنے ہی عین بیچ کمرے میں ریم ہاتھ میں بھاپ اڑاتی کافی کا مگ تھامے کھڑی تھی۔

"یہ لیجیے۔" اس نے کافی کا مگ تیمور کی طرف بڑھایا۔ وہ اپنے بیڈ کی طرف بڑھا۔ تکیے سرہانے پر لگائے۔ بیڈ میں گھس کر بلینکٹ سینے تک کھینچا اور سرہانے سے سر ٹیک لیا۔

"دو نا۔" اس نے مگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ریم نے آگے بڑھ کر مگ اسے تھمایا۔ تیمور کے دونوں ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ چھلک کر وائٹ بلینکٹ کو داغدار کرتی ریم نے جھک کر دونوں ہاتھوں میں مگ سمیت اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"جلدی جلدی سپ لیجیے۔ بدن میں گرمی آئے گی۔" وہ اب آگے کو جھک آئی تھی۔ تیمور کی نظریں اس کے ہاتھوں پر جم کر رہ گئی تھیں۔ لمبی لمبی سفید مخروطی انگلیاں نفاست سے تراشے ہوئے گلابی گلابی ناخن، بالکل سادہ کوئی سنگھار نہیں کوئی زیور نہیں، پھر بھی کس قدر خوبصورت تھے اس کے ہاتھ، ملائم، صندلی، حدت، جھکنے سے اس کے لمبے سیاہ بال ڈھلک کر اس کے ہاتھوں پر آگئے تھے۔ ہاتھوں سے ہوتی ہوئی نظریں بالوں میں اٹک کر رہ گئیں۔ زندگی میں پہلی بار کوئی لڑکی اس کے اتنے قریب آئی تھی۔ لڑکیوں سے وہ ویسے ہی بھاگتا تھا۔ یہ بے نیازی اس کی فطرت میں تھی۔ دوست بھی اسے چھیڑتے چھیڑتے ہار گئے تھے انکل کہہ کر۔ "پارسا" لڑکیوں میں نام کو بھی دلچسپی نہ لیتے اور اس نے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آج تک ریم کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا اور آج اچانک ہی وہ اس کے اتنے قریب آگئی تھی۔ دلفریب سی مہک اس کے بالوں سے اٹھ رہی تھی۔ تیمور کو وہ خوشبو حواسوں پر چھاتی محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سا احساس بدن میں جاگا۔ اسے بڑا اچھا لگا، پرکیف۔

"بس! ٹھیک ہے۔" وہ اپنی کیفیت سے خود ہی گھبرا گیا۔ جلدی جلدی دو تین گھونٹ بھرے۔ کپ ہاتھ سے لے کر ریم سیدھی ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا بات ہوئی آپ سے؟ ڈانٹنے کا..."

"ہوں! اوکے۔" تیمور نے سب لے کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی۔

"آپ رات کو اتنی دیر سے گھر سے باہر نہ نکلا کریں۔ ماسی جان اور ممی جان بہت پریشان ہو رہی تھیں آپ کے لیے اور اب میرے جانے کے بعد دونوں بیٹے ہی تنہا ہو جائیں گے۔"

"اور تم کہاں جا رہی ہو؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"کیلی فورنیا، ولوا جان کے پاس۔" ریم نے نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ اس نے لبوں پر سجائی۔

"ہمیشہ کے لیے؟" وہ آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

"شاید ہاں۔" وہ رک کر بولی۔

"مگر کیوں جا رہی ہو تم؟ میرا مطلب ہے مما اور ڈیڈی کیسے رہیں گے تمہارے بغیر۔"

"ان کے پاس آپ ہیں نا۔ مجھے تو جانا ہی تھا۔ اس لیے تو کہہ رہی ہوں آپ زیادہ سے زیادہ وقت گھر پر دیا کریں۔" وہ جانے کے لیے مڑی اور دروازے تک پہنچ کر رک گئی۔

"سوری! آپ کے منع کرنے کے باوجود آپ کے کمرے میں آگئی تھی۔" پھر اس کا جواب سنے بغیر جلدی سے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ تیمور کی نظریں بس اس کی پشت پر لہراتے سیاہ ریشمی بالوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تھکی تھکی سی ہم سے بیٹھا رہا۔

"وہ جا رہی ہے ہمیشہ کے لیے مگر کیوں؟"

کافی ختم ہو گئی تھی۔ مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے اپنا ایک ہاتھ اب بھی ریم کے ہاتھ میں محسوس ہوا۔

اس کے ہاتھوں کو تھامے ہوئے تھے۔ ہاتھوں کی حدت ہی وہ بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی مگر نیند تو جیسے اس سے روٹھ گئی تھی۔ ناراض تھی اس سے۔

صبح اسے رضا سے زبردست ڈانٹ پڑی۔ وہ سر جھکائے ان کی لعن طعن سنتا رہا۔ دل ویسے ہی بجھا بجھا سا ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اپنی کیفیت خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ "آپ کیا کر رہے تھے؟" کچھ سن رہا تھا تو کچھ سر سے گزر رہا تھا۔ اس کو جی بھر کر ڈانٹنے کے بعد انہوں نے ریم کی خبر لے ڈالی۔

"تم نے مجھے رات کو کیوں نہیں اٹھایا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اسے ڈھونڈنے بھی نہیں جا سکتا۔"

"میں نے آپ کو اٹھانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ انکل! آپ بہت exhausted تھے ان کی گاڑی خراب ہو گئی تھی اتنی تیز بارش میں "آتی دور سے وہ پیدل آ رہے تھے ان کا آرام کرنا بہت ضروری تھا۔" ریم کی بات سن کر رضا کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ تیمور کے قریب آئے۔ اس کا ماتھا چھوا۔ بخار نہیں تھا مگر ان کو اطمینان نہیں ہوا۔

"ناشتہ کر لو تو میرے ساتھ ہاسپٹل چلو۔ تمہارا چیک اپ کرا دوں گا۔"

"ٹھیک ہوں ڈیڈ۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"بیٹا! اپنی طرف سے کیا کرو اچھی طرف سے تمہاری ہی ہماری فلائٹ کنفرم ہونے میں دو چار دن ہیں۔ مجھے ریم کے ساتھ امریکہ جانا ہے۔ وہاں کچھ عرصہ لگے گا ان کے معاملات سلجھانے میں۔ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔ اپنا خیال رکھو۔ تمہیں ہم لوگوں کو سنبھالنا ہے۔" بڑی نرمی سے سمجھا رہے تھے وہ ان کی

بات سن تو رہا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ذہن کہیں اور تھا۔ وہ واقعی جا رہی ہے شاید ہمیشہ کے لیے۔

شام کو وہ جلدی گھر آگیا تھا۔ سورج غروب ہونے جا رہا تھا۔ اندر آتے ہوئے اس کی نظر ریم پر پڑی جو ڈرائنگ روم کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ارد گرد سے بے خبر ڈوبتی کرنوں کی خوبصورتیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر رکا مگر پھر بھی ریم کی محویت نہیں ٹوٹی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اسی طرح بات کرنے کا عادی تھا شاید۔

ریم نے چونک کر سر اٹھایا۔ اسے دیکھا پھر اٹھنے کو تھی کہ وہ اس کے قریب ایک سیڑھی چھوڑ کر نیچے بیٹھ گیا۔ ریم کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ تو یہ سمجھ کر اٹھ رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اس کے اٹھنے بیٹھنے پر اعتراض ہے اس کو۔

شاید زندگی میں پہلی دفعہ وہ خود اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے اتنا قریب بیٹھا تھا۔ اس نے تیمور کے چہرے پر وہ سنجیدگی ڈھونڈنا چاہی جو اس سے بات کرتے وقت خاص طور پر تیمور کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی مگر آج نرم نرم سے تاثر نے اس کے چہرے کے خدوخال کو اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنیں اس کے چہرے کو مزید نکھار بخش رہی تھیں۔ اس کے ڈارک براؤن بال ہوا کے جھونکوں سے ماتھے پر بکھر آئے تھے۔ ریم نے نظریں چرا لیں۔

"کب جا رہی ہو تم؟" وہ ریم سے پوچھ رہا تھا مگر نظریں لان میں بھٹک رہی تھیں۔

"سنڈے کو رات کی فلائٹ ہے۔"

"جا تو رہی ہو مگر واپس کب آؤ گی؟ یہ بھی تمہارا گھر ہے۔" بڑی سنجیدگی سے بولا تھا۔ ریم نے حیرت سے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ یہ تیمور تھا۔ اس نے تو کہا تھا اسے ساری عمر کا دھوکا۔

"میرا گھر نہیں ہے۔" جانے کیسے ریم کے منہ سے نکل گیا۔

"تمہیں اب تک یقین نہیں آیا؟" وہ تڑپ کر اس

کی طرف مڑا۔ ریم کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہمیں اپنا عادی بنا کر جانے کی ٹھان لی۔ بڑی آئیں کہنے والی کیسے رہیں گی ماما تمہارے بغیر۔" ریم نے گہری سانس لی۔ تو یہ بات ہے 'ماں کی فکر پڑ گئی ہے ابھی سے۔

"مجھے پتا ہے بہت پیار کرتی ہیں وہ مجھے 'ماما کے بعد ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی انہوں نے کبھی مگر اس حقیقت سے تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ میرے لیے ایک پناہ گاہ تھا یہ گھر' اصل گھر تو میرا آپ کا گھر ہے۔"

"یہ کیا تم کھری کھری رٹ لگا رکھی ہے تم نے 'آپ مت کہنا' یہ گھر جتنا میرا ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے۔" وہ بے حد خفا ہوا۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔" وہ طبیعت کی صلح جو تھی 'بحث نہیں کر سکی۔ "ٹھیک ہے' آئندہ نہیں کہوں گی۔"

"اور اپنے پیپر ختم کر کے جلد واپس آؤ گی' ڈیڈ کے ساتھ ہی۔" وہی تحکم بھرا انداز تھا۔

"آجاؤں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تیاری ہو گئی جانے کی۔" آئی مین ماما تو بیمار ہیں' تمہیں شاپنگ وغیرہ کرنی ہو گی 'کیسے جاؤ گی۔" اچانک ہی بات اس کا دھیان 'ریم تو جب ہوش اڑنے لگی۔

"ہاں' کچھ شاپنگ تو رہتی ہے مگر جانے کا وقت نہیں ملتا۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"کل میں ماما کے پاس رہوں گی 'تم ذرا تیمور کے ساتھ چلی جانا۔" وہ اٹھا اور ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ ریم تو بس اس کے اٹھتے قدم تکتی رہ گئی۔

اگلے چار دن بہت مصروف گزرے تھے۔ سائرہ اب بالکل ٹھیک ہو چکی تھیں' بس کچھ کمزوری باقی تھی۔ تیمور شام کو گھر بھی آ رہا تھا آنے دنوں' یہ اور بات تھی کہ سارا وقت اس کے دوستوں کی تلاش لگی رہتی اور وہ فون سے چپکا بیٹھا رہتا۔ ادھر ایک سے بات ختم کی ادھر دوسرے کا فون آ گیا۔

"تمہارے بغیر چمن نہیں پڑا ہم لوگوں کے سارے بے زار ہو جائیں گے۔" یہ جملہ گھر میں گھومتا رہتا تھا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ' دنیا سے کٹ کر ہو جاؤں۔" وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولا۔

"بھئی یہ تو میں نہیں کہتی مگر جتنا اعتدال اچھا ہوتا ہے۔ میں تو پھر کسی اولاد کی دوری برداشت کر لوں گی تمہاری یہ بے اعتنائی۔"

"ہمیں تو آپ ٹرینڈ بیچتے کہ برداشت کرنا سکھ جانے کی۔" وہ ہنس کر اٹھ کر جا بیٹھا 'انہوں نے پیار بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔

"بھئی تو ہے ہی سارا گھر۔" وہ زیر لب مسکرا کر اسے آنکھوں میں بھر لیا۔ "ٹرینڈ ہو چکی ہے۔"

رات کی فلائٹ سے ریم جا رہی تھی اور سائرہ صبح سے ہی اداس تھیں۔

"اماں جان' آپ اس طرح اداس ہوں گی تو میں نہیں جاؤں گی۔" اس نے پاس بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"تمہارا جانا بہت ضروری ہے بیٹا' میرا کیا ہے' کسی نہ کسی طرح وقت کٹ لوں گی۔ پھر وہ دونوں بھی میری بیٹیاں ہیں۔" ان کی بھرائی ہوئی آواز میں چھلک رہی تھی۔

ریم نے سر جھکا لیا۔ سائرہ کو اب تک اس بات کی خبر نہیں تھی کہ وہ پڑھنے کے لیے لندن سے جا رہی ہے ایک عجیب سے سنگ ہے۔

"آپ بھی ساتھ کیوں نہیں چلی جاتیں ممانی۔" تیمور نے چائے کا کپ لے کر واپس رکھتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دل کی کھوج تو سدا تھے ساتھ چلنے کو مگر میں نے سوچا جانے کتنا وقت لگ جائے وہاں اکیلے رشتے نبھانے ہیں۔"

"آپ کے بغیر رہنے کی کوشش کروں گا تو مانیں گے۔"

"میرا ہی تو گھر سے' اتنا دور رہا۔" سائرہ نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

کیونکہ وہ جب گھر میں ہوتا اور زرا دیر سائرہ نظر نہ آتیں تو شور مچا دیتا تھا۔

"بہت مشکل اگر آپ ریم کے بغیر نہیں رہ سکتیں تو اس لئے کچھ قربانی میری طرف سے سہی۔"

"نہیں بیٹا' یہ تو ساری مشکل ہے۔" وہ بے چارگی سے بولیں۔ "میں تو تم دونوں کے بغیر ہی نہیں رہ سکتی۔ ریم کے ساتھ بھی تو طے کر کے رکھا رہے گا۔ تمہارے ابا رہتے تو ریم کی فکر میں گھلتی رہتی۔ ماں باپ کو اولاد کے بھلے کے لئے ان کے مستقبل کے لئے اپنا دل مارنا پڑتا ہے۔ ریم کا جانا ضروری نہ ہوتا تو میں اس کو ایک پل کے لئے دور نہ ہونے دیتی۔"

تیمور نے بلا ارادہ ریم کی طرف دیکھا 'بالکل اتفاق سے اسی وقت ریم نے بھی اس کی طرف نظر اٹھائی۔ اسے لگا جیسے ان آنکھوں میں وہ اس سے کہہ رہا ہو۔

"کیسے جا سکتی ہو تم ان چاہنے والوں کو چھوڑ کر۔" ریم نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔ وہ تو جانتی تھی کہ سائرہ کو اس سے کس قدر شدید لگاؤ تھا کہ انہوں نے ریم کے لئے کئی دفعہ تیمور کو نظر انداز کیا تھا۔ کیا جس محبت کا وہ واحد حقدار تھا اس میں ریم کے حصہ بانٹ لیا تھا' آج اس کے جانے کا سن کر وہ پریشان تھا۔ سب ماں کے لئے ویسے ریم کے لئے اس کے جذبات کیا تھے' وہ بھی سمجھ جاتی تھی۔ تیمور کا سرد اور بیزار کن رویہ' بار بار' اجنبی لگ رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کو پیار اور توجہ اس کی محبت میں جھپٹتی رہی تھی۔ وہ ماسب تھی کہ اس نے ریم کو بہت اپنائیت برداشت کی تھی۔

اسی لئے تو لب جلاتی تھی کہ کچھ عرصہ الگ رہ کر سانس لے سکے اس گھر سے نکل کر اپنے آپ میں رہ کر اپنی توجہ سے کہ اپنے گھر کا احساس جانے تھوڑے عرصے کے لئے ہی سہی۔

رات میں وہ چلی گئی تو گھر میں سناٹا سا چھا گیا۔ صبح سائرہ نے تیمور سے یہی بات کہی تھی۔

"کیسی خاموشی ہو گئی ہے گھر میں حالانکہ ریم تو زیادہ بولنے کی عادی بھی نہیں تھی۔ بات بھی دھیمے سے کرتی تھی مگر گھر میں ہر وقت ایک چہل پہل سی رہتی تھی' اس کی وجہ سے 'اب اس کا فون آئے گا تو کہوں گی بیٹا جلدی جلدی کام نمٹاؤ اور واپس آؤ۔"

"اور اگر اس نے آپ کی بات نہ مانی تو۔" تیمور کے انداز میں ایسا کچھ تھا کہ سائرہ بے ساختہ چونکیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بھئی اب آخر امریکا گئی ہے 'وہاں اس کا گھر ہے۔ وہاں کی شہری بھی ہے 'وہاں سے زیادہ بھا گیا اور اس نے یہاں آنے سے انکار کر دیا تو آپ کیا کریں گی۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"وہاں جا کر کان سے پکڑ کر لاؤں گی اسے' اس کی ماں نے مرتے وقت اسے ہمارے حوالے کیا تھا۔ اسے وہاں کے ماحول سے بچانے کے لئے 'شہری ہے تو وہاں کی صدر بھی ہو جائے تو سب کچھ چھوڑ کر اسے آنا پڑے گا۔ وہ چاہے نہ چاہے 'تم نہ چاہو اسے اس گھر میں رہنا ہے ہمیشہ' ہم سب کے ساتھ۔"

اماں تو پہلے ہی ہمیں انجھے میں پڑ گئیں۔ وہ بات کہہ گئیں جو ابھی تک کہنی چاہئے تھی کیونکہ ریم کا فیصلہ تھا۔ سائرہ کو انہوں نے سختی سے منع کیا تھا کہ مناسب وقت سے پہلے ریم اور تیمور کے کان میں یہ بات نہیں پڑنی چاہئے۔ بچے ذہنوں پر برا اثر پڑتا ہے مگر آج اچانک منہ سے بات نکل گئی۔ تیمور اب بچہ نہیں رہا تھا۔ ماں کی بات فوراً ہی پوری طرح سمجھ گیا۔ دل ایک عجیب سے' بالکل نئے انداز میں دھڑک اٹھا۔ وہ ذرا دیر کو سر جھکائے خاموش بیٹھا رہ گیا۔

"میں آج جلدی نکلوں گا 'صبح صبح ہی دو کلاسز ہیں' پھر اسائنمنٹ بھی دینی ہے' ورنہ چھٹی کر لیتا آپ کے پاس رہ جاتا۔" ناشتہ ختم کرتے ہی وہ

انتھا۔

"اب کچھ عرصے تو اکیلے ہی رہنا ہے۔ تم روز روز تو چھٹی نہیں کر سکتے۔ بے فکر ہو کر جاؤ۔ ہاں مگر جلدی ضرور آنا اور۔" وہ سامان کا اٹھا کر چلا گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھ کر مسلسل اندازہ لگانے کی کوشش میں تھیں کہ ان کی بات کا اس پر کیا ری ایکشن ہوا ہے۔ کچھ بولا نہیں تھا تو وہ مطمئن ہو گئی تھیں۔

دو ہفتے بعد رضا اکیلے واپس آ گئے۔ سارے معاملات بخوبی طے ہو گئے تھے۔ ریم کا کالج میں ایڈمیشن بھی کروا دیا تھا۔ اس کا نیا ٹھکانا بنانے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی نئے سرے سے ترتیب دیا گیا تھا اور ریم کے ساتھ اس کے گھر میں شفٹ ہو چکے تھے۔ رضا نے سارہ کو اب تفصیل بتائی تھی اور سارہ کے دل پر قیامت گزر گئی تھی۔ کتنی دیر تک تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ ریم انہیں چھوڑ کر جا چکی ہے ایک لمبے عرصے کے لئے ان سے پوچھے بغیر۔

"مجھے پہلے کیوں نہ بتایا آپ نے؟ آپ اس کے ارادوں سے باخبر تھے اور مجھے بے خبر رکھا۔" دل گرفتہ لہجے سے سوال تھا۔

"میں تمہیں بتاتا تو تم اسے روک لیتیں اور وہ تمہاری محبت کے آگے مجبور ہو جاتی۔ میں نے خود پر بہت جبر کر کے یہ فیصلہ کیا تھا اور ریم کو میں نے ہی منع کیا تھا کہ تم سے ذکر نہ کرے۔ ریم نے پہلی دفعہ کوئی خواہش کی تھی مجھ سے کچھ مانگا تھا اور اس کے انداز میں کچھ ایسی قطعیت تھی کہ میں انکار نہیں کر سکا۔ میں نے بہت سوچ کر فیصلہ کیا کیونکہ مجھے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ تمہاری بہترین تربیت نے اسے بہت کانفیڈنٹ بنا دیا ہے۔ وہ صحت مند ذہنیت کی مالک ہے۔ اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہے۔ اپنی حفاظت خود کر سکتی ہے۔ مگر اب وہ اس دور سے نکل آئی ہے جہاں قدم قدم پر اسے رہنمائی کی ضرورت ہوتی اور وہ وہاں اکیلی نہیں ہے۔ رہنمائی اور سرپرستی کے لئے نانی اس کے پاس ہیں۔ وہ بے حد بردبار اور ذہین انسان ہیں۔ ریم ان کا خون ہے۔ ان کا رکھ [illegible]

[illegible] تی ہے۔ وہ اس کو بہت پیار سے رکھیں گی۔ اطمینان رکھو۔ تم وہاں خوش رہے گی اور بہت زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے۔ تین سال بعد گریجویشن کر کے وہ یہاں آ جائے گی۔ اسے وہاں مستقل تھوڑی رہنا ہے۔ تمہاری بیٹی ہے تمہارے پاس ہی آئے گی۔"

"تین سال تو آپ اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے تین دن ہوں۔" سارہ بے حد دل گرفتہ تھیں۔

"تم ہی تو کہتی ہو کہ اولاد کے بہترین مستقبل کے لئے ماں باپ کو سینے پر پتھر رکھنا پڑتا ہے۔ ان کی جدائی سہنی پڑتی ہے۔ ابھی سے تیار رہو۔ کچھ سال بعد جب تیمور پڑھنے کے لئے باہر جائے گا تب تمہارا کیا حال ہو گا۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

"تیمور کے لئے تو میں اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر چکی ہوں مگر ریم مجھ سے ایک دن کے لئے بھی جدا ہو گی یہ تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

"لیکن اسے حق ہے کہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچے اور فیصلے کرے بلکہ اسے مواقع بھی حاصل ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں تو لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کی زبردست حامی ہوں۔ ذہین اور قابل لڑکیوں کو آگے بڑھنے کے سارے مواقع ملنے چاہئیں۔" وہ [illegible] سے بولیں۔ "میں دل نہیں ٹھہر رہا یہ سوچ کر کہ اتنے عرصے مجھ سے دور رہے گی۔ میں تو ہمیشہ اسے اپنے ساتھ اسی گھر میں رہنے کے خواب دیکھے ہیں۔"

"تمہارا یہ خواب ضرور پورا ہو گا۔" وہ عجیب طریقے سے مسکرائے۔ "میں نے آغا جی سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا ہے۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ بہت خوش ہوئے کہنے لگے۔ "ریم تمہاری بیٹی ہے اس پر تم سے زیادہ کسی کا حق نہیں۔ اس کی ماں اپنی زندگی میں اسے تمہارے حوالے کر گئی تھی اور ہم اس کی خواہش کا پورا احترام کرتے ہیں۔"

[illegible] ہے تیمور کے ساتھ رشتے [illegible] تو ساری اداسی بھول کر پھول کی طرح کھل اٹھیں۔

"چلو یہ بھی اچھی طرح سے بات طے ہو گئی۔ تیمور کو [illegible] سے فاصلہ ہو لینے دو۔ ابھی سے کچھ [illegible] یا کسی قسم کی رسم کرنے کی ضرورت نہیں [illegible]

"ریم سے تو خیر میں نے کبھی اشارتاً بھی ایسی بات نہیں کی مگر تیمور کے سامنے ایک دن بے احتیاطی میں منہ سے نکل گیا تھا۔ اصل میں اس دن ریم بہت یاد آ رہی تھی۔ اسی کی باتیں کر رہی تھی۔ تیمور نے ایسی بات کی کہ بس غصے میں کہہ گئی۔ یہ خیال ہی نہیں رہا کہ آپ نے منع کیا ہوا ہے۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہوئیں۔

"ہوا پھر؟ کچھ کہا اس نے؟" انہوں نے غور سے بیوی کی شکل دیکھی۔

"کچھ نہیں۔ خاموش ہو گیا تھا مگر مجھے اندازہ ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا ورنہ اسی وقت منع نہ کر دیتا۔ اب وہ زمانہ تو رہا نہیں کہ ماں باپ نے جہاں کہا آنکھ بند کر کے شادی کر لی۔ میں تیمور کی طبیعت کو جانتی ہوں۔ اس کی خاموشی کو رضامندی ہی سمجھیں۔ ریم سے بھی مجھے یہی امید ہے۔ بہت قابل اور فرمانبردار بچی ہے۔ یقیناً دونوں ہماری خواہش کا احترام کریں گے۔" ان کے لہجے میں بہت یقین اور اعتبار تھا۔

دونوں اپنی باتوں میں مگن تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ تیمور [illegible] دروازے کے باہر کھڑا وہ ان کی ساری گفتگو لفظ بہ لفظ سن چکا تھا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

★

[illegible] کے بعد [illegible] کالج میں [illegible] شروع ہو چکی تھیں۔ وہ فیشن ڈیزائننگ میں [illegible] ایڈمیشن [illegible] بہت محنت طلب [illegible]

بھی بہت اچھا تھا۔ ابھی فرسٹ کوارٹر چل رہا تھا۔ زیادہ تر تھیوری پڑھائی جا رہی تھی۔ پھر پریکٹیکلز دوسرے کوارٹر میں شروع ہونے تھے مگر ابھی سے اسے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ وہ روز دادا جان کے ساتھ گھنٹوں کے حساب سے گپ شپ کرے۔ وہ خود بہت مصروف رہتے تھے۔ اس عمر میں بھی بے حد چاق و چوبند تھے۔ بزنس سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی پوری پوری خبر گیری رکھتے تھے۔ باری باری سب اولادوں کے پاس جانا، انہیں اپنے پاس بلانا، دوسرے شہروں میں رہنے کے باوجود سب سے مستقل رابطے میں رہتے تھے۔ اپنی ساری ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے۔ اس وقت ریم کو سب پر Priority حاصل تھی۔ ایک طویل عرصے بعد وہ ان کے ساتھ تھی تو وہ اور سب کو جیسے بھول گئے تھے۔

ریم کو یہاں سوائے پڑھنے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ گھر میں ہاؤس کیپر تھی جو ہفتے میں ایک دفعہ دو دن کی چھٹی پر جایا کرتی تھی۔ صبح دادا جان کے ساتھ جوگنگ کے لئے جانا اس کا معمول بن گیا تھا۔ ایک گھنٹے بعد دونوں واپس آ کر ناشتہ کرتے اور اپنے اپنے کام پر روانہ ہو جاتے۔ وہ شام پانچ بجے کالج سے لوٹتی اور گھنٹہ بھر بعد دادا جان بھی آ جاتے تھے۔ وہ بہت جلد سونے کے عادی تھے۔ آٹھ بجے اپنے بیڈ روم میں چلے جاتے اور اس کے بعد صبح سویرے ہی ان سے ملاقات ہوتی۔

ہر ہفتے وہ باقاعدگی سے سارہ کو فون کرتی تھی۔ سارہ نے اس سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا تھا بلکہ فون پر اسے ہدایتیں ہی کرتی رہتی تھیں مگر ایک خاص افسردگی ان کی آواز میں رچی ہوتی جیسے وہ بہت ضبط کر رہی ہوں۔ اس کے خیال سے اپنے جذبات چھپا رہی ہوں مگر وہ محسوس کر لیتی تھی۔ ہر دفعہ آخر میں ان کا خاص جملہ ہوتا۔ "سال ختم ہونے پر وہ چھٹیوں میں آ جائے گی نا۔" اور وہ ہر دفعہ یہی کہہ کر ان کو اطمینان دلا دیتی۔ سارہ ابھی سے اس کے انتظار میں ان

گن رہی تھی۔

ریم کا دوسرا کوارٹر شروع ہوا تو وہ اور بھی بزی ہو گئی۔ دلوا جان سے بس صبح ہی جو ملاقات ہو جاتی تو پھر شام میں ان کی شکل ہی دیکھ پاتی۔ اب تو سارا سے بھی اتنی پابندی سے بات نہیں کر پاتی تھی۔ وہ اس کی مصروفیت سمجھ رہی تھیں اس لئے پریشان نہیں ہوتی تھیں۔ انہی دنوں ایک ویک اینڈ پر پھوپھو ان سے ملنے آگئیں۔ ان کا بیٹا رائد بھی ان کے ساتھ تھا۔ پھوپھو کافی عرصے سے بیمار چل رہی تھیں۔ ریم جس وقت بابا جان کے ساتھ [illegible] کے پاس کھڑی تھی مگر رائد سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں پہلی بار مل رہے تھے۔ دیکھتے ہی اس نے آنکھیں پھیلا کر ہونٹ سکوڑ کر ستائشی انداز میں بولا۔

"ہیلو ڈیئر کزن! افسوس ہو رہا ہے تم سے پہلے کیوں نہ ملا۔" اس نے بڑی بے تکلفی سے ریم کو گلے لگالیا۔

ریم نے زندگی میں ایسی بے تکلفی نہیں دیکھی تھی نہ برتی تھی۔ پھوپھو اور دلوا کے سامنے اسے بڑی شرم آئی۔ چہرے پر چھائی ناگواری کو وہ کسی طرح نہ چھپا سکی۔ پھوپھو کو اندازہ ہو گیا۔

"آؤ ریم! یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔ تم سے باتیں کرنے کو بہت دل چاہتا ہے۔"

"پھوپھو! آپ کچھ دن تو رہیں گی نا۔" ریم کو ان کی وجہ سے سنبھلنا پڑا "فورا" تاثرات بدلے۔

"ہمیں دو دن البتہ رائد اب یہاں رہے گا اسے یہاں جاب مل گئی ہے۔" ریم ان کے لئے ریفریشمنٹ کا انتظام کرنے اٹھ گئی۔ رائد اس کے پیچھے کچن تک چلا آیا۔

"میں تمہاری ہیلپ کروں؟"

"ارے نہیں رائد بھائی! آپ پلیز سب کے ساتھ بیٹھیں۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"منہ کھولو یہ بھائی والی تو تم پاکستان میں ہی چھوڑ آئی ہو گی۔ یہاں تو باپ کو بھی نام سے پکارتے ہیں۔"

اس نے بہت نزدیک آکر [illegible] سے پیچھے ہٹی۔

"آپ بھی اپنے باپ کو نام سے پکارتے ہیں کیا؟"

"نہیں! باپ اس کی اجازت نہیں دیتے۔" رک کر ہنسا۔ "گھر میں تمہیں بھائی کہنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"گھر میں یہ کہوں کہ مجھے بھائی کہنے کا بے انتہا شوق ہے تو۔" وہ اسے جلانے پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنا یہ شوق کسی اور پر پورا کرو۔ یار! یہاں بھائیوں کی کمی نہیں ہے۔ ہماری باتیں سن لی ہو؟" [illegible] کر کے کیا [illegible] جوس کا گلاس پکڑ لیا۔

"ابھی تک نہیں مل سکی۔ پاپا جان اکیلے ہی [illegible] تھے ہم لوگوں سے ملنے۔"

"پہلی فرصت میں مل لو۔ شاندار قسم کے [illegible] ثابت ہوں گے تم خوش ہو جاؤ گی۔"

"مجھے اندازہ ہے کیونکہ فون پر تو اکثر بات ہوتی رہتی ہے۔ ملنے کا شوق انہیں بھی بہت ہے مگر کسی کے پاس وقت نہیں مجھے بلانے کا۔ سب کے سب عدیم الفرصت۔" ریم کے کہنے پر [illegible] شکوہ کر بیٹھا۔

"تم بھی تو نہیں گئیں کبھی [illegible] ہو گیا تمہیں آئے ہوئے [illegible] آج تم سے پہلی [illegible] ہوں۔"

"جتنا آپ کے گھر میں دل بھر رہی تھی مگر آپ خود گھر پر نہیں تھے اس لئے آپ تو شکایت نہ کریں۔ باقی دوسروں سے نہ ملنے میں میری کوئی [illegible] ہے لیکن یہ بات مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری اسٹڈی اتنی ٹف اور شیڈول اتنا hectic ہو گا کہ میں اپنے لئے بھی وقت نہ نکال پاؤں گی ورنہ جب آئی تھی تو اسی وقت ان سے بھی مل آتی۔ خیر اب اس کوارٹر کے ختم ہونے پر ضرور سب سے ملنے جاؤں گی۔" اس نے طے کر لیا۔

"ساتھ ہی چلیں گے۔" اس نے فورا" [illegible] جواب نہیں دیا۔

"تو پاکستان میں تمہارے کتنے بھائی ہیں؟" اس [illegible] نہیں کیا۔

"ہاں ایک۔" ریم کو تیمور کا خیال آگیا جو کسی طرح خود کو بھائی نہیں مانتا تھا۔

"اوہ! پھر تو واقعی بھائیوں کی Shortage ہے۔" وہ شرارت سے ہنسا۔ "جب ہی تمہیں اتنی حسرت ہے۔"

"اپنے دادا جان کے پاس چلتے ہیں۔" وہ ٹرالی تیار کر چکی تھی۔ اس کا جواب سنے بغیر کچن سے نکل گئی۔

پھوپھو دو دن رہ کر چلی گئیں۔ رائد کو اپارٹمنٹ مل گیا تھا۔ وہ ادھر شفٹ ہو گیا تو ریم کی جان میں جان آئی ورنہ ان دو دنوں میں اس نے ریم کا اس طرح گھیراؤ کر رکھا تھا کہ اپنے ہی گھر میں اس سے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا عذاب ہوا جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ غصہ اسے اس وقت آتا تھا جب وہ رات گئے تک اس کے بیڈ روم میں بیٹھا دنیا جہان کی باتیں کیے جاتا۔ اسے دلوا اور پھوپھو کا لحاظ بھی نہیں تھا اور ریم مروت کے مارے کچھ کہہ نہ پاتی [illegible] کر خاموش ہو رہی کہ وہ [illegible] بات ہے۔

جیسے وہ تو یہ سوچ کر [illegible] جان ہی نکل گئی تھی کہ وہ ان کی ساتھ رہے گا مگر دلوا جان نے [illegible] بھی ایسا کچھ کیا اور [illegible] ریم نے دونوں بیٹوں کی سوچ [illegible] سب سے [illegible] سمجھا [illegible] اس کا [illegible] درست [illegible] رائد کو [illegible] نہیں [illegible] اس کا ساتھ رہنا [illegible] سمجھتے تھے [illegible] ریم کو ایک گونہ اطمینان ہوا تھا کہ وہ [illegible] شہر میں تھا۔ اس [illegible] تھا اور شاید شہر کا سب سے [illegible] تو جب تک دادا جان جاگ رہے ہوتے [illegible] ان کے درمیان سے اٹھ جاتے [illegible]

رہا کر وہ اسے اتنا ٹائم نہیں دے سکی۔ ہفتے کے دوران اسے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ اس کی پرابلم سمجھ گیا تھا اس لئے خفا نہیں ہوا مگر ویک اینڈ پر وہ اس کا کوئی بہانہ سننے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ ڈنر تو لازمی ہوتا تھا کسی ہوٹل میں۔

"میں اتنی ہوٹلنگ نہیں کر سکتی۔ گھر کا کھانا تمہیں کیوں برا لگتا ہے؟"

"کھانا برا نہیں لگتا میں تو یہ وقت تمہارے ساتھ اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہوں۔ درمیان میں کوئی نہ ہو۔ میں اور تم ہوں بس۔" وہ چہرے پر [illegible] انداز سے ہنسا۔

"گھر میں جنک فوڈ کی عادی نہیں ہونا نہ بنانا چاہتی ہوں۔" وہ اس کا انداز نظر انداز کر جاتی۔

"جب یہاں رہنا ہے تو یہاں کی عادت تو ڈالنا پڑے گی۔"

"میں یہاں ہمیشہ کے لئے رہنے نہیں آئی اس لئے کسی چیز کی عادت ڈالنے کی کوشش نہیں کرتی۔ پڑھنے کے لئے آئی ہوں اور گریجویشن کرتے ہی واپس ہو جاؤں گی۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"تمہیں جانے کون دے گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر دلکشی سے مسکرایا۔

اپنے آپ میں اس کی [illegible] ریم نے [illegible] طرح محسوس کر چکی تھی۔ [illegible] رائد کے جذبات سے بھرپور [illegible] کی طرف کھنچ گیا تھا۔ اسے بھی وہ اچھا لگنے لگا تھا مگر رائد کے انداز ابھی بھی اسے اچھے نہیں لگتے تھے وہ اس ماحول کی پروردہ نہیں تھی۔ جو چیز اسے وہاں کے لئے اچھی نہیں لگتی تھی وہ اپنے لئے کیسے گوارا کر لیتی۔ اسی لئے رائد جب بات کرتے کرتے اس کے رخسار تھپتھپاتا، اس کے شانے پر ہاتھ پھیلا لیتا تو اسے بہت الجھن ہوتی تھی۔ بار بار اپنے ساتھ لے جانا، ہر وقت [illegible] اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے [illegible] ریم [illegible] بچنا چاہتی [illegible] اس [illegible] ہو جاتی مگر رائد تو جیسے اس پر اپنا

تو بس یہی تھا۔ اب اسے اس کے لباس پر بھی اعتراض ہونے لگا تھا۔ جب وہ چہرے سے دوپٹے کو چھپا کر کندھوں پر لیتی۔

"تم اب تک اس شلوار قمیص سے پیچھا نہیں چھڑا سکیں۔" وہ منہ بنا کر۔

"پیچھا کیوں چھڑاؤں؟" وہ فوراً برا مان گئی۔ "کیا برائی ہے اس میں؟"

"سب تمہیں اجنبی سمجھتے ہوں گے۔"

اس کے منہ بنانے پر وہ ناراضی [illegible]

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے جناب [illegible] کو سن کر حیرت ہوگی کہ میری امریکن کلاس فیلوز کو میرا لباس اتنا Fascinate کرتا ہے کہ کئی ایک نے فرمائش کی ہے کہ میں انہیں پاکستان سے ایسے سوٹ منگوا کر دوں۔" اب وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"سارا شوق دھرا رہ جائے جب پہن کر دو قدم چل نہیں پائیں گی۔ کوئی چیز سے الجھ کر گرنے کی کوئی لوجہ۔" اس نے ہنسی روکنے کی کوشش کی۔ "چلو اٹھانے والوں کو بہانہ مل جائے گا قریب آنے کا۔ Valentine کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا کسی کو۔"

"جی نہیں! ایسا بالکل نہیں ہوگا اس سے زیادہ Manageable لباس اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ اپنی بات پر اڑی رہی۔

"اچھا تمہیں تو رونا نہیں [illegible] دوپٹہ لپیٹ کر گھومو۔" وہ یہ بات مذاق کر رہا تھا اور وہ اتنی ہی مضبوطی سے اپنے موقف پر جمی ہوئی تھی۔

"نہیں! بالکل نہیں، لباس کی خوبصورتی دوپٹے سے بڑھتی ہے اس کے بغیر تو ادھورا لگتا ہے اور میرا تو پردے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ ایک احساس رہتا ہے کہ میں بہت سی نظروں سے محفوظ ہوں۔"

"بالکل!" اس نے افسوس کے اظہار میں سر ہلایا۔ "دیکھنے والوں کو اچھی چیز دیکھنے سے کیوں محروم رکھتی ہو۔"

"ڈونٹ بی سِلی!" وہ حیرت اور افسوس سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ "آپ کو برے بھی لگتے ہیں Funny ہے۔ میں اپنا لباس کبھی نہیں بدل سکتی اور آپ کے لیے تو کبھی مجھے مجبور مت کیجئے گا۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا مگر تم اگر ایک کامیاب فیشن ڈیزائنر بننا چاہتی ہو تو پہلے اپنے آپ کو presentable کرو۔" وہ خوب سنجیدہ ہوا۔

"اپنے آپ کو؟" ریم نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے [illegible]" انداز میں بولا۔ "اور اپنے [illegible] لگتا تھا [illegible] بھی سیٹ کرا لو۔" ریم کا ہاتھ بے ساختہ [illegible] تک گیا جال سے [illegible] لگے ہیں۔

"[illegible] یہ سب کب ختم ہوگا؟"

"[illegible] تمہیں اس اسٹائل میں دیکھنا چاہتا ہوں [illegible]"

"مجھے اپنے اسٹائل [illegible] میرا لباس میری پہچان ہے [illegible] اس پروفیشن میں آنے [illegible] واپس وہیں جانا ہے جہاں اب تک [illegible] سے جڑی [illegible]" تیزی سے اس کی بات روکی۔

"نہیں! تم واپس نہیں جاؤ گی۔ تم یہاں belong کرتی ہو۔ یہاں پیدا ہوئیں، یہاں کی شہری ہو [illegible] جو ایک دور تمہاری زندگی میں آیا تھا اسے بھلا دو۔ اس وقت ماں کی آخری خواہش کو رکھتے ہوئے تایا جان خاموش ہو گئے تھے ورنہ وہ بھی تمہیں اپنے سے جدا نہیں کرتے۔ تم ان کے سب سے پیارے بیٹے کی واحد نشانی ہو۔ تمہارے واپس آنے سے [illegible] خوش ہیں۔ تم اب دوبارہ انہیں چھوڑ کر جانے کی سوچ بھی [illegible] یہاں تمہارا گھر ہے [illegible] ہے اور Fortune ہے اور سب سے اہم بات [illegible] جو شخص [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] رہتا ہے۔" وہ [illegible]

[illegible] تک کچھ بول نہ سکی۔ [illegible] یہ سب بعد کی باتیں ہیں کہ مجھے کہاں رہنا ہے [illegible] کے ساتھ رہنا ہے۔" اس نے لاپروائی سے [illegible] تیر [illegible] بیٹھا تھا۔

"[illegible] تمہیں ابھی سے اپنا مائنڈ میک اپ کرنا [illegible] ہے اسی لیے تمہیں اپنے ارادے سے باخبر کر دیا [illegible] سمجھ کر میں [illegible] ہوں۔"

"[illegible] یہ سب بہت قبل از وقت ہے۔ مجھے ابھی [illegible] میں اس کے علاوہ اور کچھ سوچنا نہیں [illegible]"

"میں تمہیں پڑھنے سے نہیں روک رہا نہ مجھے [illegible] جلدی ہے ورنہ اب تک میں تایا جان اور [illegible] سے [illegible] کا ہوتا۔ بس اتنا یاد رکھو کہ میرے علاوہ [illegible] زندگی میں اور کسی کی گنجائش نہیں جس طرح [illegible] زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں آسکتی۔ [illegible] جلتے ہیں۔ وقت کی [illegible] فیصلہ [illegible] تمہیں [illegible] تم صرف میری ہو۔" اپنے جذبوں کا [illegible] اظہار [illegible] کے بعد وہ [illegible] بھی [illegible] بیٹھی رہی۔

"سونے کے وقت جا رہی ہو؟" [illegible] کے بعد وہ [illegible]

[illegible] قسمت نے تو فیصلہ دے دیا ہوتا [illegible] ستاروں میں لکھا جا چکا [illegible] مسکرا دیا۔ [illegible] تھا اس کے نصیب [illegible] لکھا جا چکا [illegible] تیار نہیں [illegible] اپنے مستقبل کا کوئی بھی خاکہ کھینچا [illegible] رنگ [illegible] بھر سکے۔

[illegible] نہیں [illegible] چھ مہینے میں [illegible] اس معاشرت نے وحشت [illegible]

ہوسٹل کی [illegible] وہ اکیلی ہو جاتی تھی اس لیے ایک فیصلہ تو کر چکی تھی کہ تین سال گریجویشن کرنے کے بعد واپس لوٹ جائے گی۔ یہاں سے اپنے سامنے اٹھائے پاکستان منتقل کرے گی۔ وہاں اپنا بوتیک کھولے گی۔ بڑے پیمانے پر بزنس شروع کرے گی۔ ایک کامیاب فیشن ڈیزائنر بننا اس کا خواب تھا۔ اسے اماں جان کی سرپرستی اور ساتھ کی ممتا بھری محبت حاصل تھی اور یہی اس کے لیے زندگی گزارنے کو بہت کافی تھا۔ شادی، گھر، بچے اس کی طرف تو اب تک دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ ابھی بھی اس نے سر جھٹک کر سارے خیالات سے پیچھا چھڑا لیا۔

"زندگی میں جو بھی آ جائے اسے Face کرتے ہیں اس پلاننگ کی کیا ضرورت ہے۔" وہ سوچ کر مطمئن ہو گئی۔

اس کا سیکنڈ کوارٹر ختم ہوا دس دن کی بریک کے بعد تھرڈ کوارٹر شروع ہونا تھا۔ اس لیے دس دن اپنے چچا اور پھوپھو کے ساتھ گزارنے کا پروگرام بہت دن سے بنا رکھا تھا۔ [illegible] کو پتا چلا تو اس نے بھی چھٹی کی کوشش کی مگر نئی جاب ہونے کی وجہ سے اسے ایک دن کی بھی چھٹی نہ مل سکی اور وہ اپنی جگہ جھلا کر رہ گیا۔

"پورے دس دن چھٹیاں وہاں منانے کی کیا ضرورت ہے، بس سب سے مل کر دو تین دن میں آجاؤ۔"

"اتنے عرصے سے میں نے سب کے ساتھ پروگرام بنا رکھا ہے وہ لوگ شدت سے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ عین وقت پر پروگرام تبدیل کر کے انہیں مایوس کروں؟" ریم نے اسے بڑے آرام سے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ بھڑک گیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا بس میں نے کہہ دیا۔"

"اچھا ٹھیک ہے، جلدی آجاؤں گی۔" ریم اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

[illegible] کے گھر ان کا پرتپاک استقبال ہوا۔ چچا کے [illegible] اور [illegible] اس سے مل کر بے حد [illegible]

خوش تھے۔ حارث اس سے سال بھر بڑا تھا اور ایزد ہما چھوٹا مگر قد میں اس سے کہیں زیادہ نکلتا۔ کالج سے آنے کے بعد ریم کو ایک لمحے کے لیے فارغ نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ ثمینہ دونوں بھائیوں سے بڑی تھی۔ پڑھائی سے فارغ ہو چکی تھی۔ جاب کر لی تھی۔ زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا اس کے پاس مگر ہر ممکن طریقے سے ریم کو بھرپور کمپنی دیتی۔ ریم ان سب سے گیارہ سال کے عرصے کے بعد ملی تھی مگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ سے یہاں رہتی چلی آ رہی ہے۔ جدائی کا لمبا عرصہ تو جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ بچپن کی یادیں ذہن میں تازہ ہو گئی تھیں۔ جب وہ سب چھٹیوں میں باری باری ایک دوسرے کے گھر جمع ہوتے تھے۔ اتنے عرصے بعد ان رشتوں کا بھرپور احساس ہو رہا تھا۔

اسے چھ دن گزر گئے تھے چچا کے ہاں۔ اب وہ پھوپھو کے گھر جانا چاہتی تھی مگر وہ تینوں اسے روک لیتے۔

"ایک دن اور۔" ایزد کا روز کا اصرار تھا اور وہ مجبور ہو جاتی مگر کب تک۔

"تم لوگ بھی چلو نا میرے ساتھ لوٹ آنے تک۔"

"ہم ضرور جاتے مگر چھٹی نہیں کر سکتے۔" ایزد کا منہ لٹک گیا۔

"دو دن کی بھی نہیں۔" ریم کو اس پر بڑا ترس آیا۔

"نہیں' پاپا اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں کرتے۔" حارث بھی ناامید تھا۔

"ویسے تم پھوپھو کے ہاں حارث جتنے بھی اتوار گزار لو گی۔ ندا اور نغمہ تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی تنہا نہیں بیٹھنے دیں گی۔" ثمینہ نے اسے اطمینان دلایا۔

بڑی مشکلوں سے دونوں بھائیوں نے اس کی جان چھوڑی تھی۔ وہ پھوپھو کے ہاں ہفتہ بھر رکنے آئی تو وہ جو اتنے دن سے اس کی منتظر تھیں' تھوڑی سی خفا ہو گئیں۔

"اتنے دن بھائی کے ہاں لگا دیے' میرے لیے کیا بچا۔" ان سے پہلے ہوئے گلہ کر رہی تھیں۔

"کیا کرتی پھوپھو!" وہ شرمندہ ہوئی۔ "انہوں نے آنے ہی نہیں دیا تھا۔"

"روز رائد کا فون آتا تھا' سن کر کہ تم آج نہیں آئیں' فون بند کر دیتا تھا۔ بات ہی نہیں کرتا تھا۔ اب تو آج تک ابھی تک فون ہی نہیں کیا اس نے۔"

پھوپھو نے بتایا تو اسے رائد کی ناراضگی کا احساس ہوا۔ چچا کے گھر اسے ایک لمحے کو بھی رائد کا خیال نہیں آیا تھا۔ اسے فون ... کا دھیان تک نہ ... پہلے اس نے تو رلا جا رہا تھا' بھی ... کی بات کی تھی۔ ایک دفعہ سارہ کا فون آیا تھا کہ عدیل کے گھر والے ... فوراً فون کرنے پر انہیں پتا چلا تھا کہ وہ آج کل یہیں ہے۔ سارہ سے بات کر کے اسے بے حد تسلی ہوئی تھی۔ وہ بھی تو اب کافی فرسٹ کزن ... ملی نہیں تھی کہ بات بھی نہیں کی تھی اس سے۔ سارہ سے بات کر کے اسے ہمیشہ ایک شرمندگی ہوتی۔ ایک ملال بھی کہ اپنے بچپن کی اتنی شدید محبتوں کو چھوڑ کر نکلی تھی اور وہ ... کے لیے بے قرار ہوئی جاتی تھیں اور وہ کئی دن تک اسی سوچ میں چپ چاپ رہتی کہ اس نے یہاں آ کر ٹھیک کیا یا نہیں' مگر اب سب سے پہلے پھوپھو اور کزنز سے مل کر ان رشتوں کی ... دل سے محسوس کر کے اسے سکون و اطمینان ملا تھا۔ اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ اگر یہاں نہ آتی تو اتنے پیارے' چاہنے والے خونی رشتوں کو کیسے جان پاتی۔

اب پھوپھو کے گھر آ کر بھی اسے بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔ نغمہ ان کے برابر کی تھی۔ ندا اس سے سال بھر بڑی۔ دونوں نے ہی بھر کر اس کی خاطر کی تھی۔ اپنے اپنے علم سے چھٹی کر کے اسے دونوں نے خوب گھمایا تھا۔ تھکن تو تھکی ہی نہیں تھی۔ رائد سے اس کی ابھی بھی بات نہیں ہو سکی تھی۔ ریم کی غیر موجودگی میں اس کا فون آیا تھا اور خود ریم کو تو اتنا وقت ہی نہیں ملا تھا کہ اسے کال بیک کر سکے۔ ... تو اس سلسلہ ابھی ہی بیا تھا۔

تینوں شاپنگ کر کے رات کا کھانا باہر کھا کر لوٹی تھیں۔ ... ٹی وی لاؤنج میں ہی انہیں پھوپھا کی دھاڑ سنائی دی۔ وہ پھوپھو پر بگڑ رہے تھے۔

"تم نے رائد کو یہاں سے بھیج کر غلط کیا ہے' اسے یہاں رہ کر معاملہ نمٹا کر جانا چاہیے تھا۔"

"وہ معاملہ ختم کر چکا ہے۔ کیا اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی کسی طرح۔" پھوپھو کی حد درجہ بیزار آواز آئی۔

"وہ تو دنیا کے آخری سرے تک پیچھا کرے گی۔ اب تو دعویٰ کرے گی کہ اس کے بچے کا باپ ہے' کچھ تو پیدا ہونے دو۔ پھر پتا چلے گا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں' نہ وہ اسے پالے گی۔ بچے کو میں رکھوں گی اپنے پاس' رائد کا ہے گا ... وہ بھی بچہ ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ! آج پھر یہ قصہ چھڑ گیا۔" نغمہ نے بے حد بیزاری سے کہا۔ ریم کے قدم جیسے جم کر رہ گئے تھے۔

"چلو بھئی چلو ..." ... نے دونوں کو اشارہ کیا۔ ان دونوں کو بحث میں الجھا چھوڑ کر وہ تینوں چپکے سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ ریم کچھ نہ جانتے ہوئے بھی بہت کچھ جان گئی تھی اور اب سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"کیا قصہ ہے۔" بظاہر سرسری سے انداز میں اس نے پوچھا۔

"کہنے کو مصیبت! رائد کی ایکس گرل فرینڈ نے تنگ کیا ہوا ہے۔ ... ہو گی چاہے اصل رائد نے تو اسے کب کا چھوڑا ہوا ہے مگر وہ اسے ایسے نہیں چھوڑے گی۔" ندا نے بتایا۔

"بچہ بھی؟" ریم نے بمشکل لہجے کو سرسری بنانے کی کوشش کی۔ "ہاں' ہونے والا ہے۔ ممانے بے بی دینے کو تیار ہیں۔ یہاں تو ویسے بھی لوگوں میں رہنے کے لیے بچے چھوڑ دیں گے۔ مما اسے اڈاپٹ کر لیں گی۔ وہ تیار ہے مگر چاہتی ہے کہ Settlement میں بھاری رقم ... سے اس کی ڈیمانڈ بہت زیادہ ہے۔ رائد تو پوری کر ہی نہیں سکتا۔" نغمہ خاموش ہوئی تو ندا شروع ہو گئی۔

"مما کہتی ہیں جو مانگ رہی ہے دے دو اور ... سے لو' پاپا اس بات پر ناراض ہوتے ہیں کہ رائد کو خود ایک ہی دفعہ میں سارا معاملہ ختم کرنا تھا پھر چلا جاتا۔ رقم کا انتظام تو وہ کر دیں گے مگر رائد کو خود بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ آخر کب تک ... واپسی۔" ریم کا دل رک کر دھڑکا۔ استفسار۔

"بے بی کب expected ہے۔" اس نے پھر بظاہر سکون سے پوچھا۔

"next month" جواب بھی بڑے سکون سے ملا۔

"جبھی تو پاپا کے آفس کے چکر لگا رہی ہے۔ رائد تو ہاتھ لگتا نہیں اب اس کے۔" نغمہ نے لقمہ لگایا۔

"میرے اللہ تعالیٰ!" ریم نے جھرجھری لی۔ سارا معاملہ کس سکون و اطمینان سے ڈسکس کیا جا رہا تھا جیسے ایک ناجائز بچے کا اس دنیا میں' اس خاندان میں اور اس گھر میں آنا کوئی شرمناک اور افسوسناک واقعہ نہ ہو۔ اللہ کی پناہ' یہ مسلمان گھرانہ تھا' ایک ترقی یافتہ' مغربی لبرل اور معاشرتی طور پر دیوالیہ ملک میں پیدا ہونے' وہیں رچ بس جانے کی وجہ سے اپنی اسلامی قدریں اور روایات' مذہبی حد بندیاں' سب کچھ بھلا بیٹھا تھا۔ ریم کو اس کی ماں نے اسی گھٹن زدہ ماحول کا حصہ بننے سے بچانے کے لیے ہی تو یہاں سے بھیجا تھا۔ کیچڑ میں پاک بچ کر چلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

ریم کے لیے یہ انکشاف جان لیوا نہ سہی تکلیف دہ اور ناقابل یقین ضرور تھا۔ رائد ایسا تو نہیں لگتا تھا مگر یہاں سب کچھ ہو سکتا تھا۔ کسی کے متعلق کچھ بھی سنا جا سکتا تھا۔ اب جس طرح وہ ریم کے ساتھ مستقبل کے پلان بنا رہا تھا کون کہہ سکتا تھا کہ وہ یہاں کیا کارنامے کر کے جا چکا تھا اور آگے کیا کرنے والا تھا۔

"شکر ہے مالک تیرا! تو نے مجھے کسی بہت بڑے نقصان سے بچالیا۔" ریم نے گہری سانس لی۔

ابھی وہ رائد کے ساتھ وقتاً فوقتاً نہیں گئی تھی کہ ٹوٹنا مشکل ہو۔ دل تو دکھا تھا مگر یہ بھلا بھانا ہی اس کو قدم روک لینے کے لئے کافی تھا۔ اب آنکھیں کھلی رکھنا تھیں اور دماغ حاضر۔ دل کا کیا ہے، کرنٹ سے کم نہیں کرتا تھا۔ اٹھاتا کون؟ کوئی نہیں۔

اگلے دن وہ گھر لوٹ آئی۔ دادا جان نے جس طرح لپٹا کر اسے پیار کیا تھا اس کی شدت محسوس کرکے اس کا دل بھر آیا۔ وہ اکیلی کہاں تھی۔ اس کے گرد چاہنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ دادا جان نے اسے کس کس طرح مس کیا، جب بتایا تو بے اختیار اسے سارہ یاد آگئیں۔ وہ بھی تو اس کے لئے اسی طرح تڑپتی ہوں گی۔ یاد کرتی ہوں گی۔ اسے فقور کے دل نے نئی نئی پہلی چوٹ کھائی تھی۔ آنکھیں بھر آئی تھیں۔ طبیعت چاہا زار زار رو دے اور سارہ کے محبت بھرے وجود میں خود کو چھپا لے۔ ان کے سینے سے لگ کر سارے اشک بہا دے۔ سارہ کی یاد کیا آئی کہ ان کی آواز سننے کو دل مچل اٹھا۔ فون تیمور نے اٹھایا تھا۔ اتنے عرصے بعد اس کی آواز سن کر عجیب سی کیفیت ہوگئی۔

"ہیلو ریم! کیسی ہو؟" وہ اسے پہچانتے ہی بڑی اپنائیت سے بولا۔

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

"فرسٹ کلاس۔" وہ بڑا خوش لگ رہا تھا۔ "تم [illegible] کیا حال ہے۔"

"ٹھیک۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے اقرار کیا۔

"اور پھر [illegible]؟" [illegible] دل سے [illegible] تھی۔ ریم [illegible] ہوئی۔

"آؤں گی۔" وہ سنبھل کر بولی۔ [illegible] "ابھی تو تین مہینے ہیں۔"

"کتنے دن کے لئے آؤ گی؟" بڑی بے تابی سے پوچھا گیا۔

"ہمیشہ کی ایڈوائس کے لئے۔" اس نے [illegible] سے کہا۔

"ہیں؟" اتنے مایوسی بھری ہے۔

"ممانی جان نہیں ہیں کیا؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"ماما ہیں، بات کرو گی؟ بلاتا ہوں، ہولڈ کرو۔"

وہ ریسیور رکھ کر کسی کو بلانے گیا اور ادھر ریم حیران پریشان بیٹھی تھی۔ اتنی بات تیمور نے کر لی اس سے وہ بھی اتنی اپنائیت سے۔ وہ تو ریم نے خود ہی سارہ کو پوچھ لیا ورنہ تیمور تو ابھی بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

"کیسی ہو بیٹا؟ ٹرپ کیسا رہا تمہارا؟" سارہ کی آواز سنتے ہی اس کا دل بھر آیا۔

"ٹھیک ہوں، سب لوگوں سے مل کر اچھا لگ رہا ہے۔ آپ بہت یاد آرہی ہیں مجھے۔"

"تم رو رہی ہو۔" سارہ تو جیسے اس کے اندر اتری ہوئی تھیں۔ "کیا ہوا میری جان؟"

"نہیں ممانی جان! گلا خراب ہے۔" وہ فوراً سنبھلی۔ "بولنے میں تکلیف ہو رہی ہے۔" سارہ تو اور ہول گئیں۔

"ڈاکٹر کو دکھانا، دوائی لو، تم بھی [illegible] تیمور کی طرح [illegible] اپنا خیال رکھو۔ اب میں تو پہلے سے نصیحت کر سکتی ہوں، [illegible] دے سکتی ہوں، پاس ہوتی تو ساری کو تمہارے پاس چلنے میں بھی دیر نہ لگتی۔"

"ممانی جان! آپ بلاوجہ ہول رہی ہیں [illegible] ہے، اب تو بہت بہتر ہوں۔" [illegible]

"ہیلو، تم کہتی ہو تو مانے لیتی ہوں۔ اچھا سنو! تیمور کا ایک دوست لندن جا رہا ہے۔ اس کے ہاتھ تمہارے لئے کچھ [illegible] بھیج رہی ہوں۔ بس ابھی تمہاری شاپنگ کر کے ہی آرہی ہوں۔ کوئی خاص چیز چاہئے ہو تو بتاؤ۔" سارہ نے اتنی چاہت سے پوچھا تھا، وہ فرمائش کیسے نہ کرتی۔

"آپ کے ہاتھ کا اچار [illegible]"

"ہیلو ٹھیک ہے اور کچھ۔" وہ [illegible] ہو گئیں۔

[illegible] آپ [illegible] جائیے [illegible] دل چاہ رہا ہے آپ کی آواز سنتی رہوں۔" ریم نے پیچھے سے آنکھوں سے بہنے والے آنسو پونچھے۔

"میں بھی تو تمہاری آواز سننا چاہتی ہوں۔" سارہ کی آواز بھرا گئی۔ "پھر تم کب آؤ گی؟" وہ فوراً سنبھل گئی تھیں۔ ایک لمحہ سارہ سے باتیں کرتے دل بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ فون بند کرتے وقت ایک تیمور کی بشاشت سے بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔ ایک بار پھر تیمور کا خیال، اپنا [illegible] کے بدلے ہوئے انداز یاد آگئے۔ وہ اب اس کے گھر میں نہیں تھی۔ اس کی حصہ دار نہیں تھی، شاید اس لئے دشمنی ختم کر کے دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

صبح اسے کالج جوائن کرنا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آکر تیاری میں مصروف ہو گئی۔ تب تک رائد نے فون نہیں کیا تھا۔ اپنی ناراضگی کا اظہار پوری طرح کرنا چاہتا تھا۔ ریم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اب اس کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنے آپ کو اس سے بہت دور رکھنا چاہتی تھی۔ جانتی تھی کہ رائد اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

دوسرے دن شام ڈھلے رائد آیا تھا۔ ریم کو کالج سے واپس آئے تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ دادا جان ابھی تک نہیں آئے تھے۔ خلاف توقع وہ ریم سے بڑی تپاک سے ملا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی وہ ناراضگی کا بھرپور اظہار کرے گا۔ اسے بے نقط سنائے گا۔ وہ [illegible] اب میں بہت کچھ کہنے کو تیار بیٹھی تھی مگر اس کا [illegible] پہلے سے زیادہ خوشگوار تھا۔

"بہت دن ہوگئے، چلو باہر کہیں چلتے ہیں۔"

"ابھی دادا جان نہیں آئے ہیں۔ آج ان کی میٹنگ [illegible] ہے، ابھی آکر مجھ سے [illegible] کے رہے [illegible] بھی آج بہت تھکی ہوئی ہوں [illegible] جلدی کھانا کھا کر جلدی سو جاؤں گی۔"

[illegible] ریم نے [illegible] سے منع کر دیا۔

"ٹھیک ہے! اس ہفتے تو میں بھی بہت بزی ہوں۔ تمہاری طرف آ بھی نہیں سکوں گا۔ اب ویک اینڈ پر ہی جا سکیں گے اور اب تم کوئی اور پروگرام مت بنا لینا۔"

دادا جان آگئے تھے۔ وہ ان کے پاس بزنس میٹنگ کے بارے میں ڈسکس کرتا رہا۔ رائد اس سارے عرصے میں خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ کھانا سب نے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد وہ فوراً ہی چلا گیا تھا۔ ریم اس سے پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ وہ جلد سونا چاہتی ہے۔ نیند کا تو بہانہ تھا۔ وہ تو صرف سوچنا چاہتی تھی۔ بہت کچھ تھا ذہن میں۔ اسے اب بہت سمجھداری سے رائد کو ہینڈل کرنا تھا۔ وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے۔ نہ وہ چاہتی تھی کہ وہ اسے زود رنج تھے۔ وہ اس سے خوفزدہ یا پریشان نہیں تھی۔ یہ تو اس کی فطرت کا خاصہ تھا کہ وہ کسی کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ دکھ نہیں دے سکتی تھی۔ بہت صلح جو طبیعت کی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو خود تو ہر تکلیف اٹھا لیتے ہیں لیکن ان کی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچے یہ گوارا نہیں کر سکتے۔ وہ کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی اسی لئے سوچ رہی تھی جہاں تک اس سے بن پڑے رائد کو خود ہی کسی پیش قدمی سے روکے رکھے گی۔ اگر حالات اس کے بس میں نہ رہے تو پھر دادا جان کو بتانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ خاندان کے سربراہ اور اس کے سرپرست تھے۔ انہیں اعتماد میں لینا ضروری تھا۔

پورے ہفتے کے دوران ریم بری طرح مصروف رہی۔ ٹیسٹ اور فائنل کا ورک بہت زیادہ وقت طلب اور محنت طلب تھا۔ اسے بڑا مشکل اسائنمنٹ ملا تھا۔ اس کے سلسلے میں اسے کئی جگہوں کو وزٹ کرنا تھا۔ ریسرچ کرنی تھی۔ رپورٹ بنانی تھی۔ وقت بھی کم ملا تھا اس لئے وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کی تیاری

مشغول ہو گئی تھی تاکہ اسے وقت پر Submit کر سکے اور اسی مصروفیت میں دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا۔ ویک اینڈ آگیا اور اسی صبح اسے سارہ کا بھیجا ہوا سامان ملا۔ بہت خوبصورت زرد سوٹ تھے اور ساتھ ہی ایئر ٹائٹ ڈبوں میں گاجر کا حلوہ تھا۔ اس نے اسی وقت سارہ کو فون کیا۔

شام کو ہی اس نے جامنی کلر کا سوٹ پہنا جو اسے سب سے زیادہ پسند آیا تھا۔ ویسے سب سے خوبصورت تھا بھی یہ رنگ بھی ریم پر بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ رائد جس وقت اندر آیا اس پر نظر پڑتے ہی بے اختیار کہہ اٹھا۔

"واؤ زبردست لگ رہی ہو۔"

"تھینکس!" وہ سادگی سے مسکرائی۔

"یہ رنگ تم کو بہت سوٹ کرتا ہے اور سوٹ تو بہت خوبصورت ہے۔" وہ کپڑوں کی بھی تعریف کر گیا۔

"یہ مجھے ممانی جان نے بھیجا ہے۔ آج ہی سامان آیا ہے اور سوٹ بھی ابھی دکھاؤں۔" رائد نے اس کی تعریف کی تھی۔ وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔ بھاگ کر کپڑے اٹھا لائی۔ رائد نے سب کی بہت تعریف کی۔ سب کپڑے تھے ہی بہت خوبصورت۔

"ویسے آج میں بھی تمہیں شاپنگ پہ لے جا رہا ہوں۔"

"کس خوشی میں۔" وہ الرٹ ہو گئی۔

"میرا دل چاہ رہا ہے اس لیے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔ "پہلے شاپنگ پھر ڈنر آفر میں مووی۔"

"میں نو اتنا لمبا پروگرام نہیں۔" ریم نے اسے فوراً ٹوکا۔ "انگلش مووی تو میں سرے سے دیکھتی نہیں اور سینما ہال میں تو ناممکن۔ ویسے بھی دادا جان اتنی دیر تک باہر رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"رات؟" وہ تپ گیا۔ "تم میرے ساتھ باہر جا رہی ہو۔ دادا جان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"ہم نہیں بے شک اعتراض نہیں ہوگا لیکن میں خود ایسا نہیں چاہتی۔" وہ بڑے آرام سے بولی۔

"تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں؟" حیرت سے ریم کی طرف دیکھا۔ وہاں بلا کا سکون تھا۔ چہرے پر۔

"مجھے تمہارے ساتھ جانے سے انکار نہیں تمہارے پروگرام سے اختلاف ہے۔ میں مووی نہیں دیکھتی ہوں اور نہیں دیکھوں گی۔ یہ تو طے ہے۔ تمہیں بھی اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"اوکے نو پرابلم۔" وہ سیدھا ہو گیا۔ "دادا جان کو بتا کر آجاؤ۔ میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اسے جا کر جلدی تیار ہونے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس نے دادا جان کو بتایا کہ وہ رائد کے ساتھ باہر جا رہی ہے۔ اپنا GSM اٹھایا اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے رائد پر نظر ڈالی وہ مسکرایا۔ اپنا موبائل بند کر دیا تھا وہ اسے سیدھا جیولرز کے ہاں لے آیا۔

"پسند کرو۔" کئی بریسلٹ اس نے ریم کے سامنے رکھے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے رائد۔" وہ جھجک کر پیچھے ہٹی۔ وہ سمجھتی تھی اتنا قیمتی تحفہ دینے کے بدلے میں کیا ڈیمانڈ کر سکتا تھا کوئی یہاں تک۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں ضرورت ہے کہ نہیں۔ بحث نہیں کرو پسند کرو جلدی سے ورنہ میں خود پسند کر کے پہنا دوں گا۔" رائد نے ایک کے بعد دوسرا بریسلٹ اٹھا کر دکھانا شروع کیا۔

"اتنا قیمتی تحفہ میں نہیں لوں گی۔" وہ اور بپھر گئی۔

"ابی تو!" وہ بریسلٹ ہاتھ میں لیے اس کی طرف گھوما۔ "تحفہ تحفہ ہوتا ہے ریم! اس کی قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ دینے والے کی محبت دیکھی جاتی ہے۔ وہ کیا اہمیت کیا مقام رکھتا ہے آپ کی زندگی میں اسے نظر میں رکھا جاتا ہے اور بس۔" ریم آنکھوں سے نظریں چرا گئی۔ وہ جیسے ہی مسکرائی۔

"میں تو تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔ تمہاری محبت، خلوص کا اندازہ ہے مجھے ثبوت کے لیے کسی تحفے کی ضرورت نہیں۔"

"اور مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔" اس نے پلٹ کر دوسرا بریسلٹ اٹھایا۔ ریم کا ہاتھ پکڑا اور اسی وقت اسے پہنا دیا۔ وہ منع کرتی رہ گئی مگر وہ پے منٹ کر کے اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل آیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر وہ جتانے کے انداز میں بولا۔

"تم بہت ضدی ہو اس لیے تمہارے ساتھ زبردستی کرنی پڑتی ہے۔"

"میں ضدی نہیں ہوں۔ اصول کی بات ہے۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔" وہ ناراضگی کا اظہار کیے بغیر بولی۔

"اپنے اصول اپنے پاس رکھو۔ تمہیں صرف خوشی کا خیال رکھنا چاہیے ابھی سے میرے قدم سے قدم ملا کر چلنا سیکھ لو۔ زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔" وہ بڑے پیار سے بولا۔ انداز میں تنبیہ بھی تھی۔

وہ دل خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ڈنر کینڈل لائٹ میں تھا۔ تحفہ اور دادا جان کو ضرور بتائے گی اور ان سے مشورہ بھی لے گی۔

"ٹھیک ہے چلیں۔" اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہ بولا۔

"تمہاری مرضی۔" وہ جیسے چڑ گئی۔

"اپنی مرضی پر چلاؤ تو تم ناراض ہو جاتی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس یہ خیال کرو میں یہ سب پسند نہیں کرتی۔"

اس نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی شکل دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

ڈنر کے بعد وہ اسے گھر چھوڑ کر باہر سے ہی چلا گیا۔ وہ اندر آئی تو دادا جان کے پاس سیدھی چلی آئی۔ وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھے اپنا فیورٹ ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔

"دادا جان! یہ مجھے رائد نے گفٹ دیا ہے۔" اس نے بریسلٹ اتار کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میں لینا نہیں چاہتی تھی مگر وہ ناراض ہونے لگا تو مجھے لینا پڑا۔"

انہوں نے بریسلٹ پر نظر ڈالی۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر محبت سے مسکرائے۔

"وہ تمہارا ہونے والا ہے اتنا تو حق بنتا ہے اس کا تحفے دینا اچھی بات ہے۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ ایسا کرو تم بھی اسے ایسا ہی قیمتی سا گفٹ دے دو۔"

ریم کے سر سے بوجھ سا اتر گیا۔ دادا جان کو بتا کر اس نے ٹھیک فیصلہ کیا تھا۔ اب مشورہ بھی ان سے ہی لینا تھا۔

"کیا دوں؟ مجھے تو کوئی آئیڈیا بھی نہیں ہے۔"

"کل چلیں گے شاپنگ سینٹر اور وہیں دیکھ کر لے لیں گے۔" انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"پھر جب رائد آئے میرے سامنے اسے یہ گفٹ دینا۔"

ریم کو ایک گونا اطمینان ہوا تھا۔ اس کی رہنمائی اور حفاظت کے لیے دادا جان کا گھنا سایہ اس کے سر پر تھا۔

دوسرے دن وہ دونوں دیر تک شاپنگ سینٹر میں گھومے۔ ریم کو اس دن احساس ہوا دادا جان کس قدر Choosy تھے۔ ریم کو تو ہر چیز فوراً پسند آجاتی مگر وہ اور دیکھ لیں کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔ بڑی مشکلوں سے انہیں ایک رسٹ واچ پسند آئی تھی مگر وہ واقعی لاجواب تھی۔ جس کے ڈائل پر ڈائمنڈز لگے تھے۔ قیمتی ہونے کے ساتھ ساتھ حسین بھی تھی۔ وہ ان کی

پسند کی قائل ہو گئی۔ فوراً ہی گھڑی گھڑی دل گئی۔ وہ اسے جلد سے جلد گفٹ کرنا چاہتی تھی مگر پورا ہفتہ گزرنے کے باوجود رائد نہیں آیا تھا البتہ اس کا فون آگیا کہ وہ لندن کے لئے تیار کر جا رہا تھا ماں سے مل کر آجائے تک۔ ریم اس کے جانے کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ ایک دفعہ تو دل میں آیا پوچھ لے جتا ہوا کہ ابھی گھر تجا سے اب تک نہ لگے۔ رائد سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے بس اس کے معاملات سے "اس میں کوئی اخلاقی جرأت نہیں تھی اپنی زندگی کے اس گھناؤنے روپ سے خود پردہ اٹھانے کی۔ بلکہ ریم کو دوسروں کے گریبان میں جھانکنے کی نہ ہی ان کے راز فاش کرنے کی عادت نہیں تھی۔ نہ ہی کسی کو نیچا دکھانے کی عادت تھی۔ اس کی تربیت سادہ سے مخلص ماحول میں ہوئی تھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔

رائد لندن کا کہہ کر گیا تھا مگر چار دن کے بعد آیا تھا اور آتے ہی اس سے ملنے آگیا تھا۔ وہ اتنا خوش باش اور ترو تازہ تھا کہ ریم اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا جا چکا ہے۔ ریم سے بے تحاشا باتیں کرتے ہوئے کئی بار اس نے کہا کہ پھوپھو اسے بہت یاد کرتی ہیں۔ نغمہ اور ندا کو وہ بہت پسند آئی ہے اور یہ کہ پھوپھو نے خاص طور سے رائد کو تاکید کی ہے کہ وہ ریم کا بہت خیال رکھا کرے۔ وہ لبوں پر ہلکی مسکراہٹ لئے اس کی باتیں سنتی رہتی۔ اسے دادا جان کا شدت سے انتظار تھا۔

انہوں نے آتے ہی ریم کو کھانا نکالنے کے لئے کہا۔ وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر اکٹھا ہوتے۔ کھانے کے دوران رائد انکل ہی سے مخاطب رہا۔ ماں کی باتیں گھر کے حالات سب باتیں کیں سوائے اس ایک بات کے جس کے لئے وہ گیا تھا اور وہ ریم جانتی تھی۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ وہ سب اٹھ کر لاؤنج میں آگئے۔ جب ہی ریم نے اس کی طرف گفٹ بڑھایا۔

"یہ کیا؟" وہ حیران ہوا۔ "کس لئے؟"

"میری مرضی۔" وہ سادگی سے مسکرائی۔ "ابھی خوشی پوری کرنے کا مجھے حق نہیں۔"

"احمق لڑکی۔" رائد کا دل جل کر خاک ہو گیا۔ گفٹ بھی دیا تو تنہائی کے بجائے سب کے سامنے' اس قدر روٹھنے والے انداز میں۔

"رکھ لو رائد! اس نے بڑی محبت اور شوق سے تمہارے لئے خریدی ہے۔ اپنے دونوں بھائیوں حارث اور لمعاذ کے لئے بھی ایسے ہی تحفے لے کر گئی تھی۔"

"وہ ریم سے چھوٹے ہیں نا تب تو۔" رائد کی تنہائی بیچ میں ہی سے اٹھ گئی تھی۔

"اور تم بڑے بھائی ہو' تم ریم کا خیال رکھتے ہو۔"

"بہت بھائی!" رائد کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"تمہاری شکر گزار ہے اور یہ اس کا جواب ہے تمہیں اس کی فیلنگز کا خیال کرو۔ اسے بچپن سے انہوں نے پالا ہے [illegible] مسکراہٹ دبا کر ریم کو دیکھا تھی۔ وہ پھر رکا نہیں جلدی اٹھنے کا بہانہ بنا کر اس نے ناراض ناراض سے انداز میں جو جانا تھا جلدی چلا گیا۔ ریم ہنسی کی طرف اسے چھوڑنے آئی مگر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر تنک سے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ دھڑ سے بند کیا اور زن سے چلاتا ہوا گاڑی نکال لے گیا۔

ریم کا ایک اسائنمنٹ تو مکمل ہو گیا تھا اس نے اسے Submit کر کے چین کی سانس لی۔ دوسرے کے لئے ابھی ایک ہفتہ باقی تھا اس نے رائد سے اب کسی بھی ٹیوننگ کے لئے معذرت کر لی تھی۔ اسے بالکل وقت نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے فائنل اگزامز میں ایک مضمون ہی رہتا تھا۔ رائد اس پرابلم سمجھتا تھا اس لئے دوبارہ نہیں کہا۔ وہ زیادہ وقت جتنا بھی نہیں تھا' جاتا تھا وہ رات گئے تک اسٹڈی کیا کرتی تھی۔

بڑی محنت اور لگن سے امتحان کی تیاری میں مصروف تھی اور ساتھ ہی چار دن یہ خیال بھی

میں رہنا کہ اب کچھ دنوں بعد وہ پاکستان جانے والی تھی سامان سے ملنے' انہیں دیکھنے اور ان کی محبتا بھی چھوٹی میں کچھ عرصہ بھرے گزارنے جانے کیلئے سامان سے ساتھ ساتھ اسے اب تیمور کا خیال بھی آجاتا تھا۔ بہت خوش ہو گا وہ اس کے گھر سے چلنے آنے پر۔ کسی کی طرح مشکل سے جو ہر وقت اسے اب تو اپنے دوستوں کو بھی گھر لانا ہوتا ہوگا' وہ جو وہاں نہیں رہی۔

ریم نے اپنا امتحان ختم ہونے کے ایک ہفتے بعد کی سیٹ بک کرالی تھی۔ اپنے امتحانوں کے دوران وہ انکل بہت سی بزنس میٹنگز اٹینڈ نہیں کر پائی تھی۔ دادا جان نے اسے اہم معاملات پر ڈسکس کرنا تھا ابھی انکل سے ملنا تھا۔ پھر جانے سے پہلے فل شاپنگ کرنا تھی۔ اب سب کاموں کے لئے ایک ہفتہ کافی تھا۔

جس دن اس کا آخری پیپر تھا اس کی ہاؤس کیپر نے گھر چھٹی پر ہونے کی وجہ سے وہ سویرے ہی جا چکی تھی۔ ریم نے اسے اگلے دن تک کی چھٹی دے دی تھی۔ [illegible] آنکھ کھلی اور بیل کی آواز' وہ جلدی اٹھی جب نیچے آئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے رائد کھڑا تھا۔

"آج میرا بہت سی باتیں کرنے کا موڈ ہو رہا ہے میں [illegible] چلا آیا۔ گھر بھی نہیں گیا' ایک ہفتے بعد تم چلی جاؤ گی اور اس ہفتے کے دوران تمہیں [illegible] کا نام نہیں [illegible] گے۔" اس کا بکھرا بکھرا حلیہ دیکھ کر رائد نے اپنے جلدی آنے کی وضاحت کی۔ ریم نے ہنس کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"تم بیٹھو' میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"میں اتنی دیر میں چائے بنا رہا ہوں' تم جلدی آنا۔"

"ارے نہیں' تم بیٹھو' میں آ کر بناؤں گی۔"

وہ [illegible] سے پلٹ کر بولی۔ مگر وہ اسے ہاتھ سے [illegible] ہوئے کچن میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ حلیہ درست کر کے واپس آئی۔ رائد چائے کے ساتھ اس کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

"تیاری ہو گئی جانے کی۔" اس نے کپ میں چائے انڈیل کر ریم کی طرف بڑھائی۔

"ابھی کہاں' دو تین دن میں تو میں دادا جان کے ساتھ بزی ہوں۔ اس کے بعد شاپنگ کروں گی۔"

"کتنے دن کا پروگرام ہے' تمہارا' واپس کب ہو گی۔" وہ اپنی چائے کا کپ لے کر تھوڑے فاصلے پر پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اب دو مہینے بعد نیا ٹرم شروع ہو گا۔ میرے خیال سے میں یہ سارا عرصہ ہی گزار کر آؤں گی۔" وہ بڑے آرام سے بولی۔

"تم سے یہ کہنا تو بے کار ہی ہو گا کہ جلدی آجانا کیونکہ تم اپنی مرضی چلاتی ہو ان معاملات میں' میری فیلنگز کا کوئی خیال نہیں کرتیں ایسے وقت۔" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"رائد! تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میں اکیلی نہیں ہوں۔ ایک پورا خاندان ہے میرے ساتھ۔" ریم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ میرے حالات بھی تم سب سے مختلف ہیں۔ مجھے ہر کسی کا خیال رکھنا ہوتا ہے' سب کو خوش رکھنا چاہتی ہوں۔"

"سب کا خیال رکھو' سب کو خوش رکھو سوائے میرے۔" وہ جل کر بولا۔

"ایسا نہیں رائد!" وہ بڑے رسان سے بولی۔ "دیکھو میں سمجھتی ہوں کہ یہ میری بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ جن جن لوگوں کی سپورٹ مجھے حاصل ہے جو اپنی ذات سے بڑھ کر میرا خیال رکھتے ہیں میں انہیں اپنی طرف سے شکایت کا موقع نہ دوں۔ مجھ سے کسی کو کوئی دکھ نہ پہنچے اس لئے مجھے تمہارا بھی خیال رہتا ہے۔"

"اچھا!" وہ چہرے سے تپا۔ "چلو اسی بات پر یہاں آ کر بیٹھو میرے پاس۔" اس نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر ہاتھ رکھا۔ ریم نے ایک نظر اس پر ڈال کر سہولت سے انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے میں یہاں ٹھیک ہوں۔"
"میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔" اس نے برا منہ بنا کر کہا۔ ریم نے پھر بھی نفی میں سر ہلا دیا۔
"یہ کیونکہ میرا اعتبار نہیں ہے۔" وہ اسے امپوسبل بلیک میل کرنا چاہتا تھا مگر ریم نے بڑے مضبوط لہجے میں کہنا شروع کیا۔
"اعتبار ہے یا نہیں اس کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا میں تو اتنا بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ ہمارے مذہب نے کچھ حدود مقرر کی ہوئی ہیں مرد اور عورت کے مابین اور ہمارے معاشرے کی کچھ Values ہیں جن کا احترام ہر مسلمان پر لازمی ہے۔ اسلام میں محرم اور نامحرم کا Concept بہت واضح ہے اور میں اسے بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تمہارے اور میرے درمیان ہمیشہ ایک حد فاصل رہے گی کیونکہ تم میرے نامحرم ہو۔"
"میں تمہارا نامحرم ہوں اور جس کے گھر میں دس سال گزار کر آئی ہو۔ تمہارا وہ کزن تمہارا نامحرم نہیں تھا؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔ ریم نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" رائد کا بھڑکنا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔
"کم آن یار! تم اتنی پارسا بھی نہیں ہو تو نہیں رہی ہو گی۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بولا۔
"بکواس کر رہے ہو تم۔" ریم کا منہ غصے سے اتر گیا تھا۔
"یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔ اس کے گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے دن رات ساتھ رہتے ہوئے کیا اس نے تمہیں کبھی چھوا نہیں ہو گا۔ تم اس کی محبت میں [illegible] تھیں بھی لگتی ہو گی۔ کیا اس نے کبھی موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا ہو گا۔" وہ [illegible] تھا شک کا زہر اگل رہا تھا۔ ریم کی [illegible] آنکھوں میں [illegible] حیرانگی سے مسکرایا۔
"تم کتنی حسین ہو اپنے نام کی طرح [illegible] جیسی معصوم وہ [illegible]
[illegible] سا تمہارا حسن ہے۔"
"شٹ اپ۔" وہ ایک دم ہوش میں آ کر [illegible] جانے کیسے سختی [illegible] کی اب تک یہ [illegible]
"تم اس منہ سے کسی اور سے یہ [illegible] کرنے باہر رہتا تھا اس نے آج تک نظر بھر کر دیکھا تک نہیں۔ تم چھونے کی بات کرتے ہو [illegible] وجہ سے وہ اپنے دوستوں کو گھر نہیں لاتا تھا کہ کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑے اور تم کہتے ہو اس نے [illegible] سے فائدہ اٹھایا ہو گا۔" [illegible] اس نے نفرت سے رائد کی طرف دیکھا۔
"اتنی طرف داری مت [illegible] بھول تو بھی نہیں [illegible] گئے تم"
"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟" رائد نے [illegible] سے کہا۔
"[illegible] تم جو کیا ہو اچھی طرح جانتی ہوں [illegible]"
"کیا جانتی ہو [illegible] نے [illegible] نظروں سے دیکھا۔ شک تو ہو رہا تھا [illegible] ذہن سے [illegible] چاہتا تھا۔
"سب کچھ [illegible] کے بعد [illegible] شرم نہیں اس لئے جانتی تھی کہ [illegible] اپنے گناہ کا اعتراف اور [illegible] جرأت [illegible] نہیں ہے کیونکہ اب بھی اپنی اولاد کو [illegible] دور [illegible]"
"تمہیں کیسے پتہ چلا کس نے بتایا؟" [illegible] ہوا مگر شکست [illegible] سے سرسری انداز میں [illegible]
"[illegible] تمہیں کیا فرق پڑتا ہے [illegible] ساتھ [illegible] کرتے ہوئے [illegible] تمہارے [illegible] ثابت کر لینے سے اس کی [illegible] قیمت اس نے [illegible] چاہتے [illegible]
[illegible]

[illegible] نظروں سے دیکھ رہی تھی اسے رائد کو وہ جیسا [illegible] الجھا ہوا تھا۔
"دیکھو ریم! اب تم جان گئی ہو تو کچھ نہیں چھپاؤں گا تم سے نہ جھوٹ بولوں گا۔ میری اس سے بہت طویل انوالومنٹ رہی ہے۔ میں اس کے ساتھ شاید شادی بھی کر لیتا مگر وہ میرے ساتھ Sincere نہیں تھی۔ میرے لئے کچھ بھی Sacrifice کرنے کو تیار نہیں تھی اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اسے [illegible] میں نے [illegible] کی [illegible] وہ میرے قابل تھی ہی نہیں میں اس کے ساتھ کمپرومائز نہیں کر سکتا تھا صرف بچے کی خاطر ساری زندگی اس کے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا۔ ان فیکٹ ہم ایک دوسرے کے لئے تھے ہی نہیں [illegible] درمیان کوئی [illegible] نہیں بن سکتا تھا۔ تم سے ملنے سے پہلے یہ فیصلہ ہو چکا تھا میں اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ چکا تھا اس لئے تم اس ناطے کو دل میں [illegible] تمہاری وجہ سے اسے اور اپنے بچے کو چھوڑ [illegible]" [illegible] نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"[illegible] نہیں ہے۔"
"تو پھر ناراض کیوں ہو؟" [illegible]
"[illegible] نہیں ہوں۔" وہ بڑے تحمل سے [illegible]
"[illegible] پریشان [illegible] اس کی [illegible] پر گہری [illegible]
[illegible]

اپنا دل اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آیا تھا۔
"یہ سب تو اس وقت ہو گا جب میں تمہارے ساتھ ہوں گی اور اس کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ رائد کو وہ دور جاتی لگی اور وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا کسی قیمت پر نہیں، اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔
"اگر تمہیں صرف یہ بات پیچھے ہٹنے پر مجبور کر رہی ہے کہ میری کسی سے [illegible] رہی ہے تو یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ مردوں کی زندگی میں ایسے کئی پڑاؤ آتے ہیں۔ آج میں تم سے سب کچھ کہنے کی ٹھان چکا ہوں کیونکہ اب باقی زندگی تمہارے ساتھ پوری ایمانداری سے گزارنا چاہتا ہوں۔ میری ایک نہیں کئی لڑکیوں سے انوالومنٹ رہی ہے مگر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا کرتا ہے تو غلط کہتا ہے۔ میں نے بھی سب کے ساتھ وقت گزارا ہے بس اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ جتنا خلوص میں تمہارے لئے ہوں کبھی کسی کے لئے نہیں ہوا۔ آئی لو یو ریم and with my heart and with my soul" وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ ریم نے ایک سرد سی نگاہ اس پر ڈالی۔ [illegible] سے لہجے میں بولی۔
"پلیز رائد! اس ناٹک کو ختم کرو۔ [illegible] میں پہلے بھی تمہارے حق میں فیصلہ نہیں کر سکی تھی کیونکہ میں یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی۔ تمہارے میرے بیچ بنیادی اختلاف تو اسی بات پر سر اٹھا آیا کہ تم یہاں رچ بس گئے ہو۔ تمہاری جڑیں یہاں اتنی مضبوط ہیں کہ تم محض میری خاطر یہ سب نہیں چھوڑ سکتے۔ اب تو تمہارا کردار کھل کر میرے سامنے آ گیا ہے۔ آج جو بہتان تم نے میرے اوپر لگایا ہے اسے دوبارہ تمہارے منہ سے سننے سے پہلے میں مرنا گوارا کروں گی اور تم [illegible] سے باز نہیں آ سکو گے کیونکہ تم خود اچھی [illegible] تمہاری نظر [illegible] جانتی نہیں [illegible] نظر سے دیکھتے ہو [illegible]
[illegible]

پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ حقیقت میں پارسا ہوتے ہیں اور میں ایسے کسی مومن کے گھر میں رہی ہوں، دس سال تک۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے مگر اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ پلکیں جھپک کر اندر ہی اندر اتار لیے۔ کمرے میں اندھیرا ہو چکا تھا۔

"او کے آئی ایم سوری" وہ بالکل نرم پڑ گیا۔ "مجھے غصہ آ گیا تھا۔ آئندہ کبھی ایسی بات نہیں ہوگی۔"

"آئندہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے اور پلیز اب تم جاؤ۔" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھو مریم! ہم اس موضوع پر ابھی بات کر سکتے ہیں۔ بلکہ میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے سامنے [illegible] اسے سمجھانا چاہا۔

"زندگی شرطوں پر نہیں گزاری جاتی رائد! تم اس حقیقت کو قبول کر لو کہ میں کسی قیمت پر تمہارے ساتھ نہیں [illegible] ہوں۔ میں یہاں belong نہیں کرتی۔ اس لیے واپس [illegible] یہاں کے سارے سلسلے ختم کر سکے۔" وہ پھر آگے بڑھنے کو ہوئی مگر اس کے راستے میں آ گیا۔ [illegible] دونوں ہاتھ رکھے تن کر کھڑا تھا اور جب بولا تو منہ سے انگارے برسے۔

"میں جان گیا ہوں۔ تم اس کے [illegible] ہوئی جس کے ساتھ دس سال رہی ہو، جس کی [illegible] کے دعوے کر رہی ہو اور اس کے لیے میری محبت، برائٹ فیوچر اور Fortune سب چھوڑ رہی ہو۔"

"پھر تم نے نیا الزام لگایا۔" وہ [illegible] ہنس دی۔

"الحمدللہ! آپ سے باہر ہو گئی بات۔ ثبوت ہے کہ تمہارے دل میں چور ہے۔ تمہارے [illegible] میں تمہاری شرم [illegible] تمہیں [illegible] نہیں ہے۔ تمہیں جھوٹ [illegible] الجھنے ہونے میں وقت لگے گا لیکن اب [illegible] اس اصل بات [illegible] اس کی محبت

میں ڈھلی ہوئی [illegible] میں اندھیرا [illegible] چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر [illegible] ایک [illegible] ہیم کی [illegible] حس بیدار ہو گئی۔ اسے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہوئیں۔ وہ اس کے راستے میں کھڑا تھا۔

"رائد! میرے راستے سے ہٹو۔" اس نے کترا کر کاٹنا چاہا۔

"نہیں! اب میں تمہارے راستے سے نہیں ہٹوں گا۔ تمہیں یہاں سے واپس جانے اور کسی کے قبل بھی نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے بڑھ کر اسے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ ایسی غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کے بازوؤں میں [illegible] اس کی [illegible] سے [illegible] کر آپ کو چھڑانا چاہا [illegible] ڈالا "اس نے پھر بھی نہیں چھوڑا تو پوری قوت سے [illegible] بازو میں [illegible] اس کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑی اور بس یہ ایک لمحہ مریم کے لیے بہت تھا۔ جیسے کوئی غیر مرئی طاقت اس کے جسم میں حلول کر گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے اسے دھکیلا۔ وہ [illegible] گر پڑا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی گرا اور اس کے اٹھنے سے پہلے وہ بھاگ کر [illegible] دروازہ [illegible] وہ [illegible] دروازے سے [illegible] باہر نکال [illegible] کے [illegible] چادر [illegible] کی [illegible] میں [illegible] اس [illegible] نے [illegible] دروازے سے [illegible] بہت موقع پا کر [illegible]

"یہ [illegible] میں [illegible]"

[illegible]

ہم دروازہ نہ کھولو بس اتنا کہہ دو تم نے مجھے معاف کیا۔ پلیز ریم! تم ناراض ہوتا مجھے معاف کر دو۔" وہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی مگر کہہ بھی نہیں سکی کہ وہ چلا جائے۔ آواز نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔ بہت دیر وہ گڑگڑاتا رہا معافیاں مانگتا رہا پھر تھک کر بولا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں لیکن پھر آؤں گا تمہیں اپنا یقین دلاؤں گا جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی مجھے چین نہیں آئے گا۔"

اس کے دور ہوتے قدموں کی آواز کے بعد ہی پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ وہ بے اختیار اٹھی اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکا وہ واقعی جا رہا تھا۔ اس وقت تک کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی جب تک موڑ پر اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے مگر حواس بحال رکھنے کی کوشش میں لگی تھی۔ سب سے پہلا خیال اسے یہی آیا کہ گھر کھلا پڑا ہے۔ کوئی اور بھی اندر گھس سکتا ہے۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر نیچے آئی۔ سب سے پہلے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ لاکڈ تھا۔ راشد جاتے جاتے اسے بند کر گیا تھا۔ ریم نے باقی کھڑکیاں چیک کیں۔ کچن سے نکلنے والا باہر کا دروازہ دیکھا۔ سب کچھ لاکڈ تھا۔ واپس لاؤنج میں آئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ وہاں گڑبڑ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ البتہ سیڑھیوں کے نیچے اس کا دوپٹہ پڑا ہوا تھا جس کا آنچل ریلنگ میں پھنس کر پھٹ گیا تھا۔ وہ اپنا دوپٹہ اٹھا کر دوبارہ اپنے کمرے میں آئی۔ دروازہ لاکڈ کیا۔ ایک دم سے برسوں کی تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے شروع ہوئے تو تکلیف کا احساس بڑھنے لگا۔

اس کے دونوں بازوؤں میں شدید کھنچاؤ ہو رہا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتی آئینے کے آگے کھڑی ہوئی۔ اپنے آپ کو دیکھا۔ اس کی قمیص کی آستین کندھوں پر سے ادھڑ گئی تھی۔ اس نے آستین اوپر سرکا کر دیکھا۔ بازو کی کھال جگہ جگہ سے سکڑ گئی

تھی اور وہ حصہ اب نیلا ہو رہا تھا۔ اس کی گردن پر بھی نشان تھے۔ ڈوپٹہ کھینچنے سے رگڑ لگی تھی اور وہاں ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن میں جلن ہو رہی تھی۔ تکلیف کے ساتھ ساتھ شدت سے اپنی تذلیل کا احساس ہوا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور جانے کب تک روتی رہی۔ یہ اس کا اپنا گھر تھا۔ اپنے گھر میں ہوتے ہوئے اس کی عزت پہ بن آئی تھی۔

دادا جان کے آنے کا وقت ہو رہا تھا اور وہ اس حالت میں کسی صورت ان کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اپنے آنسوؤں کو روک کر جلدی جلدی کپڑے بدلے منہ ہاتھ دھویا اور کمرے کی بتی بجھا کر کمبل اوڑھ کر بیڈ میں دبک گئی۔

دادا جی آ گئے تھے اور ان کی آہٹ محسوس کرتی وہ سوتی بن گئی تھی۔ انہوں نے اس کے دروازے پر دستک دی آواز دی پھر اسے سوتا سمجھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ دل تو چاہ رہا تھا بھاگ کر جائے اور ان کے سینے سے لگ کر انہیں سب کچھ بتا دے۔ وہ ابھی کس ordeal سے گزر کر آئی تھی۔ مگر کیسے بتاتی کن الفاظ میں سوچ سوچ کر سر پھٹنے لگا تھا۔ نیند کوسوں دور تھی۔ صرف سوچوں کی یلغار تھی جو دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھی۔ جس گھر میں اس نے زندگی گزار دی تھی وہ آج اسے اپنا گھر نہیں سمجھتی تھی۔ کس طرح کا اسے گرم ہوا نے چھوا تک نہیں تھا اور اس کا اپنا گھر جہاں وہ آزادی کا سانس لے رہی تھی۔ اپنائیت کا بھرپور لطف اٹھا رہی تھی آج اسے غیر محفوظ لگ رہا تھا۔ ہر کھٹکے پر دل اچھل کر حلق میں آ جاتا۔ آنکھ بند کرتی تو محسوس ہوتا کمرے میں کوئی ہے اور جھٹکے سے آنکھیں کھول دیتی۔ ساری رات اسی کیفیت میں گزر کر آخری پہر کہیں جا کر آنکھ لگی تھی۔ پھر فون کی بیل پر اس کی آنکھ کھلی۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے سوچ کر فون ریسیو کیا کہ دوسری طرف راشد ہو گا اور وہ اس کی بات سنے بغیر فون بند کر دے گی مگر دوسری طرف تیمور کی آواز سن کر اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"مبارک ہو ریم! میں شہر پہنچ رہا ہوں ایئرپورٹ سے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کب آئے اور مجھے پہلے بتایا بھی نہیں۔"

"اصل میں ایمرجنسی میں آنا پڑا۔ تمہارے سرپرائز ہو رہے تھے اس لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان ہو جاؤ۔" مگر ریم نے اس کی پوری بات سنی ہی نہیں۔ ایمرجنسی کا سن کر اس کو تیمور کی فکر لگی۔

"سب خیریت ہے نا۔" اس کا دل کانپا۔

"ان لیکٹ ڈیڈ کو پچھلے ہفتے انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔" وہ رک رک کر بولا۔ جیسے چاہتا تھا کہ وہ ذہن میں بٹھا لے۔

"پچھلے ہفتے اٹیک ہوا تھا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چیخی۔ "اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں۔"

"ڈیڈ نے منع کر دیا تھا ایک تو تمہارے امتحان ہو رہے تھے دوسرے ہمارا خود امریکا آنے کا پروگرام بن رہا تھا تو اسے دن خواہ مخواہ پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب ہم انہیں لے کر پاکستان آ گئے ہیں۔"

"اب کیسے ہیں ماموں جان؟" "اب وہ بہتر ہیں۔"

"ریم پلیز! تم رونا نہیں اور پریشان بھی مت ہونا۔ ڈیڈ ٹھیک ہیں۔" وہ بڑے پیار سے اسے تسلی دے رہا تھا۔

"بتاؤ کہ وہ کب آ رہے ہیں؟" دادا جان اور ممانی سے بات کی۔ منیزہ اور آنٹی سے مل لی۔ میری بات... سنیں...

...ماموں جان کی طبیعت...

"ٹھیک ہے ہم لوگ..."

...سمیری اور دادا جان کی طبیعت پوچھی...

...بعد فلائٹ ہے لیکن ابھی تمہارا...

...بہت ہی ایک گھنٹہ...

...ایک بار...

...جانے کے لیے...

"ٹھیک ہو جائیں گے۔ بس تم تیاری کرو اور دیکھو پریشان مت ہونا۔ ڈیڈ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہیں تمہیں لینے آؤں گا ارے اللہ حافظ!" فون بند کرتے ہی وہ کمرے سے نکلی۔ دادا جان اسے ڈرائنگ روم میں ہی مل گئے۔ اسی وقت اپنے کمرے سے نکلے تھے۔

"دادا جان!" وہ ان سے لپٹ کر رو دی۔

"گھبراؤ نہیں بیٹا! تم تو بہت بہادر ہو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک رہے گا۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے بولے۔

"چلو تیار ہو جاؤ۔ زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"پتا ہے آپ کو سب، بس تیار ہوں دادا جان!"

"میں ابھی چیک کر رہا ہوں۔ مجھے تو دو دن رکنا ہے بس تم اپنی تیاری کرو تمہیں ابھی وہاں رہنا ہو گا۔" وہ اسے وہاں اس کے کمرے میں چھوڑ کر وہ سب کچھ بھول کر سامان سمیٹنے میں لگ گئی تھی۔ جس وقت وہ دادا جان کے ساتھ ہاسپٹل پہنچی سب پھر ہاسپٹل ہی تھے۔ تیمور اور زویا انہیں لینے آئے تھے۔

"ہم بیٹے پچھلے ہفتوں ہی۔" سلام دعا کے بعد اس نے فوراً ہی تیمور سے پوچھا۔

"ہاں ایم ہم سب ہی وقت بتا رہے ہیں۔ ڈیڈ خود بھی جلد سے جلد تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

راستے میں تیمور راستے بھر بیماری کی تفصیل بتاتا رہا اور وہ بار بار اپنے بہتے آنسو پونچھتی رہی۔ اس وقت سب کچھ بھول چکی تھی۔ بس ماموں جان کی صورت نگاہوں میں پھر رہی تھی اور ان کی تکلیف کا سوچ سوچ کر دل بیٹھا جا رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر تو وہ بالکل ہی ضبط کھو بیٹھی تھی۔ کس قدر کمزور ہو گئے تھے۔ بیمار نظر آ رہے تھے وہ۔ ماموں نے اسے اپنے سینے میں بھر لیا اور تب سے بار بار پیار کرتے گئے۔

"آپ نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں بلایا؟" ایک ہی وقت میں شکوہ بھی تھا اس سے اور سارا بات ہوا ہے دیتے وقت بھی... بیماری... تمہیں...

...آنا ان دونوں...

کے پاس چلے آئے۔

"تیمور! بیٹا خود کو سنبھالو اور چل کر اپنے ماموں جان کے پاس بیٹھو۔ وہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔" بڑی مشکلوں سے اس نے خود کو کمپوز کیا۔ اندر کمرے میں آئی۔ تیمور ان کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا اور وہ دھیرے دھیرے لب کچھ کہہ رہے تھے۔ ریم کو دیکھتے ہی انہوں نے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"ریم ادھر بیٹھو میرے پاس۔" وہ ان کے بیڈ پر ٹک کر ان کا سر ہاتھ میں تھام لیا۔ انہوں نے ایک بھرپور نظر ریم پر ڈالی۔ پھر تیمور کو دیکھا۔

"تیمور! میری ایک خواہش ہے' پوری کرو گے بیٹا۔"

"آپ حکم کریں ڈیڈی!" تیمور نے ان کا ہاتھ چوما۔

"میں نے اپنی دم توڑتی ہوئی بہن سے ایک وعدہ کیا تھا۔ مرنے سے پہلے اسے پورا کر کے سرخرو ہونا چاہتا ہوں۔"

"ڈیڈی!" تیمور تڑپ اٹھا۔ "آپ کو کچھ نہیں ہوگا ڈیڈی!"

"زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں بیٹا' کون جانے کل کے بعد میری زندگی میں صبح آئے گی کہ نہیں' زندہ رہا تو تم دونوں کو ہنستے مسکراتے دیکھ لوں گا۔" وہ بہت دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔ رک کر گہری سانس لی۔

"میں اپنی زندگی میں ریم کا تمہارے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں' ابھی اسی وقت' تمہیں اعتراض تو نہیں؟"

"آپ نے کیسے سوچا ڈیڈ کہ آپ کی بات سے انکار کر سکتا ہوں۔ آپ کی خواہش سر آنکھوں پر۔" تیمور نے ان کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگایا۔

"ریم! تمہاری مرضی بھی مقدم ہے بیٹی۔" انہوں نے گم صم بیٹھی ریم کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔ ریم نے کسی روبوٹ کی طرح اثبات میں سر ہلایا اور ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو دی۔

سامنے سے آ کر تنہائی کی طرف دیکھا۔

"بسم اللہ کیجئے! نیک کام میں دیر کیسی۔" انہوں نے بڑی خوش دلی سے رضامندی کا اظہار کیا۔ فوراً نکاح خواں کا انتظام کیا جا چکا تھا۔ ریم کی طرف سے نکاح اور ایزد گواہ بنے اور تیمور کے لئے ریم کے چچا اور حارث نے گواہ کے طور پر دستخط کیے۔ یوں ایک مختصر سی تقریب میں دونوں ایک دوسرے کی زندگی بھر کے ساتھی بن گئے۔ بظاہر الگ الگ منزلوں کو جانے والے اب ایک ہی راہ کے مسافر ہو گئے تھے۔ نکاح ہوتے ہی ماموں نے ریم کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میری برسوں کی تمنا آج پوری ہو گئی۔ میری بیٹی' میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔" [illegible] دعائیں کر رہی تھیں۔

"اس نکاح کی خوشی میں منہ تو میٹھا کرائیے نا۔" حارث نے [illegible]

"جی ہاں! یہ مٹھائی کہاں سے آئے؟" ایزد نے فوراً اتنوازی کی۔

"تیمور بھائی لاتے تھے [illegible] اپنی جیب [illegible] چھپا کر۔" حارث بھائی کرنے لگا تو سب [illegible]

"اسٹوپڈ! بابا کے ساتھ میں کیا تھا [illegible] اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ تاشی سے ساتھ ساتھ مٹھائی بھی تو بانٹی جاتی ہے۔" حارث نے اس کے آگے مٹھائی کا ڈبہ اٹھایا اور تیمور کی طرف بڑھایا۔

"یہ تو جتنی سویٹ ہے' منہ ہو نا۔" تیمور کو سٹپٹا کر تو سب ہی [illegible] کرنے لگے۔

"ارے جتنی چاند سورج کی جوڑی ہوئی ہے [illegible]

امریکہ میں رہتے ہوئے بھولا تھوڑی ہوں [illegible] ابھی تو میری آپ لوگ حیران نہ ہوں [illegible] جو ہونے سے پہلے مٹھائی چکھ لیں۔" ایزد کو [illegible] پسند کی یہ جانے پر آیا تو سب کے لئے تھا۔ سب لوگ بے انتہا خوش تھے۔ ہاسپٹل کے کمرے میں جیسے شادیانے بج رہے تھے۔

"ریم اپنے پاس آ کر بیٹھو۔" [illegible]

پاس آ گئی۔

"خوش رہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ان کے چہرے پر پھیلے گہرے سکون کو دیکھ کر ریم نے مسکرا کر سر جھکایا۔

"اگر واپسی کا سفر نصیب ہوا تو تمہارے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیے۔ پھر مجھے آپ سے ایک لمبی لڑائی کرنی ہے۔ آپ نے مجھے اپنی بیماری کی اطلاع نہیں دی۔ اپنے اتنی تکلیف اٹھائی۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔

"اچھی بات ہے۔" وہ بہت دھیرے سے ہنسے۔ "اب تو اپنے خدا سے لڑ کر تمہارے پاس لڑنے کے لئے واپس آنا پڑے گا۔"

"کیا سازش ہو رہی ہے سسر بہو میں' ہم بھی تو سنیں۔" دادا جان قریب آئے تو ریم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ لگایا۔

"آپ [illegible] اچھا سلوک کرتے ہیں رضا بیٹا! [illegible] اتنے دن کے لئے نہیں [illegible] اب ہم اپنے [illegible] گھر میں رونق لگی ہو گی۔"

خوب رونق لگی ہوئی تھی مگر اب [illegible] تیمور نے دادا کو ڈرائیور کے ساتھ گھر بھیج دیا تھا اور خود ہاسپٹل میں رک گیا تھا۔ وہ سارہ کے [illegible] اسے دیکھتے ہی [illegible] گیا۔

[illegible] ریم! شام سے رات [illegible] فون [illegible]

تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔

دوسرے دن صبح نو بجے آپریشن ہونا تھا۔ کسی کو نیند کیا آتی' سارہ اور ریم ایک ہی مصلے پر ساری رات بیٹھی رہی تھیں اور صبح پو پھٹتے ہی ہاسپٹل پہنچ گئی تھیں۔ کئی گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹرز کی صورت نظر آئی تھی۔ آپریشن کامیابی سے ہو چکا تھا۔ ان سب کی دعائیں رنگ لائی تھیں۔ رضا کو نئی زندگی مل گئی تھی۔ چوبیس گھنٹوں بعد وہ خطرے سے باہر نکل چکے تھے۔ ان کے پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد انہیں تھوڑی دیر کے لئے جگایا بھی گیا۔ اب وہ سب سے بات کر سکتے تھے اور جس رفتار سے ریکور ہو رہے تھے ڈاکٹرز بہت مطمئن تھے۔

"تیمور! تم ریم کو لے کر گھر جاؤ۔ تمہارے ڈیڈی کے پاس آج میں رہوں گی۔ تم لوگ کل سے پل بھر کے لئے ان کے پاس سے نہیں ہٹے۔ اب گھر جا کر آرام کرو۔" سارہ نے تیمور کے ناراض ہونے کے باوجود زبردستی اسے ریم کے ساتھ بھیج دیا۔

گاڑی تک دونوں خاموشی سے آگے پیچھے چلتے آئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر بھی وہ خاموش رہی۔ اس کی طرف سے منہ موڑے باہر ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی دفعہ شہر میں نکلی ہو۔ تیمور نے دو تین دفعہ اس کی طرف دیکھا مگر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔ جانے کہاں گم تھی۔ اس کے آنچل سے اٹھتی Isabella کی دیوانہ کر دینے والی مہک تیمور کو دیوانہ کرنے لگی تو اس نے گاڑی سڑک کے کنارے ایک پارک کے سامنے روک دی۔

"کیا ہوا؟" وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"اترو نا' خدا کرے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اترا۔

ریم [illegible] سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اتر کر گھوم کر اس کی طرف آیا اور اس کا دروازہ کھولا۔

"چلو! تھوڑی دیر واک کریں گے۔" وہ اتر کر خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ دونوں

بازو لپیٹے اسے سر جھکائے۔

"اتنا عرصہ لگے گا تمہیں اس شاک سے نکلنے میں۔" ریم نے بے ساختہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ جینز کی پاکٹ میں ڈالے سر اٹھائے تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ بے نیازی کا وہی عالم تھا۔ ریم کا دل انجانے دکھ سے بھر گیا۔

"آپ شاکڈ نہیں ہوئے؟" الٹا اسی سے پوچھ بیٹھی۔

"نہیں بالکل نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"کیوں؟" بے اختیار ریم کے منہ سے نکلا۔

"مجھ دل نے مانا تھا، دل کیا جانے کب سے عشق ایمان تھا تم پر۔" وہ فلمی آواز بنا کر بولا۔ ریم کو لگا وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"دیکھو" اس نے شہادت کی انگلی اٹھائی۔ "جھوٹ نہیں بولنا۔"

"واہ کیا پروگریس ہے۔ نکاح ہوتے ہی آپ سے تم پر آگئیں۔ رخصتی کے بعد تو یقیناً 'تو' کا صیغہ استعمال ہوگا۔" وہ رک کر شرارت سے بھرپور نظر اس پر ڈال کر بولا۔

"فضول!" وہ نظریں چرا گئی۔

"اوہ سوری! مجھے کوئی اعتراض نہیں 'تو'، 'ظالم'، 'کمینے'، 'نامعقول' سب کچھ سننے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں میں۔ "آخر یہاں کی ہوا لگ گئی ہے تمہیں۔ بلی نے تو اثر کر دکھایا ہے۔" وہ اسے اوپر سے نیچے تک بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ جھینپ سی گئی۔

"کیا تبدیلی آگئی ہے مجھ میں؟"

"پہلے سے بہت زیادہ حسین ہوگئی ہو۔" وہ بڑے جذب سے بولا۔ ریم نے تیکھی نظریں ڈالیں۔

"پہلے بھی دیکھا تھا آپ نے مجھے۔"

"اوہو تو یہ شکوہ بھی ہے۔" وہ بے ساختہ زور سے ہنسا۔ وہ ناراض ہوگئی۔ وہ واقعی مذاق اڑا رہا تھا۔

"ویسے لڑکیاں تو شوہروں کے منہ سے اپنی تعریف سن کر خوشی سے پھول کر کپا ہو جاتی ہیں۔ تم ذرا مختلف سے پھول کر کپا ہوتی جا رہی ہو۔" دونوں چلتے چلتے شاپ تک آگئے تھے۔

"بیٹھو!" اس نے کرسی کھینچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھایا۔ دوسری کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیا پیو گی؟" اس نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔

"کچھ نہیں۔" وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"ناراض کیوں ہو؟" اس نے ہنس کر چھیڑا۔ ویٹر آگیا تھا تیمور نے دو کپ کافی کا آرڈر دیا۔ ویٹر کے جاتے ہی وہ بولی۔

"بات نہیں ٹالیں۔ مجھے سچ بتائیں۔"

"سچ ہی تو بتایا ہے۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔" وہ چڑ گئی۔

"تو پھر کیا جاننا چاہتی ہو تم بتاؤ۔" وہ بڑے آرام سے بولا۔

"آپ نے ممی پاپا کی خواہش کا احترام کیا ہے اپنے اوپر جبر کر کے ورنہ..." وہ چپ ہو گئی۔ وہ مسکرائے جا رہا تھا۔

"ورنہ!" وہ اس کی طرف جھک کر پوچھنے لگا۔

"آپ نے ایسا کبھی نہیں چاہا ہوگا۔"

"کیوں نہیں چاہا ہوگا۔" وہ تھوڑا سنجیدہ ہوا۔ "اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو تم۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ فوری جواب نہ بن پڑا۔ پھر ہمت کر کے بولی۔

"میرے ساتھ آپ کا رویہ۔"

"کیا بہت خراب تھا؟" وہ بڑے شستہ انداز سے مسکرایا اور ریم کو آگ لگ گئی جیسے۔

"نہیں بلکہ نفرت کی حد تک بیزار کن۔"

وہ پہلے تو ہنسا پھر بالکل سنجیدہ ہوگیا۔

"میرا خیال ہے میں تمہاری ساری غلط فہمیاں سارے اندیشے ابھی اسی وقت دور کر دوں تاکہ جب ہم نئے گھر جائیں... لیکن اس سے پہلے تم میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر وعدہ کرو۔ پچھلی ساری باتیں [illegible] سے اٹھا کر پھینک دو گی۔ آج کی شروعات [illegible]

مسکراہٹ پر ریم اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کسی طرح نہ چھپا سکی۔ کافی آگئی تھی۔ تیمور نے اس کا کپ اس کے آگے رکھ کر اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کافی کا ایک سپ لیا۔

"شروع کرو۔ کافی پیتے ہوئے کہانی سننے کا مزہ ہی اور ہے۔" ریم مسکرا کر اپنے کپ پر جھک گئی۔ تیمور نے ایک سپ لے کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس سال پہلے جب تم ڈیڈی کی انگلی پکڑے میرے گھر میں داخل ہوئیں تو میں کسی طرح تمہیں قبول نہیں کر پایا تھا کیونکہ میرا ٹین ایج کا دور تھا۔ میں اس وقت innocent تھا۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب ذہن بہت الجھا ہوا ہوتا ہے۔ ہر آنے والی تبدیلی کو ذہن مشکل سے قبول کرتا ہے۔ بچے کی شخصیت بن رہی ہوتی ہے۔ کسی کی نصیحت اسے اچھی نہیں لگتی۔ وہ اپنے آپ کو ہر رویے میں بالکل ٹھیک سمجھتا ہے اور دوسروں کو غلط، خاص طور سے اپنے بڑوں کو۔ تمہارے [illegible] ممی اور ڈیڈ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے اور میں بدل گیا۔ تم [illegible] وقت میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتیاں کیں [illegible] شعور آیا تو احساس ہوا کہ تم تو [illegible] ایک [illegible] کل باپ [illegible] سب سے [illegible] مجھے اپنے رویے پر بہت ندامت [illegible] سوچا تھا کہ تم بھی مجھے معاف نہیں [illegible] یہی خیال [illegible] اور دور ہوتا گیا۔ پھر وہ دور آیا جب مجھے ایک نیا احساس ہوا کہ تم میرے گھر میں [illegible] امانت ہو۔ تمہاری حفاظت [illegible] بھروسے سے [illegible] تم کو ہمارے سپرد کیا ہے۔ [illegible] امانت میں [illegible] خیانت نہیں ہونی چاہیے۔ میرے [illegible] بہت بھاری ذمہ داری ہے اسے پورا [illegible] میرا [illegible] کا حصہ ہونا چاہیے [illegible] اور عورت [illegible] لگتے دیر نہیں لگتی اور انسان بہت کمزور ہوتا ہے۔ ہماری محبت [illegible] اس بات کا [illegible] تھا [illegible] ان برائیوں کو نہیں [illegible] سمجھیں [illegible] اور محبت کی طالب [illegible]

مناسب نہیں تھیں۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تم سے فاصلے برقرار رکھنا بہت مشکل تھا کیونکہ بہت ضروری بھی تھا اور شاید میرا انداز صحیح نہیں تھا جو تم بدگمان ہو گئیں ورنہ یقین مانو میں نے تم سے کبھی نفرت نہیں کی۔ کبھی بیزار نہیں ہوا۔ ہمیشہ تمہاری عزت کی، عزت کا خیال رکھا البتہ تم سے پیار تمہارے گھر چھوڑ کر آنے کے بعد ہوا۔"

ریم نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر تیمور کی طرف دیکھا۔ وہ دلفریبی سے مسکرایا۔ اس کا ہاتھ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے بیچ جکڑ کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھا۔

"یاد ہے وہ طوفانی بارش کی رات جب تم پہلی دفعہ میرے اتنے قریب آئی تھیں اور پھر مجھ پر بجلی گرا کر چلی گئی تھیں۔ یہ کہہ کر کہ تم ہمیشہ کے لیے جا رہی ہو۔ میں ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی میری۔ میرا دل چاہتا تھا جھنجھوڑ ڈالوں تمہیں کیوں جا رہی ہو تم۔ میں کیا چاہ رہا تھا خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جس رات تم نے گھر چھوڑا۔ اس صبح ممّا تمہیں یاد کر کے بہت اداس ہو رہی تھیں۔ صرف تمہاری باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے انہیں چھیڑا کہ تم لوٹ کر واپس نہیں آئیں تو وہ ایک دم [illegible]۔ تم چاہے [illegible] چاہوں نہ چاہوں، ہم دونوں کو ہمیشہ اسی گھر میں ایک ساتھ رہنا ہے اور ان کی بات سمجھ میں آتے ہی میری ساری بے چینی، ساری الجھن ختم ہوگئی۔ جان گیا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ جب جان گیا تو فیصلہ کرنا کیا مشکل تھا۔ فیصلہ یہی ہوا کہ جو حسینہ میرے لیے گھر کو گرم کر کے خود سردی میں باہر کھڑی ہو کر میرا انتظار کرے۔ خود بے آرام ہو کر میرے آرام کا خیال رکھے، جس وقت مجھے کافی کی شدید خواہش ہو رہی ہو وہ بھاپ اڑاتی کافی لیے میری منتظر ملے، وہی صرف وہی مجھ جیسے لاابالی، اپنے سے بھی لاپرواہ خوبصورت سے نوجوان کو ساری زندگی سنبھال سکتی ہے۔ جس دن یہ فیصلہ ہوا تو محبت بھی بڑی شدت سے ہو گئی۔ تم نے اچھا کیا مجھے چھوڑ کر چلی آئیں ورنہ اس واردات کے بعد خود پر اختیار رکھنا بہت مشکل

"ہوتا ہے جیسے اس وقت ہو رہا ہے۔" ریم نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تیمور بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔

"ہاتھ ادھر دو اپنا۔"

"نہیں۔" ریم نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لیے۔

"بیوی! تمہیں انگوٹھی پہنانی ہے۔ یہ دیکھو، کب سے جیب میں لیے پھر رہا ہوں۔" اس نے چھوٹی سی ڈبیہ جیب سے نکال کر کھول دی۔

"یہ کب خریدی؟" ریم حیران رہ گئی۔ "پہلے سے تو کبھی لیے کو بھی ادھر ادھر نہیں دیکھا۔"

"کراچی میں ہی خرید لی تھی۔" وہ انگوٹھی چمکاتے ہوئے بڑے جذب سے بولا۔ "تمہارے پیپرز ختم کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا مجھے، تب ہی بہت پہلے سے انگوٹھی عشق کا طوق تمہیں پابند کرنے کا پکا ارادہ تھا میرا۔"

"تیمور جیسے میں تو تمہاری جیتی تھی نا۔" ریم نے اسے چڑایا۔ اس کا اعتراف سن کر جتنی پھیکی ہو گئی تھی اب کہیں جا کے آنکھوں میں شرارت جیسی بجلی سی چمکی تھی۔ لبوں پہ عجیب سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"آف کورس! تم نے کہاں جانا تھا۔ آخری تمغہ تو میرا گھر ہی ٹھہرا تھا۔" وہ رک کر ہنسا۔ "سوری! بھول گیا تھا کہ گھر کے معاملے میں تم خاصی Sensitive ہو۔ ویسے صرف میرا نہیں تمہارا بھی ہے۔ مجھے کہنا چاہیے تھا۔ ذرا کم ہو لب تو بھی مسکرا سکتی ہو۔"

"شکریہ اس فراخدلانہ پیشکش کا۔ میں انہیں کچھ بھی کہوں، کسی نام سے بھی پکاروں، مجھے ہمیشہ سب سے زیادہ چاہتی رہیں گی۔ آپ جلتے بھنتے رہیے گا۔" وہ کھلکھلا کے ہنسی۔

"ارے جلیں ہمارے دشمن۔ تمہارا یہ احسان ہو میں شکایت ہو تو سب سے زیادہ پُرسکون زندگی شوہر کی گزرتی ہے ورنہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ جاتا ہے بیچارہ شوہر۔ شکر ہے، اپنا گھر بھی رہنے کا ارمان پورا ہو گیا۔" اس

نے شوخی سے وضاحت کی۔

اور ریم کو پھر چار دن پہلے والی رات یاد آ گئی جب اپنے ہی گھر میں ان کی عزت خطرے میں پڑ گئی تھی، تو تیمور ہی لے کر کھڑا ہو گیا۔

"گھر چلیں!" وہ اس کا بازو تھام کر چل پڑی۔

"ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا ہے تو اب گنگنا بھی دو۔" وہ اس کی طرف جھکا۔

"مجھے نہیں آتا گانا۔" ریم نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"مجھے آتا ہے۔" تیمور نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور تان نکالی۔

"چلو دلدار چلو چاند کے پار چلو۔"

"پلیز رحم کریں۔" دوسرا ہاتھ کان پر رکھا۔ خوشی کی چھپی جھلک گالوں پر گود میں لے رکھی ہوئی۔

"ہم تو رفیع کی سطح کے ہیں، تم ذرا ساتھ دو میری آواز میں آواز ملا دو۔" اس نے پھر بولی نکالی۔

"مجھے نہیں آتا آگے کیا ہے۔"

"میں بتاتا ہوں۔ گر ہم ہیں تیار چلو۔" اس نے ریم کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

ریم واقعی اس کی آواز کے ساتھ آواز ملانے لگی۔ دونوں جیسے سروں میں گنگناتے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہنستے مسکراتے گھر کو چل دیے۔



تنہا تنہا دن جیون کے

عرشیہ مسعود



ہوا کاٹتے ہوئے مجھے گاڑی کے بریک لگانے پڑے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو سامنے سے آتی وہ دونوں لڑکیاں اسٹیکر بن چکی ہوتیں۔ جب میں ان کے قدموں کے قریب جا کر رکا تو وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹیں۔ اور غضبناک نگاہوں سے مجھے گھورنے لگیں۔

"دیکھ کر نہیں چلا سکتے۔ اگر اللہ میاں نے گاڑی دی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سڑکوں پر دندناتے پھریں اور راہ چلنے والوں کو روند ڈالیں۔"

دونوں میں سے ایک لڑکی میرے قریب آکر چلائی اور ساتھ میں دوسری کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" کیونکہ میں اکیلا قصوروار نہ تھا میں جو تیز گاڑی چلا رہا تھا اور کہنا میرا سب سے بڑا قصور تھا۔

"جی جناب! سوری کہہ کر آپ نے جان چھڑالی اور اگر ہم دونوں میں سے کوئی آپ کی گاڑی کے نیچے آکر شہادت کا درجہ پا لیتا تو یقیناً آپ ہمارے پیچھے سے جا کر کہتے سوری آپ کی بیٹی میری گاڑی کے نیچے آکر چل بسی ہے۔"

اس کی زبان کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ بھی چل رہے تھے مجھے اس سے ایسے ہی رد عمل کی توقع تھی جس قدر تیزی سے میں نے بریک لگائے تھے اس نے کہا ہے مجھے بے حد افسوس ہے قصور نہ تھا بھلا میری تیز رفتاری کا

"جی ہاں آپ کو بھی افسوس ظاہر ہے۔ اور حادثے تو اتفاق سے ہی ہوتے ہیں اور شدید ایکسیڈنٹ میں ظاہر ہے کسی کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ بس ساری لاپرواہی اور بے حسی ہے۔ آپ جیسے لوگ سڑکوں کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے بے تکلفی سے بہت چلا رہی تھی۔

"دیکھیں مس! میرے اکیلے کا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی میں نے معذرت کرلی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ جو مرضی آئے کہہ دیں۔"

اب کے مجھے بھی غصہ آنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے قبول کرلیں مسٹر، غلطی سراسر آپ کی تھی۔ چنانچہ اچھا ہے تو آپ کو سننا پڑیں گی اور۔۔۔"

"بس بھی کرو سوزی۔"

اس کے ساتھ کھڑی لڑکی جو کافی نروس ہو رہی تھی اور بہت دیر سے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی ذرا سے توقف کے بعد مجھ سے معذرت کرنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ یہ شاید کچھ زیادہ ہی کہہ گئی یقیناً" صرف آپ قصوروار نہ تھے، غلطی ہماری بھی تھی۔"

"اٹس اوکے۔"

میں اس کے شائستہ انداز اور دھیمے لہجے پر نرم پڑ گیا۔

"تو ہو۔ تم تو خاموش ہو۔ مجھے بات کرنے دو۔"

پہلے والی لڑکی جھنجلا کر بولی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی وہ اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی گاڑی پار کر گئی اور میں اگلی لڑکی کے خیال پر افسوس کرتا گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

OOO

کوئی گھنٹہ بھر سے گاڑی میں بیٹھا ثوبی کا انتظار کر رہا تھا۔ ثوبیہ میری کزن جو جامعہ کراچی میں ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ ثوبیہ صاحبہ ابھی تک کم از کم پورے ایک گھنٹے سے غائب تھیں اور میں نہایت اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ مزید انتظار کا ارادہ ترک کر کے میں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ابھی گاڑی الٹنے کے لئے میں نے سڑک کے دوسری سمت دیکھا ایک ریڈ کرولا تقریباً اسی کلومیٹر کی اسپیڈ سے آ رہی تھی۔ مخالف سمت سے ایک لڑکی ہاتھ میں بہت سی فائلیں لئے، سینے سے لگائے سر جھکائے چلی آ رہی تھی۔ گاڑی اس لڑکی کے بے حد نزدیک پہنچ چکی تھی اور اسے خبر ہی نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گیئر لگا کر گاڑی آگے بڑھائی اور ان دونوں کے درمیان لے آیا۔ ریڈ کرولا بھی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ فضا میں دونوں گاڑیوں کے ٹائر چرچرانے کی زوردار آواز گونجی۔ وہ لڑکی خوفزدہ ہو کر اچھل کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ اس طرح گھبرائی تھی کہ اگر میں ایک لمحہ بھی ضائع کرتا تو یقیناً سڑک پر اس کی لاش پڑی ہوتی۔ اس ریڈ کرولا میں چار لڑکے بیٹھے تھے۔ اس سے پہلے میں گاڑی سے اتر کر ان کے قریب پہنچتا، انہوں نے گاڑی ریورس کی اور ہوا ہو گئے۔ میں تیزی سے اس لڑکی کی طرف بڑھا جو

شاید بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

"آر یو اوکے؟" میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"جی۔"

اس نے مختصر جواب دیا۔

"اس حرکت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

میں ہنوز تشویش میں مبتلا تھا۔

"یہ یونیورسٹی ہے یہاں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ ان کا مقصد مجھے مارنا نہیں تھا۔ وہ شاید صرف ڈرانا چاہتے تھے۔ گاڑی قریب لانے کے بعد وہ یقیناً بریک لگا دیتے۔"

وہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"میرا نہیں خیال۔ وہ ایسا کرتے کیونکہ جس اسپیڈ سے وہ گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے یقیناً بریک لگانا اتنا آسان نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال اگر یہ صرف ان کی شرارت بھی تھی تو آپ کو انتظامیہ سے ضرور complain کرنی چاہیے۔"

"مگر کس کی؟ میں تو ان کو جانتی بھی نہیں ہوں۔"

وہ سوچ رہی تھی۔

"Thank you very much"

"Anyway" وہ میری خاموشی کو محسوس کر کے بولی۔

"You are most welcome" آپ کو کہاں جانا ہے آپ کو میں چھوڑ دیتا ہوں۔"

میں نے آفر کی۔

"Thanks" میرا تو بس ڈیپارٹمنٹ ہے جہاں ہم کھڑے ہیں۔"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"Oh! Mass Communication" یہاں میری کزن بھی ہوتی ہے۔ ثوبیہ۔ ثوبیہ عباسی۔"

"اچھا ثوبیہ عباسی آپ کی کزن ہے۔ جانتی ہوں میں اسے اوکے۔"

"Thanks again" وہ آگے بڑھنے لگی۔ نہ جانے مجھے کیوں وہ لڑکی جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

اس کی صورت مجھے پہلے کہیں دیکھی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ عام سے نقوش، گندمی رنگت اور مناسب قد و قامت والی لڑکی تھی۔ اس میں یقیناً کوئی انوکھی بات نہیں تھی جو مجھے کسی میں ملتا۔

"Wait a minute" میں تیزی سے اس کے قریب آیا۔

وہ حیران ہو کر پلٹی۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہیں دیکھا ہو۔ اور دنیا میں بہت سی شکلیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔"

وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"نہیں پلیز آپ غلط نہ سمجھیں مگر یہ الجھن مجھے پریشان کر رہی ہے کہ میں نے آپ کو پہلے کہاں دیکھا ہے۔"

"Oh! Yes I remember"

مجھے یاد آ گیا۔

"چند دن پہلے آپ اور آپ کی دوست کے ساتھ شاید آپ کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ جب آپ لوگ روڈ کراس کر رہی تھیں تو میری گاڑی [illegible] تھی۔ بس پر آپ کی دوست نے خاصا غصہ کیا تھا۔"

[illegible]

وہ فوراً پہچان گئی۔ پھر زور سے ہنس پڑی۔ [illegible] خاصی حیرت ہوئی اس کی مسکراہٹ اور اس کی صورت میں ایک انوکھی کشش تھی۔

"Good Memory"

وہ حیران ہو کر بولی۔ اس کے ساتھ ساتھ [illegible] مجھے بہت اچھا لگا [illegible] میری یادداشت کے بارے میں [illegible]

[illegible]

ہو گی۔ اللہ حافظ۔"

وہ مڑنے لگی۔

"سنئے کیا آپ Mass Communication میں ہیں۔ میری کزن ثوبیہ بھی یہیں ہوتی ہے۔" میں نے پھر اسے روکا۔

"جی۔ ابھی کچھ دیر پیشتر آپ نے بتایا تھا۔"

وہ حیران ہوئی۔

"اوہ مجھے یاد نہیں رہا۔"

میں خفیف سا ہو گیا۔

وہ پھر ہنس پڑی۔ جلترنگ سی بجی۔

"جی بہت اچھا۔ اب ہی کی ایک"

وہ پلٹ گئی۔

اور میں جانے کیوں اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

OOO

میں یحییٰ ارتضیٰ عباس شاہ مشہور بزنس ٹائیکون تبریز حسن شاہ کا بیٹا۔ میرے ڈیڈی کا بزنس ملک اور ملک سے باہر پھیلا ہوا تھا۔ پانچ ملیں تھیں جو Shah Industries کے نام سے۔ میری ماما نگہت شاہ نفاست حسین سوشل اور ایکٹو کپل اور دولت کی ریس میں آگے ان کا ساتھ بے انتہا مصروف تھے۔ میں اور مجھ سے پانچ سال چھوٹی میری بہن ملائکہ شاہ ہم دونوں ہی ماما اور ڈیڈ کے بہت لاڈلے تھے۔ ان کی جس طبقے سے بات تعلق تھا وہاں پر ہر چیز Materialist دولت کی ہے یہاں تک کہ محبت بھی چاہت کو بھی رشتے سے ہو جوڑے لوگوں کی طرح ہمارے ماں باپ نے ہمیں آیاؤں اور نوکروں کے سپرد نہیں کیا تھا۔ ماما اور ڈیڈ اپنی بھرپور مصروفیت کے باوجود ہمیں پورا وقت دینے کی کوشش کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھے میں ان سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ خود کو خوش قسمت ترین سمجھتا تھا اور یہ مجھ ایسا لگا بھی نہ تھا۔ میرے [illegible] ملائکہ [illegible] یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ [illegible] لئے تو سمجھ لیا ہے وہ دنیا سے کوئی [illegible]

"ابھی [illegible] مجھے یاد ہے جب میری [illegible]

بندہ تھی اس رات سالگرہ کی پارٹی میں [illegible] تھے جب سامنے میں نے ان سے [illegible] تعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ [illegible] رہے ہیں۔"

[illegible]

میں نے پوچھا کہ کیسے۔ میرے لیے خوب صورت اور بہت خوب صورت [illegible] نے میری خاطر انہوں نے میری [illegible] پارٹی میں شرکت نہیں کی۔ اور جب [illegible] اپنے دوستوں کو بتایا کہ میری [illegible] اس کے بعد میری [illegible] میرے لیے میری خاطر وہ [illegible] بات [illegible] تمہاری خاطر اور میں سوچتا شاید مجھ سے محبت کرتے ہیں جب میں آٹھ سال کا تھا تو ماما اور ڈیڈی نے Decide کیا کہ مجھے مری کانونٹ میں پڑھنا چاہیے۔ میں نے بہت ضد کی کہ میں نہیں جاؤں گا ماما سے الگ نہیں رہوں گا۔ بہت رویا، مگر ماما نے [illegible] کر کے مجھے سمجھایا کہ وہ میری بھلائی کے لیے ایسا کر رہے ہیں [illegible] وہ بھی مجھے نہیں [illegible] چاہتیں۔ وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ مگر میری خاطر [illegible] Depend [illegible] کلکشن میری [illegible] مشکل اور [illegible] میری [illegible] سبجیکٹ پڑھنا چاہیے [illegible] دوست [illegible] میری زندگی [illegible] محبت [illegible]

امپورٹنٹ ہے [illegible] ابا [illegible] اور میرا خیال تھا کہ [illegible] کہ شاید [illegible] کہ مجھے [illegible] میرا [illegible] تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے اور پھر مجھے [illegible] اپنے [illegible] ایک [illegible] سب [illegible] میری خاطر [illegible] تھا

اب جب میں [illegible] سال بعد وطن لوٹا [illegible] یونیورسٹی [illegible] اور [illegible] خیال تھا کہ میں [illegible] آنے کی [illegible] سے اپنے [illegible] کر میں [illegible] ہوتے ہوئے بھی میں اندر سے [illegible] ماما اور ڈیڈی نے مجھے [illegible] کسی بھی قسم کا [illegible] میرا [illegible] سے میرا دل بھی [illegible] ایسا بھی [illegible]

[illegible] میں قرآن پاک ختم کر لیا تھا اور نماز بھی سیکھ لی تھی یہ الگ بات ہے کہ کبھی پڑھی نہیں کیونکہ [illegible] نہیں [illegible] تھا نہ گھر پر اور نہ گھر سے باہر۔ میں اب پابندی سے نماز پڑھا کرتا تھا خاص طور پر عشاء کی نمازوں کی ادائیگی میں تو میں کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ یقیناً آپ کے لیے حیران کن بات ہو لیکن اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ نماز کی عادت مجھے یونیورسٹی جا کر پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کے بننے یا بگڑنے میں صحبت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یعنی جس قسم کی کمپنی آپ رکھتے ہیں آپ اسی طرح کا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

یونیورسٹی میں میرا روم میٹ تھا شازب انور۔ بہت اچھا لڑکا تھا۔ میری اس سے بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی [illegible] ماں باپ کا اکلوتا تھا اس کے ماں باپ دولت مند ہونے کے باوجود اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھا رہے تھے۔ شازب بہت محبت سے اپنے [illegible] کا ذکر کیا کرتا۔ کہتا تھا کہ

"میں نے [illegible] کہا کہ میں اپنے ملک میں رہ کر بھی تعلیم حاصل کر سکتا ہوں تب [illegible]"

کہا کہتے ہیں کہ

"بیٹا یہ تمہارا حق ہے۔"

وہ عملی [illegible] میں وہ بہت نیک لڑکا تھا۔ [illegible] اپنے ماں باپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ مگر [illegible] کہ اس کی امی اور [illegible] محبت [illegible] میں بہت فرق ہے۔ شاید [illegible] اس کی وجہ [illegible] آپ کو شازب کے [illegible] بتا رہا تھا۔

وہ نماز کا بہت پابند تھا لیکن اس نے مجھے کبھی نہیں کہا کہ تم بھی نماز پڑھو حالانکہ وہ ہمیشہ نماز [illegible] پانچ وقت ہی پڑھا کرتا تھا حتیٰ کہ وہ کمرے میں اکیلا [illegible] جیسے ہی داخل ہوتا [illegible] جاتا کہ [illegible] نماز پڑھ لوں [illegible] عشاء کی نماز [illegible]

[illegible] ٹائمنگ ہمارے ہاسٹل کے قریب ہی ایک اسلامک سینٹر تھا جہاں مسلم نماز پڑھتے تھے وہاں کے امام صاحب درس بھی دیا کرتے تھے۔ شازب وہیں جایا کرتا تھا اس نے کبھی مجھ سے نہیں کہا کہ تم بھی چلو مگر یونیورسٹی سے واپس ہاسٹل جاتے ہوئے یا کہیں سے [illegible] کر کے واپس آتے ہوئے وہ اسلامک سینٹر کے سامنے سے گزرتے ہوئے کہتا چلو پہلے نماز پڑھ لیں پھر چلیں گے اور اندر گھس جاتا۔ میں تذبذب کے عالم میں باہر ہی کھڑا رہتا۔ میں شاید اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے گھبراہٹ اور شرمندگی محسوس کیا کرتا تھا حالانکہ میں بہت چاہتا تھا کہ میں اس کی بارگاہ میں سربسجود ہوں مگر

لیکن وہ اللہ تعالیٰ جو کہ دلوں کو پھیر دیتا ہے اس نے ہر انسان کے اندر ایک امید کی کرن ضرور رکھی ہوتی ہے۔ جو کہ راستہ ملنے کے بعد سب کچھ روشن کر دیتی ہے بس ایک لمحہ درکار ہوتا ہے۔ اور وہ لمحہ بندے کو اس کے مالک کی طرف پلٹا دیتا ہے۔ صرف ایک قدم بڑھانا ہوتا ہے۔ بندے کی ایک پکار پر رب ذوالجلال آگے بڑھ کر اسے تھام لیتا ہے۔ کچھ میرے ساتھ ہوا۔

روہیت کمار، نجی ورما اور سنیل سنگھ میرے ہاسٹل اور یونیورسٹی فیلو تھے انہوں نے اپنی طرح کے [illegible] متعصب ہندو اور عیسائی اسٹوڈنٹس کو ملا کر ایک گروپ بنایا ہوا تھا جو کہ مسلمانوں خاص طور سے پاکستانیوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے۔

میں کبھی ان کے منہ نہیں لگا۔ البتہ بعض وطن پرستوں سے اکثر ان کی مار ماری ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس دن نہ جانے مجھے کیوں اتنا غصہ آیا تھا کہ میں سنیل سے بھڑ گیا۔ سب لوگوں نے بیچ بچاؤ کرایا ورنہ تو شاید وہ میرے ہاتھوں مارا جاتا۔ شازب بھی [illegible] گیا تھا میرے ساتھ [illegible] میں جو اتنا ٹھنڈا مزاج [illegible] اچانک طیش میں آگیا تھا۔ شاید ان کا مقصد [illegible] اس وقت بے انتہا ندامت محسوس ہوئی

بھی ہم مسلمان جو ہر وقت اسلام کا پرچار کرتے ہیں عمل میں کتنے پیچھے ہیں۔ آج یہ کافر لوگ ہمیں منافق ہونے کا طعنہ مار رہے ہیں۔ ظاہر ہے جب ہم اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو بھلا اسے define کیسے کر سکتے ہیں۔ کیسے قائل کر سکتے ہیں کسی کو جب ہمارا عمل ہمارے قول کے مطابق نہیں ہے اور یہ اس وقت مجھے پتا چلا کہ میں اپنے مذہب سے کتنا نابلد ہوں۔

اس واقعے کے تقریباً دو دن بعد اس دن میں آخری کلاس لے کر جلدی ہی ہاسٹل آ گیا تھا۔ بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ فریش ہو کر لیٹا تو آنکھ لگ گئی۔ کافی دیر سو کر اٹھا تو شام کے پانچ بج چکے تھے۔ شاذب کمرے میں نہیں تھا۔ میں سمجھا کہ نماز پڑھنے گیا ہو گا۔ کافی دیر ہو گئی۔ چھ، سات اور پھر آٹھ بج گئے مگر شاذب کا کہیں پتا نہیں تھا میں پریشان ہو کر باہر نکل آیا۔ پورے ہاسٹل کا چکر لگایا گیٹ سے باہر نکل رہا تھا کہ گیٹ کیپر نے ایک پرچہ تھمایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کس نے دیا ہے۔ تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے پرچہ سمجھتے ہوئے پرچہ کھولا تو میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ شاذب کو کسی نے اغوا کر لیا تھا اور ہاسٹل کی پچھلی اسٹریٹ پر ایک ویران سا مکان تھا مجھے وہاں بلایا گیا تھا۔ میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں پہنچا وہاں صرف گھپ اندھیرے اور ایک ہولناک سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بڑے بڑے برگد کے پیڑوں کے درمیان گھرا ہوا وہ اجاڑ مکان ماحول کی ہولناکی میں اضافہ کر رہا تھا۔ تقریباً ... گھٹنے تک میں ان سوکھے پتوں پر ... رہا۔ لیکن کوئی نہیں آیا۔ میں تھک ہار کر پلٹ رہا تھا کہ پتوں کی چرچراہٹ سے چونکا اور کچھ گرنے کی زوردار آواز آئی۔ میں چونک کر پلٹا وہ کوئی شخص تھا جو اوندھے منہ گرا تھا۔ میں حیران سا اس کی طرف بڑھا۔ وہ بے حس و حرکت تھا۔ ڈرتے ڈرتے میں نے اسے سیدھا کیا اور ایک دم خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ دور اسٹریٹ لائٹ سے آتی روشنی کی باریک سی لکیر اس کے چہرے پر پڑی تھی وہ مصطفیٰ تھا اس کے سینے میں ... گھونپا ہوا تھا ... ہاسٹل ... تھا ... میں ... کر سوکھے پتوں کو ... تھا میں ... بیٹھا کر اس کے سینے میں گھونپے ہوئے خنجر ... میں ساکت بیٹھا اس کی لاش کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک مجھے ہوش آیا۔ میں نے چونک کر اپنے ہاتھ میں پکڑے خنجر کو دیکھا اور پھر آس پاس نظر دوڑائی جھٹ چاقو پھینکا اور ہاسٹل کی طرف دوڑ لگائی۔ گیٹ کے پاس پہنچا تو مجھے شاذب نظر آیا۔ اسی وقت اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ مجھے خون میں لت پت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری"

وہ پوچھ رہا تھا۔

"ایسے ہی۔"

میں ... یہاں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا رنگ ... کیوں ہے"

اس نے ... تعاقب میں دیکھا۔

"تم ... کہاں تھے"

میں مزید خوف زدہ ہو گیا تھا۔

میں شاذب کو لے کر جلدی ... کمرے میں گیا۔ پھر میں نے ... تمام ...

"یہ تو مکمل سازش ہے"

شاذب بے ساختہ بولا

"اب کیا ہو گا شاذب؟"

میں پریشان سا پوچھ رہا تھا۔

"تو کیوں پریشان ہے تو نے تو قتل نہیں کیا ہے"

اس نے میرا کاندھا تھپکا

"مگر تمام واقعات تو میرے خلاف جاتے ہیں ... دن پہلے ہی میرا مصطفیٰ سے جھگڑا ہوا تھا یہ سب کے علم میں ہے۔ دوسرے میں موقع واردات پر موجود تھا اور سب سے اہم بات خنجر پر میرے ... ہیں"

میں ... ہو رہا تھا

... اس نے سر تھام لیا۔ حقیقت میں وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ مگر اس نے میری تسلی کے لیے کہا۔

"ڈر مت۔ پہلی بات یہ ہے کہ جھگڑا ہونا کوئی اہم بات نہیں ہے۔ لوگوں کے تو کیا؟ بھائیوں سے بھی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرا تو موقع واردات پر ہونے کا بھی کوئی اہم بات نہیں کیونکہ تجھے وہاں کسی نے نہیں دیکھا تھا تیسرا تیرے فنگر پرنٹس"

اور ... کہا

"تجھے ضرورت کیا تھی۔ آلہ قتل کو ہاتھ میں لینے کی"

وہ درشت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"یار یہ سب مجھ سے غیر ارادی طور پر ہوا"

میں بے بسی سے بولا۔ وہ خاموش رہا۔

"اب کیا ہو گا شاذب"

میں نے پھر وہی سوال دہرایا

"... ہو سکے تو چپ چاپ ... اور یہ سب ... ہوا ہے تو ..."

... جھنجلا کر بولا تھا۔

"تجھے کیا کسی نے باہر نکلتے ... سکا تھا"

... میرے لہجے میں جواب دو۔ پھر ...

"میں نے ... آج ... جلدی آ گیا ... تو ... رہا تھا"

"اچھا چل تو لیٹ سو جا سب ٹھیک ہو جائے گا"

اس نے مجھے تسلی دی۔

"... جا رہا ہے"

میں نے اسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا

"یار ... ہو گیا ہے وضو کرنے جا رہا ہوں۔ عشاء کی نماز ابھی تک نہیں پڑھی ہے میں نے"

میں خاموش ہو گیا۔ اس کے وضو کر کے آنے تک میں ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جاء نماز بچھائی اور نماز کے لیے نیت باندھ لی۔ میں چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ اس نے نماز پڑھ کر دعا کے لیے بھی ہاتھ اٹھا لیے تھے۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک جھماکا سا ہوا۔ "دعا" یہ لفظ جیسے زبان پر آتے ہی میری سوچ کے در وا ہو گئے تھے۔ میں تو بے قصور ہوں تو مجھے کیسے سزا مل سکتی ہے۔ چاہے جتنے ہی ثبوت اکٹھے ہو جائیں وہ اوپر بھی تو ایک انصاف کرنے والا بیٹھا ہے جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے وہ دعاؤں کو ضرور سنتا ہے اگر سچے دل سے مانگی جائیں۔ مگر میری دعا کیسے قبول کرے گا جب کہ میں نے اس سے کبھی کچھ مانگا ہی نہیں تھا اور نہ کبھی اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ مجھے تو بن مانگے سب کچھ مل گیا تھا۔ لیکن میں نے کبھی اس کے شکرانے کے لیے بھی ہاتھ نہیں اٹھائے تھے میں تو اسے بھولا بیٹھا تھا۔

"اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں سے بے خبر نہیں رہتا۔"

میرے کانوں میں جیسے یہ الفاظ گونجے۔ میں اٹھا اور واش روم کی طرف بڑھا۔ ایک غیر مرئی سی طاقت مجھے دھکیل رہی تھی۔ واش بیسن کا نل کھول کر میں نے وضو کیا۔ شاذب کو بارہا وضو کرتے دیکھا تھا اس لیے طریقہ یاد رہا تھا۔ وضو کر کے باہر نکلا تو شاذب اٹھ چکا تھا اور جاء نماز لپیٹ رہا تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔ وہ حیران نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے جاء نماز لی اور اسے ... جاء نماز پر کھڑے ہوتے ہوئے میری ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور دل جیسے دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ شاذب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے حوصلہ دیا۔ میں نے ... کر کے نیت باندھی اور اسی طرح رکوع ... یاد کر کے میں نے نماز مکمل کی۔

جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میری آنکھوں سے اشک رواں ہوتے اور میں نہ جانے کب تک جائے نماز پر بیٹھا روتا رہا۔ وہ رات ساری میں نے جاگ کر گزاری تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر میں نے شازب کو اٹھایا۔

"تم سوئے نہیں تھے؟"

میری آنکھوں کی سوجن کو دیکھ کر وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ نیند نہیں آئی تھی۔ تم نماز پڑھ لو تا کہ ہم نکل جائیں گے۔"

میرے کہنے پر وہ جلدی سے واش روم میں گھس گیا۔

"ارتق۔ تھوڑی دیر کے لیے سوجاؤ۔ ورنہ تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی اور یوں پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا جب تم نے جرم نہیں کیا تو تمہیں سزا کیسے مل سکتی ہے۔"

مجھے مستقل ایسا ہی بیٹھے دیکھ کر شازب نے سمجھایا۔

"جانتے ہو نا یہاں کا قانون ثبوت مل جائے تو وہ یہ ہرگز نہیں دیکھتے کہ جرم اس نے کیا ہے یا نہیں ہے جس کے خلاف ثبوت ملے ہیں۔ وہ صرف سزا کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور بس۔" الیکٹرک کرسی پر بیٹھنے کے تصور سے ہی میری جان نکل رہی تھی۔

"دیکھو ارتق ایسا کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز تم سوجاؤ سونے کے بعد ویسے بھی ہماری کلاس ہے۔"

شازب نے مجھے سمجھا کر لیٹنے پر مجبور کیا۔

پھر ایک عجیب بے ہنگم شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ پتا چلا کہ سنبل کے قتل کی خبر پورے ہاسٹل میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی ہے۔ پولیس آ گئی تھی۔ اور ہاسٹل سے باہر جانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی کیونکہ پولیس سب کے کمروں کی تلاشی لے رہی تھی۔ میں سہما ہوا تھا۔ شازب نے مجھے ریلیکس رہنے کو کہا۔

پولیس نے ہمارا کمرہ بھی طریقے سے الٹ پلٹ کر دیکھا تھا لیکن انہیں کچھ نہیں ملا۔ ڈھونڈنے پر قتل بھی نہیں ملے اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ مجھے اب سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ گر اتوں سو کی نے بھی ڈھونڈنے پر قتل نہیں ملے اور ایک گھنٹے بعد سب کو ریلیف کر دیا تھا۔ پھر کافی دن تک وہ سب سے پوچھ گچھ کرتے رہے تھے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ آئیں گے اور مجھے گریبان سے پکڑ کر جیل میں بند کر دیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ پولیس کے مطابق موقع واردات سے آلۂ قتل یا کوئی ایسی شے نہیں ملی تھی جس سے قاتل کا سراغ مل سکتا اور شک کی بنیاد پر تو شاید انہیں پورے ہاسٹل کو بند کرنا پڑ جاتا۔ کیونکہ جس وقت اس کا قتل ہوا اس وقت پروفیسر سے لے کر چپراسی تک سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔ ہم حیران تھے کہ آخر وہ خنجر کہاں گیا۔ شازب مجھ سے کہتا رہا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ خنجر تم نے کہیں اور پھینک دیا ہو۔ جب کہ میں مسلسل اس کی بات رد کرتا رہا کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا میں نے وہ خنجر اس کی لاش کے پاس چھوڑا تھا۔ اور اس ٹوائلٹ سے ہمارے ہاسٹل تک ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں خنجر غائب کیا جا سکتا ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا۔ یہ قتل سب کے لیے معمہ بنا ہوا تھا لیکن ہم سمجھ چکے تھے کہ یہ قتل کس نے کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں روم میٹ اور اس کے ساتھیوں کی سازش سے بچ گیا کیونکہ ہمیں پتا چلا تھا کہ جس دن سنبل کا قتل ہوا اسی دن اس کی روم میٹ اور مجھ سے کسی بات پر ان بن ہوئی اس کے بعد ہی ان دونوں نے وہ خطرناک منصوبہ بنایا جس کے تحت مجھے موت کی سزا ہو سکتی تھی۔ مگر شکر تھا اس رب ذوالجلال کا جس نے مجھے اس سازش کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ میں اس خدا کے بے حد قریب ہو چکا تھا جس نے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی تھی۔ میں نے یہ Realize کر لیا تھا کہ ہمارے اندر روشنی کی ایک کرن ضرور ہوتی ہے جو ہمیں روشن راستوں کا پتا دیتی ہے اور جب ہم اس اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو وہ ہماری تمام مشکلیں آسان کر دیتا ہے۔

○✿○

جب میں وطن پہنچا تو ائیرپورٹ پر صرف رواہ
تھی۔ مما اور ڈیڈ کا پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دبئی میں
میرے نام سے کوئی شاپنگ سینٹر بنایا ہے جس کی
Opening Ceremony کے لیے وہاں گئے ہوئے
ہیں۔ مجھے جانے کیوں خوشی کے بجائے افسوس سا ہوا
شاید اس لیے کہ آج آٹھ سال بعد آیا ہوں تو مما ڈیڈ
مجھے ائیرپورٹ پر بھی لینے نہیں آئے میرے آنے کے
دو دن بعد مما ڈیڈ نے آنا تھا۔ اس دن صبح جب حسب
عادت میں فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو مما ڈیڈ میرے
منتظر تھے۔ میرے اتنی صبح اٹھنے پر حیران تھیں۔
"کہاں چلے گئے تھے بیٹا آپ"
مما ڈیڈ سے پوچھ رہی تھیں۔
"نماز پڑھنے اس کے بعد جوگنگ کے لیے چلا گیا
تھا۔"
میں نے نام سے مجھے میں نے بتایا۔ ساتھ میں یہ دیکھ
کر حیران ہو گیا کہ مما ڈیڈ متعجب تھے۔
کچھ عرصے بعد ڈیڈ نے اپنی دو فیکٹریاں میرے
حوالے کر دیں۔ میں ابھی بزنس کے چکر میں پڑنا نہیں
چاہ رہا تھا۔ مگر ڈیڈ کا خیال تھا کہ میں نے جو پڑھا
ہے اسے عمل میں بھی لانا چاہیے۔ بقول مما کے یہ
سب میرا تو ہے جسے میں نے سنبھالنا ہی ہے کیوں
نہ ابھی سے شروع کردوں۔ یہاں آکر پتا چلا کہ بزنس
میں ہر وہ چیز کو جائز سمجھا جاتا ہے جس سے بزنس ترقی
کرے۔ میں نے ڈیڈ کو ٹوکا تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے
"بیٹا یہ تو کاروباری دنیا ہے۔ یہاں سب چلتا
ہے اور بیٹا تھیوری اور پریکٹیکل میں کچھ تو فرق ہوتا
ہے۔"
مجھے اسی دن لگا جیسے میں یہاں سیٹ نہیں
ہو سکوں گا۔ میرے قریبی جاننے والوں کا کہنا تھا کہ میں
تو کہیں بھی سیٹ نہیں ہو سکتا ان کا کہنا تھا کہ میں
شاید یونیورسٹی سے امامت کی ڈگری لے کر آیا
تھا۔ جب میں نے ایک دن فائل دیکھتے ہوئے اپنے
Interest(سود) کے بارے میں پوچھا۔

[illegible]
میں نے پروڈکشن انچارج سے اپنی فیکٹری کی
پروڈکٹ کے بارے میں کچھ سے پوچھ گچھ کی تو وہ
کبیدہ خاطر ہوا۔ پھر جب ڈیڈ نے مجھے بتایا کہ یہ تو
سب کاروباری دنیا میں چلتا ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہ
کریں تو سڑک پر آجائیں۔ میں انہیں صرف دیکھتا
رہ گیا تھا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے مما اور ڈیڈ بھی
جیسے انتہا پسند غیر مسلم حق بجانب لگے تھے۔
میں یہاں آکر مزید اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ میں خود کو
ایڈجسٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ پتا نہیں لوگوں کو یہ
ایڈجسٹ کیوں لگ رہا ہے [illegible] نسل [illegible]
ہے حالانکہ بگڑنے کے تمام سامان [illegible] میسر
ہیں۔ ہمارے قول و فعل میں اتنا تضاد
اوپر سے مجھے ابھی [illegible] ہو گیا تھا۔
[illegible] پارٹیوں ہونے اور [illegible]
[illegible] بھی نہیں جانا ہے۔ کبھی میں [illegible]
نہیں ملنے والے تھے۔ مما ڈیڈ کے سب میرے
اعزاز میں پارٹیاں دیتے رہتے تھے۔ میرا دل ان روز
روز کی پارٹیوں سے اکتا گیا تھا۔ کہ صرف مما کی خاطر
میں اٹینڈ کرنے پر مجبور تھا۔ [illegible] اور
معنوی مسکراہٹیں۔ مما تو جیسے [illegible]
میرا سب سے تعارف کراتیں۔ سب [illegible]
ساتھ مما کی خوشیوں میں آسمان سے تارے [illegible]
اور مما کی گردن مزید بھی ہو جاتی۔

○✿○

دروازے پر ہونے والی مسلسل کھٹ کھٹ سے
میری آنکھ کھل گئی۔
"کون ہے؟"
میں نے لیٹے لیٹے غنودگی کے عالم میں پوچھا۔
"صاحب بیگم صاحبہ ناشتے کی ٹیبل پر آپ کا
انتظار کر رہی ہیں۔"
یہ بابا شیر کریم کی آواز تھی۔
"آرہا ہوں۔"
میں نے سستی سے کہا اور اٹھ بیٹھا۔

"[illegible] مسکرا اٹھا"
"السلام علیکم" ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔
"وعلیکم" پھر مسکرا کر بولیں۔
"کیسے ہو بیٹا"
"فائن ممی"
میں بھی بدلے مسکرا کر رہ گیا۔
"ڈیڈ کہاں ہیں۔ کیا آفس گئے ہیں؟"
"ہاں بیٹا آج سنڈے ہے"
وہ ہنستے ہوئے بولیں۔
"ارے میں بھول گیا تھا اور ڈیڈ کہاں ہیں؟"
"وہ سو رہے ہیں۔ تھوڑی دیر سے اٹھیں گے۔"
ان کے کہنے پر میں نے غیر ارادی طور پر گھڑی کی
طرف نگاہ ڈالی گیارہ بج چکے تھے۔
"اور رزق"
مما نے پکارا۔
"جی مما"
میں چائے کا سپ لیتا ہوا بولا۔
"تم [illegible] گئے تھے ذہیہ کو لینے"
"جی مما [illegible] صاحب ابھی آئی کہہ کر
[illegible] تک [illegible] اور میں بھی کب تک
انتظار کرتا اس لیے میں نے اس کا یہ انتظار کرنا
وقت کا ضیاع سمجھا ویسے بھی کوئی خاص کام تھا اس سے
کیا؟"
"نہیں وہ کلاس سے آ جا رہی تھی مجھے [illegible]
اور تم ساتھ تھی تو میں نے سوچا تم [illegible]
[illegible]"
مما نے [illegible] میں کہا پھر مما ادھر
[illegible] میں اول [illegible] کر رہا
[illegible] میں جاتا [illegible]
"ارے مما"
میں [illegible] تھا
"آپ مت [illegible] بیٹھ"
"[illegible] بیٹھ گیا"
"[illegible] ذہیہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
پوچھ رہی تھیں۔

"اس کا مطلب [illegible] کس طرح کا خیال"
میں کچھ نہیں سمجھا تھا۔
"اوہو۔ بھی تمہیں ذہیہ کیسی لگتی ہے"
"اچھی لڑکی ہے۔ ظاہر ہے اچھی لگے گی"
"اور اس کا مطلب ہے تمہیں وہ اچھی لگتی ہے"
نہ جانے مما کو کیوں اتنی خوشی ہوئی تھی۔
"ہاں تو مما اس میں اتنی خوشی والی بات تو نہیں
ہے"
میں حیران تھا۔
"اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اس سے شادی
کرو گے"
"یہ میں نے کب کہا ہے"
میری حیرانگی برقرار تھی۔
"تم ہی نے تو کہا ہے کہ تمہیں وہ اچھی لگتی
ہے"
مما نے حجت کی
"مما اس سے کب یہ مطلب نکلتا ہے کہ میں
اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور کیا ہر اچھی لگنے
والی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے"
یہ جملہ میں نے مذاقاً کہا تھا مما میرے مذاق پر
شاید برا مان گئیں کیا اسی لیے خاموش رہیں۔
"مما آپ ناراض ہو گئیں"
"نہیں۔ مگر بیٹا میں یہ چاہتی ہوں کہ تم کوئی لڑکی
پسند کر لو"
"آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں"
"ظاہر ہے بیٹا تمہاری شادی کے لیے اور میں
چاہتی ہوں کہ رواہ کی شادی اگلے سال تک کر دوں
لیکن اس سے پہلے تمہاری شادی ہو جائے تو زیادہ بہتر
ہے"
"رواہ کی شادی۔ مگر مما وہ تو ابھی گریجویشن
کر رہی ہے۔ مما کم از کم اسے ماسٹرز تو کر لینے دیں"
"کیا کرنا ہے اسے اتنا پڑھ کر اور ویسے بھی اسے
پڑھائی کا خاص شوق نہیں ہے۔ مشکل سے گریجویشن
تک راضی ہوئی ہے وہ بھی اگلے سال تک

کمپلیٹ ہو جائے گی۔"

عما نے بیزاری سے کہا۔ میں صرف کندھے اچکا کر رہ گیا۔ "مجھے اس کی تو مجھے کوئی خاص فکر نہیں ہے۔ ایک سال تو ابھی۔ ویسے بھی ہمارے پاس اس کے لیے تین چار رشتے موجود ہیں۔ ہم دیکھ بھال کر ایک Select کرلیں گے۔ تم مجھے اپنا ارادہ بتاؤ۔"

عما پھر میری طرف پلٹ آئیں۔
"میرے بارے میں بھی بعد میں سوچیے گا۔"
میں نے انہیں ٹالنا چاہا۔
"فرزین! ایک مہینہ ہے تمہارے پاس تم کوئی لڑکی پسند کرکے بتاؤ۔
اور اگر ایک مہینے میں کوئی لڑکی پسند نہیں کی تو پھر تمہاری شادی میں اپنی پسند کی لڑکی سے کرواؤں گی۔"

عما نے اپنا فیصلہ دے دیا۔
"لیکن عما اتنے Short Period میں بھلا کیسے کوئی لڑکی پسند آسکتی ہے۔"
میں نے احتجاج بلند کیا۔
"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔"
عما اٹھ کھڑی ہوگئیں اور بغیر میری کچھ سنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہ گیا۔

OOO

"عما بھی کمال کرتی ہیں۔ بھلا اتنے کم عرصے میں کوئی لڑکی پسند کرسکتا ہے وہ بھی لائف پارٹنر کے لیے۔"

میں نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے روابہ سے کہا۔
"بالکل پسند نہیں آسکتی۔ پسند آنے کو تو ایک لمحہ بھی کافی ہے اگر آپ چاہیں۔"
اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔
"یہ کیا بات ہوئی۔ بھئی اگر صرف پسند کی بات ہے تو ہمیں بہت سی لڑکیاں اور شکلیں پسند آتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم انہیں اپنی زندگی میں شامل کرلیں۔ اب کسی کو دیکھ لو بجھ... بیگ پیکنگ"

دلہن کی نوعمر بہت اچھی لگتی ہے اس کا یہ تو تسلیم ہے کہ میں اسے پانچ فٹ ... دو جانوں جیسا ... کھڑا ہے اور اسے ...
میں نے سگنل پر کھڑی گاڑیوں کے درمیان گزرتی ایک پھول بیچنے والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔
"بلاشبہ ایک خوب صورت لڑکی ہے اور اگر مقابلہ حسن میں شرکت کرے تو پہلا نمبر تو نہیں مگر انعام کی تو ضرور مستحق ہوگی۔"
میں بڑے آرام سے کہہ رہا تھا جب کہ روابہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"آپ تو ہر بات کو ... اگر ... آپ کو اتنی ہی لگ رہی ہے تو بتائیں مجھے اس سے شادی کی بات کروں۔"
میں نہایت سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔
"ٹھیک ہے بھئی۔ آپ یہ ساری باتیں ... سامنے ... گا۔"
... ہنستے ہوئے بولی۔
"... تاہے۔"
میں نے ... بھی ... کیا
"... مجھ کو بھی ... تیار نہیں۔"
"ارے بھائی۔"
اس کا ... آگیا تھا۔
"آپ آفس جا رہے ہیں۔"
وہ اترتے ہوئے پوچھنے لگی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تو ٹھیک ہے پھر شام کو ملاقات ہوگی۔ ... سے میں ... ابھی سے ہی لڑکی تلاش کرنا شروع کردیجیے اور اگر میری خدمات کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔"
وہ شرارت سے بولی۔
"بہت شکریہ سوئٹ سسٹر آپ کی خدمات کا۔ مجھے امید ہے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
میں نے اسے زیادہ ... اطمینان دلایا۔
"... "
... کی ... آئی ... سے ... گیا ... نظر

... کہ ... قریب پارکنگ ... کی گاڑی آ کے ... چلے گئے۔
یونیورسٹی کی روڈ سے گزرتے ہوئے میرے پاؤں بے اختیار بریک پر جا پڑے اور گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ سامنے کا منظر ہی کچھ ایسا تھا۔ ایک لڑکی اور پشت ... وہی لڑکی تھی جسے میں نے اس کیرٹ فنکشن ... بار بار شوق سے دیکھا تھا۔ اس کے سامنے وہی ... گاڑی کھڑی تھی جس میں اب صرف دو لڑکے بیٹھے ہوئے تھے وہ شاید اس لڑکی کو تنگ کر رہے تھے اور زبردستی اسے گاڑی میں بٹھانا چاہتے تھے جب کہ وہ پیچھے ہٹتی جا رہی تھی۔ میں نے تیزی سے گاڑی ... آگے بڑھائی اور بالکل ان کے قریب لے جاکر روک دی اور ساتھ ہی فرنٹ ڈور بھی کھول دیا۔ ان دونوں نے ایک ساتھ چونک کر مجھے دیکھا اس ... آنکھوں میں شناسائی کی چمک ابھری۔ اس نے بے جھجکے سے اپنی گاڑی بڑھائی اور تیزی سے دوڑ کر فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔ میں نے بھی اسی تیزی سے گاڑی کو ... فل اسپیڈ میں چھوڑ دیا اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ گلی اور نکل آئے تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ میں نے گاڑی ایک سائیڈ پر روکی اور اسے ٹشو پیپر تھمایا۔
"پلیز میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ لوگ کون تھے اور آپ کو کیوں تنگ کر رہے تھے میں چاہتا ہوں کہ ابھی طبیعت صاف کر کے گھر میں اچھی طرح ... ہوں کہ ان ... آپ کی پریشانی میں مزید اضافہ ... لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جب آپ گھر سے ... ہیں تو کم از کم آپ ... اتنی ہمت ضرور ... ہیں کہ ایسے لوگوں کا مقابلہ ... سامنا کیا کریں۔"
میں ... کہے میں کہہ رہا تھا۔
اس نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ میں ... کہ وہ ضرور کچھ کہے گی۔
"... پلیز یہ بتادیں کہ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں ..."

واپس یا ... کی چھوڑ دوں۔"
میں اس کی خاموشی سے تنگ آکر پوچھنے لگا۔
"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ مجھے یہیں آگے والی چورنگی پر چھوڑ دیں۔"
میں سمجھ گیا کہ وہ گھر جانا چاہتی ہے مگر میرے ساتھ نہیں۔ میں نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھائی اور آگے والی چورنگی کے پاس ایک طرف روک دی۔ اس نے وہاں شکریہ ادا کیا اور سامنے سے جاتی ہوئی بس میں سوار ہوگئی۔
سارا دن آفس میں میرے ذہن پر یہ واقعہ سوار رہا تھا اور بار بار اس لڑکی کی شبیہ مجھے اپنی نظروں کے سامنے دکھائی دیتی۔ رات شدید تھکن کے باوجود بھی کافی دیر تک جاگتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے سلیپنگ پلز لینا پڑیں۔

OOO

"پھر تم نے کیا سوچا؟"
صبح ناشتے کی ٹیبل پر عما مجھ سے مخاطب تھیں۔
میں چونک گیا ساتھ میں ڈیڈ اور روابہ بھی۔
"کس بارے میں عما!"
میں حیران سا پوچھنے لگا۔
"شادی کے بارے میں۔ اور یہ کہ تمہیں کوئی لڑکی پسند آئی کہ نہیں۔"
وہ ... ہوگئیں۔
"عما ... دو دن میں بھلا کیسے کوئی شادی کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔"
میں نے ٹیبل سے بھرا گلاس اٹھالیا۔
"مگر بھیا لڑکی تو پسند آسکتی ہے۔"
روابہ بولی۔
"دو دن میں۔"
میں نے گلاس لبوں تک لے جاکر روک کر کہا۔
"دو دن تو بہت ہیں بھیا" اس کے لیے دو پل ہی کافی ہیں۔"
... نے گہری بات کی تھی۔ میں نے اس کا مذاق اڑانا چاہا لیکن پانی پینے کے لیے گلاس کی طرف دیکھا

آنے ایک عجیب عمل تھا ... کے سارے روپ مجھے اس پیالی میں نظر آنے
لگے مجھے گھبرائی ہوئی۔ کبھی روتی اور کبھی ہنستی ہوئی۔ میں
ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ اور حیران سا گلاس کی
طرف دیکھ رہا تھا۔ جانے کتنے لمحے گزر گئے
تھے

"ازرق۔"
مما کی آواز پر میں چونکا۔
"جی ... مما"
"کیا ہوا بیٹے پانی میں کچھ ہے؟"
"مجھے پانی تو دھندلا سا ... لگ رہا ہے شاید اس میں
کچھ گر گیا ہے"
"نہیں۔ مما پانی تو بہت شفاف ہے۔ ...
نظر آ رہی ہے"
میں شگفتگی سے بولا۔ اور ایک سانس میں
گلاس چڑھا گیا۔
"اوکے۔ مما ڈیڈ میں چلتا ہوں۔"
ساتھ ہی کھڑا ہو گیا
"رکیں بھیا۔ میں بھی آ رہی ہوں۔"
رواب تیزی سے اٹھتی ہوئی بولی۔
"پھر جلدی آؤ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔"
میں باہر نکل گیا

OXO

پھر اگلے کئی دن مجھے خود کو یہ باور کرانے میں لگ
گئے یہ صرف میرا خیال ہے۔ ورنہ کیا یہ ممکن ہو سکتا
ہے۔ لیکن میرے اندر کے انسان نے سختی سے یہ
بات رد کر دی۔ اور میں نے تھک ہار کر ہتھیار پھینک
دیے لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ میں مما کو کس طرح
بتاؤں۔ جب کہ میں خود اس کا نام تک نہیں جانتا تھا۔
میرا معمول بن چکا تھا کہ میں روز یونیورسٹی روڈ سے گزرتا
تھا۔ پوچھ تو میں ثوبیہ سے بھی سکتا تھا مگر کیا پوچھتا
جب کہ میں اس کا نام تک نہیں جانتا تھا۔
مما کا تقاضا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اگر یہ سب نہ ہوا
ہوتا تو میں مما سے یہ کہہ دیتا کہ جسے آپ پسند کریں۔

[illegible]
گاڑی یونیورسٹی کے اندر کی طرف بڑھا لی۔
اس کے ڈیپارٹمنٹ کے پاس [illegible]
لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا جو کہ مجھے خود بھی بہت عجیب لگ رہا
تھا۔ مگر مجبوری تھی لیکن میں ساتھ ہی [illegible]
تھا کہ مجھے ثوبیہ نظر آ گئی شاید اللہ میاں کو مجھ پر
رحم آ گیا تھا۔ وہ لان چیک کرتا [illegible]
ہاتھ تک [illegible] نازک ہاتھ میں پکڑے [illegible]
[illegible] اپنے مخصوص انداز میں [illegible]
[illegible]
میں تیزی سے ان کے قریب آیا
"السلام علیکم"
میری آواز پر اس نے چونک کر [illegible]
[illegible]
"[illegible] پلیز! آپ تھوڑی دیر کو میری
بات سن لیں"
میں نے جلدی جلدی کہا
"کہیے۔"
وہ بولی۔
"یہاں؟"
میں نے حیران ہو کر کہا
"ہاں! اور ذرا جلدی۔"
وہ عجلت میں تھی
"[illegible]" ہم دونوں نے ہی چونک کر آواز کی
طرف پلٹ کر دیکھا۔
ایک بہت ہی [illegible] شخص ہاتھ میں [illegible]
لئے ہماری طرف چلا آ رہا تھا
"چلیں بیٹا۔"
وہ اس سے مخاطب ہوا۔
"جی [illegible] بابا۔"
اس نے اس شخص کو بولا
پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔
"[illegible] بابا ہیں۔" "[illegible]

"[illegible] آپ [illegible] کے پروفیسر ہیں"
میں نے بہت ادب سے سلام کیا۔
"[illegible] وہی ہیں۔ جنہوں نے اس دن [illegible]"
وہ [illegible] گئی۔
"جی! اچھا اچھا۔"
انہوں نے سر ہلایا۔
"بابا مجھے ان کا نام نہیں پتا۔"
وہ آہستہ سے بولی
"جی میرا نام ازرق عیاز شاہ ہے۔"
میں نے جھٹ اپنا نام بتایا۔
"بہت خوشی ہوئی بیٹا آپ سے مل کر یقیناً آپ
بہت اچھے والدین کے فرزند ہیں۔"
"جی شکریہ آپ کا۔"
میں عاجزی سے بولا
"[illegible] کے بیٹا پھر آپ گھر آئیے گا۔ وہاں تفصیل
سے بات ہو گی۔"
انہوں نے مجھے دعوت دی۔
"ضرور [illegible] مجھے آپ کا ایڈریس نہیں معلوم۔"
میں فوراً بولا [illegible] انہوں نے ایک
[illegible] سے اپنا ایڈریس لکھ کر مجھے تھمایا۔ اور خدا
حافظ کر کے ساتھ لے کر چلے گئے میں نے
نظر ڈالی
"[illegible] منور قادری۔ A-4 گلبرگ [illegible]
10 [illegible]"
[illegible] پروفیسر صاحب
[illegible] اور وہ بہت حیران۔
[illegible] صاحب نے [illegible] وہ لڑکے اس
[illegible] ڈیپارٹمنٹ کے [illegible] کے دوران
[illegible] کرتے ہوئے [illegible]
[illegible] امتحان کے لئے [illegible]
[illegible] اور وہ اس کا بدلہ لے رہے تھے۔ میں [illegible]
[illegible]
[illegible] باتوں میں [illegible] میں نے [illegible] باتیں [illegible]
[illegible]

اور ان کی بیگم کی یہ خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کی شادی
جلد از جلد کسی اچھی جگہ ہو جائے۔ میں نے ڈھیر
ساری باتیں کیں۔ بہت اچھی سی چائے پی اور خوش
خوش گھر لوٹ آیا۔ دوسرے دن میں نے مما کو اس
کے بارے میں بتایا۔ اس کا ایڈریس انہیں تھمایا اور
جتنی تعریفیں میں اس کی اور اس کے والدین کی کر سکتا
تھا کیں اور اس میں جھوٹ کم از کم میرے حساب
سے ایک فیصد بھی نہ تھا۔ اس دوران میں نے مما کے
چہرے کو کھوجا نہیں کہ ان کے کیا احساسات ہیں۔
میں تو بس اس کی دلکش ہنسی میں کھویا ہوا تھا میں نے
مما کو ساری باتیں صرف اس کو تصور میں رکھ کر
بتائی تھیں۔ میں نے تو ادھر دھیان ہی نہیں دیا
تھا۔ بہرحال مما نے مسکرا کر میرا گال تھپتھپایا۔ اور
تسلی دی کہ میں جیسا چاہتا ہوں ویسا ہی ہو گا اور مجھے
اس وقت اپنی حسین مما ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت
لگیں۔

OXO

اس کے دوسرے ہی دن مجھے اسلام آباد جانا پڑ گیا
تھا۔ اور تقریباً ایک ہفتے بعد واپس آ سکا تھا لیکن
آنے کے تین دن بعد تک بھی میری مما سے ملاقات
ہی نہیں ہو سکی تھی۔ جب کہ میں نتیجہ جاننے کے
لئے بے حد بے قرار تھا۔ اس دن میں نے تہیہ کر لیا
تھا کہ آج مما سے ضرور پوچھوں گا کہ کیا رہا اس لئے
میں آفس سے جلدی اٹھ گیا گھر پہنچا تو مما نہیں
تھیں۔ رواب نے بتایا مما ایک ہفتے کے لئے بینکاک شاپنگ کو
گئی ہوئی ہیں۔ میں بری طرح جھنجلا گیا۔ لیکن
رواب سے کچھ نہیں پوچھا کیونکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا
کہ اسے کچھ نہیں معلوم ورنہ وہ پہلی فرصت میں
مجھے بتاتی اب مجھے ایک ہفتہ مزید انتظار کرنا تھا۔ اگلے
ہی دن رواب نے مجھ سے کہا کہ میں ثوبیہ کو یونیورسٹی
سے واپسی پر لیتا آؤں میں منع کرنے والا تھا کہ مجھے
خیال آیا کہ یونیورسٹی جانے سے میری [illegible]
[illegible] ہو سکتی ہے۔ چنانچہ راضی ہو گیا۔ لنچ ٹائم پر
میں اپنی [illegible] سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے ڈیپارٹمنٹ

تھی۔

[illegible] ہوئے میں بول رہا تھا۔ مما مجھے [illegible]

[illegible] ہو رہی تھیں

[illegible] سب میری وجہ سے آپ کو اتنی [illegible]

[illegible]"

[illegible] ہوئے کہا۔

[illegible] کے بیٹا دونٹ بی فارمل۔"

[illegible] نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

میں [illegible] سے ان کے کمرے سے باہر نکل آیا [illegible] تھیں۔ اس رات [illegible] جب میں نے دعا کے لیے ہاتھ [illegible] آنکھوں سے بے اختیار اشک رواں [illegible] نے دو باب ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

[illegible] ایک دو یا پانچ سال گزر گئے [illegible] تھی کئی لڑکیاں انہوں نے [illegible] راضی نہیں کر پا رہا تھا [illegible] کے لیے [illegible] ساتھ مل کر مجھے [illegible] لڑکی کی [illegible] آسان سے [illegible] کو قبول کرنے پر تیار [illegible] مما بھی حق بجانب [illegible] کرتے کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی کی [illegible] ان کے [illegible] لائق و فائق [illegible] کی نظر تھی لیکن [illegible] سے دیا۔ کیا کے بعد [illegible] واپسی کے بعد [illegible] اپنی پسند [illegible] انہیں اختیار [illegible] دیا۔ اور [illegible]

[illegible]

[illegible] کمپنی کے کام سے اس [illegible] سے ملنا تھا۔ [illegible] لیکن پہلا [illegible]

بلا کے ساتھ دوستیں بھی تھیں بڑی تھیں۔ اس ان بھی میرے دوست کے گھر پارٹی تھی اور اس نے بہت اصرار سے بلایا تھا۔ اتنی بار آنے کی تاکید کی تھی کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہو گیا۔

[illegible] تھا مگر بہت بور محسوس کر رہا تھا۔ میزبان صاحب بھی ایک تعارف کرا کر غائب ہو گئے تھے۔

"او ہو! ازرق تم یہاں کھڑے ہو۔ چلو میں تمہیں اسپیشل گیسٹ سے ملواتا ہوں۔"

میرا [illegible] دوست سہیل میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

میں نے اسے پلٹ کر دیکھا۔

"ان سے ملو یہ ہیں مس [illegible]"

سہیل نے ایک خوب صورت لڑکی کی طرف اشارہ کیا میں نے خوش اخلاقی سے مسکراہٹ سے ہاتھ ملایا اور اس کی مسکراہٹ پر بار کر مل دیا لیکن [illegible] الجھ رہا تھا۔ مس [illegible] کی [illegible] مجھے پہلے بھی کہیں دیکھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر کہاں مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ معذرت کر کے آگے بڑھ گئے۔ سہیل بھی غائب ہو گیا تھا اور میں اپنے آپ کو [illegible] کا [illegible] وہی [illegible] کی جانب [illegible] میرا تھوڑی تھوڑی دیر بعد [illegible] ہو جاتے کی [illegible] کرتے کرتے میں سوچ رہا تھا سامنے والا [illegible] جب اس کو ریسپانس نہیں ملتا تو اکتا کر [illegible] بدل لیتے۔ میں پھر تنہا رہ گیا تھا۔ اکتا کر میں باہر لان میں نکل آیا۔ سہیل نے بہت اچھا ارینج کیا ہوا تھا وسیع و عریض لان میں۔ خوب صورت فوارے کے اطراف [illegible] کیا گیا تھا۔ جس قریب ہی [illegible] آراستہ تھا جو خوب صورت روشنیوں سے جگمگا کر ماحول کو دلکش بنا رہا تھا۔ ہوا کو ٹھنڈی لطافتوں سے [illegible] رہا تھا۔ میں وہیں ایک درخت کے پاس کھڑا [illegible] رہا تھا کہ سامنے دیکھتے ہوئے میں [illegible] کم از کم اس وقت میں [illegible] میں تھا اور لے تو میں [illegible] [illegible] میں بھی ان کے بچپن سے تھا۔ وہ بھی گئے۔

[illegible] کر میں یہ دعا کرتا تھا کہ ثوبیہ سے پہلے مس [illegible] مجھے نظر آ جائے اور شاید قبولیت کی گھڑی تھی۔ وہ سامنے سے چلی آ رہی تھی میں فوراً اس کے قریب آیا۔ اس نے مجھے دیکھا مگر نظرانداز کر کے اپنی سہیلیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"ایکسکیوزمی مس [illegible]"

میں نے اسے پکارا۔ اس کی دوستیں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان سے ایکسکیوز کر کے میری طرف [illegible] ہے آپ پوری کریں"

"فرمائیے۔ جو بھی [illegible] ہے آپ پوری کریں"

میں حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"جی یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا کیسے سمجھ لیا آپ نے کہ صرف دو ملاقاتوں میں میں آپ سے شادی کی خواہشمند ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ خواہش تو میری ہے۔"

میں آہستگی سے بولا

"تو یہ یقین کیسے ہو گیا کہ میں آپ کی اس خواہش کا احترام کروں گی۔"

میں ساکت کھڑا تھا۔ میرے پاس الفاظ نہیں تھے کہنے کے لیے۔ واقعی میں نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ جو میں چاہتا ہوں وہ بھی وہی چاہتی ہے۔

"آپ سمجھ رہے تھے کہ میں شاید آپ کی دولت اور آپ کی شخصیت سے متاثر ہو گئی ہوں۔ یا آپ کی ہمدردی کو کچھ اور نام دے دیا ہے۔ مسٹر ازرق عیاز شاہ۔ بات آپ اچھی طرح سے سن لیجیے اور اپنی مما کو بھی سمجھا دیجیے گا کہ میں نہ تو آپ کی دولت سے انسپائر ہوں اور نہ آپ کی شخصیت سے۔ مائنڈ اٹ۔"

اس نے تلخی سے کہا اور بغیر میری کچھ سنے پلٹ گئی۔

میں جیسے ایک گہرے سناٹے میں کم از کم [illegible] کی آواز کی بازگشت سنتا رہا اور نہ جانے کب تک [illegible]

"ہیلو ہیلو!"

ثوبیہ نے میری آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو میں چونک گیا۔

"کہاں کھوئے ہوئے تھے۔"

وہ پوچھ رہی تھی۔

"کہیں نہیں۔ تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"کیا تم؟"

"وہ تو میرا انتظار کر رہے تھے۔ پچھلے پانچ منٹ سے تمہارے سامنے کھڑی ہوں لیکن تمہیں خبر ہی نہیں تھی۔ سو لکلی اسٹیچو بنے ہوئے تھے۔"

وہ بحث کرنے لگی۔

"چلو بھئی مان لیا۔"

میں گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ [illegible] وہ بھی آ رہی تھی اور میں اول جلول کے سوا کچھ کہہ نہ سکا [illegible] "میرا دل و دماغ سن تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی نہ [illegible] تھا اور نہ سمجھ رہا تھا۔

[illegible]

"آ جاؤ۔ دروازہ کھلا ہے"

میں دروازے پر دستک کرنے [illegible] مما کی آواز آئی۔

"آؤ بیٹا بیٹھو۔"

مما وارڈ روب سے اپنا ڈریس نکال رہی تھیں۔ میں خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ مما تھوڑی دیر بعد کہنے لگیں۔

"ازرق میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تمہارے کہنے پر میں اس کے گھر گئی تھی۔ صرف اس لیے کہ وہ تمہاری پسند تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تمہاری پسند کوئی معمولی نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے کلاس کو بھی اہمیت نہیں دی۔ مگر بیٹا مجھے افسوس ہے کہ ____"

میں نے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"[illegible] مما افسوس مت کیجیے۔ غلطی میری [illegible] مجھے اس سے منحرم کرنا ہے"

لیکن میری آنکھوں کے سامنے صرف چند قدم کے فاصلے پر بے اختیار روشنیوں میں گھری ہوئی ندرت سے مل جمکاری تھی۔ میں تا چونکہ "نصیبا" اندھیرے میں کھڑا تھا اس لئے شاید اس کی مجھ پر نگاہ نہیں پڑی تھی۔ وہ ضوفشاں علی تھی خوبصورت زیور میں چمکتے چہرے کے ساتھ دلکش مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی۔ اس کے برابر کھڑا شخص ابوظہبی کا مشہور بزنس مین تھا جسے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہت فخریہ انداز میں سب سے اس کا تعارف کروا رہا تھا اور میں سناٹوں میں گھرا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت ان میں سے کسی نے اپنی آواز کا جادو بکھیرنا۔

"اک سپنا کھو گیا تھا۔ کوئی اپنا کسی اور کا ہو گیا تھا۔"

میں پلٹنے لگا تھا کہ ایک آواز نے میرے قدم روک دیئے۔

میری پشت کے بالکل قریب مسٹر اینڈ مسز زاہد کھڑے تھے۔ اور یہ مسز زاہد کی آواز تھی۔ جو اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی۔

"ابھی آپ جس سے ملے تھے وہی تھا؟"

"کون؟"

زاہد پوچھ رہا تھا۔

"ارے وہی ارتق ریاض شاہ۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔

"ہاں"

زاہد کی آواز آئی۔

"آپ ضوفشاں سے تو ملے ہیں نا! میری بہت اچھی دوست۔ آج اتنے سالوں بعد اس سے ملاقات ہوئی۔ اس کی امی سے میں دو دن پہلے ملی تھی۔ کہہ رہی تھیں کہ میں بہت مطمئن ہوں۔ ضوفی بہت خوش ہے۔"

"خوش تو ہونا ہی ہے۔ ابوظہبی کا بہت امیر کبیر ہے۔"

زاہد بولا

"صرف امارت سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ورنہ امیر تو ارتق بھی بہت ہے۔"

میں پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں بھئی؟ میرا خیال ہے ارتق بھی بہت اچھا انسان ہے۔"

"رہنے دیں۔ اچھی طرح جانتی ہوں میں۔ ریاض صاحب ضوفی سے رو رو کے ملے اور تیسری بار اپنی والدہ محترمہ کو بھیجا ان کے گھر رشتے کے لئے۔ اور پھر انہی کی والدہ صاحبہ نے بے نقط سنائیں ضوفی کے ابا کو۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی نظریں ریاض صاحب کی دولت پر ہیں۔ بہت بے عزتی کی۔ ضوفی کے ابا برداشت کر گئے انہیں ایک ہونہار بیٹا نصیب ہوا تھا لیکن ضوفی سے خدا نے بچا لیا۔ مگر ضوفی تو ٹوٹ گئی تھی۔ ایسے بھی ہوتے ہیں لوگ۔"

وہ بتاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اور میں بیچ میں کھڑا تھا۔ گرم ہوائیں میرے اندر سائیں سائیں کرتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ میرے دل میں جیسے کانٹے پڑے تھے۔

"مگر اس میں ارتق کا کیا قصور۔ وہ تو ضوفشاں کو پسند کرتا ہو گا۔"

"ہیں۔ بس رہنے دیں اب۔ کیا پسند ہو گا۔"

وہ جل کر بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ شہوار۔ تمہاری دوست ضوفشاں اسے پسند کرتی تھی کیا؟ نہیں؟"

"پتا نہیں۔ بہت گہری لڑکی ہے۔ مگر مجھے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اداسی محسوس ہوتی ہے جب ہنستی ہے تب بھی۔ ورنہ پہلے جب ہنستی تھی اس کی آنکھیں چمکنے لگتی تھیں۔"

وہ اداسی سے بول رہی تھی۔ اور میں خود کو واپس جھکتے قدموں سے باہر کی طرف بڑھنے لگا۔ مانا میں نے۔ مانا کہ چھوڑ کر آیا ہوں وہ میرا کیسا تھا کسی سے بھی کیا گلہ کہ جیون میں

جاتے ہوئے اجازت لے کر پارکنگ کی طرف

"پھر بھی کتنا بڑا عذاب ہوتی ہے یہ کہ مجھے جا... مجھے سب پتا نہیں چلا پایا تھا میں بچھڑ کر ملنے ہیں جب میں اپنی زندگی اپنا قسمت کا لکھا سمجھ کر گوارا کر لیتا۔ ہم اور جرم تو ہو جاتا۔"

میرے ذہنوں میں رواہ کے الفاظ گونجنے لگے۔

جب میں ان سے پوچھ رہا تھا کہ آخر وہ شہزل کے رشتے سے کیوں انکار کر رہی ہے۔ اتنا اچھا تو ہے۔"

"وہ آنکھیں پھاڑے پوچھ رہی تھی۔ اور ویسے بھی ہماری کلاس کے لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"آپ کیسے کیوں نہیں ہیں۔"

کی بات شہزل کی اتنی اچھی ہو تو بات۔"

"میرا تو وہی جواب ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"دیکھو رواہ! امی ڈیڈی ہمارے لئے اتنا کچھ کرتے ہیں۔ کیا ہم ان کی ذرا سی خواہش پوری نہیں کر سکتے"

"تو آپ کیوں نہیں کرتے۔ کیوں انکار کئے جا رہے ہیں۔"

"میں جب اپنے آپ کو تیار کر لوں گا تو فوراً" ان کی بات مان لوں گا۔"

میں نے یہ کہہ کر اسے خاموش کرا دیا۔

پھر اگلے مہینے ہی اس کی شہزل سے شادی طے ہو گئی۔ ممّا ڈیڈی نے ڈھیروں جہیز کے ساتھ ایک فیکٹری بھی اس کے نام کر دی تھی جب وہ رواہ اور شہزل

بے وفا دوست

دوستی کا صلہ کچھ نہ ملا
تو ساتھ چل نہ سکا
میں نے بہت دور تک تجھے دیکھا
لیکن تو ایک پل مجھے دیکھ نہ سکا
میں نے ہر لمحے تجھے سوچا
تجھے میرا خیال نہ آیا

مگر اب دل کو یقین ہو چکا ہے
بے وفا دوست تو کسی اور کا ہو چکا ہے
مگر اب بھی تیرے خیال کی دستک میرے
دل کو دیتی ہے
دل کو ایک آہٹ کی یاد آتی ہے
بھول میرے دل کو یقین نہیں
تو میرا نہیں
بے وفا سوچا تجھے بار بار
دل نے کہا ہر بار
تو میرا نہیں
تو میرا نہیں

(حمیدہ حامد علی)

کے ساتھ جا رہی تھی اور ملنے آئی تو میں نے اس سے کہا۔

"دیکھا روا، ممانا! یہ ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں۔ کسی کمی کا احساس ہونے دیا انہوں نے آج تک۔"
اس نے مجھے دیکھا اور پھر کہنے لگی۔

"مینا! اس غلط فہمی سے آ جاؤ کہ ممانا یہ سب ہمارے لیے کرتے ہیں۔ اور اگر کرتے ہیں بھی تو یہ ہمارا حق ہے۔ اگر آپ [illegible] اور وہ چیزوں کی بات کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنی بچی کو نہیں اس کے سسرال والوں پر رعب قائم کرنے کے لیے دیا ہے۔ رہی بات ہماری بہترین تعلیم کی تو دنیا بھر کے والدین اپنی اولاد کو بہتر تعلیم اور جدید سہولیات فراہم کرنا چاہتے ہیں مگر احسان نہیں کرتے۔ ہمارے ممانا یہ سب ہمیں فراہم کرنے کے لیے کوئی پہاڑ نہیں کھودتے پڑتے۔ یہ سب ان کی آباؤ اجداد کی جائیداد ہے۔ جس کا انہوں نے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ ایک مزدور باپ بھی جب اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے محنت کر کے پیسہ خرچ کرتا ہے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ میں یہ سب تمہارے لیے اور تمہاری خاطر کر رہا ہوں۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارا حق ہے۔ آپ نے کبھی ان کے منہ سے یہ الفاظ سنا کہ یہ سب ہمارا حق ہے۔ "نہیں۔" بے ساختہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پوچھ رہی تھی اور میں حیرت زدہ جیسی تھی۔

"اچھا۔ تم تو انہوں نے مڑ کے پوچھا نہیں اتنا؟ تعلیم یہ سارا کچھ تو پہلے ہی ہمارا تھا اور اب بھی ان کا ہے۔ آج ہمیں سب ان کے نام سے پہچانتے ہیں۔ آپ بھی باہر نکلیں تو آپ کو ان کا [illegible]۔ ممانا یہ ایک خوب صورت اور خوش نصیب کپل کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ بہت شہرت ہے ان کی ملک میں اور ملک سے باہر۔ ان کے پاس کیا کچھ نہیں ہے۔ ممانا کی پارٹیاں اور ڈنر، ملک سے باہر کے ٹور۔ بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ہے۔ پھر ان کی تکلیفیں اور پریشانیاں [illegible] ہمارے لیے۔ وہ تو فقط ہیں کہ ان کی اولاد بڑی ہوتی نہیں ہے۔ جیا [illegible]

تم نے اس غلط فہمی سے ہماری خاطر [illegible] چھوڑ دو۔" اس نے سر جھٹکا اور کمرے سے چلی گئی۔ اس وقت تو میں نے اس کی باتوں پر غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔

آج ساری باتیں مجھے ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں۔ اور اسی وقت میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔

آج صبح تک میرا ارادہ تھا کہ میں ممانا کو نومی کے بارے میں بتاؤں [illegible] ممانا کی [illegible] خواہش تھی۔ لیکن مجھے کسی وقت [illegible] رات تک یہ فیصلہ مجھے [illegible] کر رہی تھیں۔ وہ اسی وقت [illegible] شرکت نہیں کی تھی اور میں نے [illegible] اب میں [illegible] لیکن سوچوں نے [illegible] کہ ہنڈی [illegible] تھے۔

[illegible] سے پہلے میں نے [illegible] کے لیے سیٹ ریزرو کروالی تھی اور اپنے سامان کی پیکنگ کرنے لگی۔ جس صبح میری فلائٹ تھی رات کو میں نے ممانا کو اپنے جانے کے بارے میں بتایا تو انہوں نے وجہ جاننا چاہی تھی۔ "ہمیں شاید [illegible] صرف چند دنوں کے لیے جا رہی ہوں۔" [illegible] واپس آ کے [illegible] اور ان سے [illegible] پہلے ہی کہہ دیا کہ [illegible] "ممانا، آنٹ کی [illegible]" [illegible] میں نے صرف ان کے کمرے سے [illegible] اور باہر نکل [illegible] تھی۔

[illegible] ہوتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ [illegible] تو امتحان ختم ہونے کے بعد [illegible] ہو جاتی تھی [illegible] زندگی [illegible] شروع ہونے والا ہے۔ [illegible] جانے کب [illegible] بھی [illegible] سے [illegible] مجھے [illegible]

انجم صبغت اللہ

تھام محبت کی گر تھام سکے ڈوری

میں بے خبر سوئی [illegible] کی طرف [illegible] اور اس کی
نیند ٹوٹی ہوئی تھی۔ سونیا [illegible] اس
کے جسم میں [illegible]
نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپایا۔
"اف خدایا میں کیا کروں" سونیا کی سسکیاں اتنی
بلند تھیں کہ [illegible] خاموش اور [illegible] نہیں۔ [illegible]
نے اٹھ کر سونیا کو گلے لگایا۔
"میری معصوم سی چڑیا [illegible]" اس کی پیشانی
چومتے ہوئے بولے۔
"ہو نا یہ [illegible] ڈری ہوئی" "ایک تو [illegible] میں
اکیلی اور پھر موت کا ڈر"
موت کا نام سنتے ہی سونیا کے جسم میں [illegible]
[illegible]

[illegible]



[illegible] "ڈیڈی مجھے آپ
[illegible] کے علاوہ اور دنیا کی [illegible]"
[illegible] محبت کا جذبہ امڈ آیا اور ساتھ
[illegible] خاموشی سے الگ ہو جاتی
[illegible] فاصلے طے کرنے اور ان سے بچنے سے
[illegible] کا سب غبار کم ہو گیا
"ڈیڈی میں اکیلی ہوں"
"ڈیڈی میں تنہا ڈری ہوں"
"ڈیڈی مجھے ہمیشہ آپ کے مضبوط [illegible]"

ضرورت رہی ہے
"ڈیڈی [illegible] جائے"
[illegible]



محسوس ہوا تھا۔ بڑی کمسن ہو سکتے کا ملے ڈیڈی بھی
تنہائی سے اُکتا گئے تھے۔ شاید ان کے باہر رہنے کی
وجہ سے اداس رہتی تھیں۔ ڈیڈی کے خط کے آخر
میں بیٹھی یہ لکھا ہوتا اور تمہاری آنٹی صفورا کیسی
ہیں؟

اور آنٹی ہیں تو اسے خط بھیج کر دیتی تھیں کہ
وہ تمہارا خط!

لیکن اب جب کہ آنٹی کا انتقال ہو گیا ہونے
سے چل بسی تو سونیا کو آنکھیں [illegible]
کے بعد وہ جس طرف گیا پھرا سے ڈیڈی کا خط ملا
جسے پڑھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ انہوں نے لکھا تھا۔
"جب صفورا تھی مجھے یقین تھا کہ تمہارے پاس ماں
بھی ہے اور باپ بھی اور تمہیں میری ضرورت نہیں
اب جب کہ وہ نہیں رہی تو میں سوچتا ہوں کہ اب
مجھے تمہارے پاس آ جانا چاہیے لیکن کیوں کہ مجھے
بیٹی کے لیے یہاں سے بزنس سمیٹنا ہو گا اور اس
سب میں مجھے تقریباً چھ ماہ لگ سکتے ہیں اور اس
عرصے میں تمہارا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔ تم اپنی خالہ
کے پاس چلی جاؤ اور جب تک میں نہ آؤں وہیں
رہنا۔"

سونیا خط پڑھ کر سوچ رہی تھی کہ وہ فیصلہ کیا
[illegible] اس کی خالہ امریکا میں رہتی تھیں۔ ان سے
شاید ہی ملاقات ہوئی تھی اور وہ تھوڑا الگ تھیں۔ عرصے
سے وہ صرف خط لکھتی تھیں۔ آنٹی خیریت معلوم کرنے
کو ٹیلی فون کر لیا کرتی تھیں۔ آنٹی صفورا کے انتقال
کے بعد [illegible]

"سونیا میری مصروفیت کا تمہیں علم ہے۔ تم
میرے پاس بھی یہیں نہیں آ سکتیں۔ تم یہاں کے
ماحول سے بھاگ جاؤ گی۔"

مگر سونیا سمجھ رہی تھی کہ وہ اکیلی رہ سکتی ہے۔
میں تنہائیوں میں رہ سکتی۔ آخر اپنا گھر ہے اپنی چیزیں
ہیں اور پھر میں بالکل اکیلی بھی تو نہیں۔ نوکر ہے اس کی
[illegible]

تھے لیکن صرف تین دنوں میں اسے اپنا یہ فیصلہ
تبدیل کرنا پڑا۔ اف کتنی ڈراؤنی راتیں اس نے جاگ
کر گزاری تھیں۔

سونیا نے اپنی آنکھیں کس کے بند کر لیں۔ تنہا
میں آنٹی صفورا جیسا سایہ بھی محسوس ہوتی تھیں اگر
سونیا سانس لیتی تو اسے محسوس ہوتا کہ آنٹی صفورا
اس گھر میں موجود ہیں اور ساری [illegible] سونیا تنہا تھی تو
اسے آنٹی اس میں کسی ہیولے کی شکل میں [illegible] اور یہ
خوف اس کے لیے [illegible]
صورت برداشت نہ کر سکی [illegible]
امریکا جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہفتے [illegible]
ٹکٹ اور امریکن ویزا لگوانے میں لگا [illegible]
[illegible] جلدی نہ ہو سکے۔

خالہ [illegible] انتظار
[illegible] راستہ تھا [illegible]
[illegible]
ہونے کی وجہ سے خالہ نے اسے [illegible]
تھا۔

سونیا نے چلتے وقت آخری مرتبہ اپنے گھر [illegible]
ڈالی اس کا دل بھر آیا آنکھیں نمناک ہو گئیں۔
"صرف چھ ماہ کی تو بات ہے پھر مجھے نہیں تو تب
گھر آئے اور پھر میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ اس خوب
صورت سے گھر میں رہوں گی۔" اس نے دل میں
سوچا۔

☆☆☆

کراچی سے نیویارک کا لمبا سفر جو تین گھنٹے میں
ختم ہوا۔ سونیا نے خود کو بہت تھکا ہوا محسوس
کر رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے ٹانگیں جیسے جڑ گئی تھیں۔
بچے نیلے رنگ کا پانی اور بھورے رنگ کی زمین کی
تصویر کسی پینٹنگ کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ [illegible]
[illegible]

ہر طرح سے وہی ماحول میں اسے کافی سست اچھی لگی اور
بھوک اور [illegible] کہ وہ اس وقت فضا میں تھی یہ سب
اسے بہت خوش گوار لگا۔

اس کے بعد ہی اعلان ہوا کہ جہاز لینڈ کرنے والا
ہے۔ حفاظتی بیلٹ باندھ کر سونیا خالہ کے بارے میں
سوچنے لگی۔

خالہ نے فلاڈلفیا میں اپنے گھر کا پتا اس طرح
لکھ کر رکھی تھی کہ سونیا کو ان کا گھر دیکھنے کا بھی
بہت اشتیاق تھا۔ سونیا کو پبلک ویٹنگ روم میں
پہنچنا تھا جہاں سے پھر ایک طویل راستہ بذریعہ کار طے
کرنا تھا۔ وہ ویٹنگ روم میں جانے کے لیے مڑی ہی
تھی کہ ایک بردبار سے شخص نے اس کا راستہ روک
لیا۔

"آپ سونیا ہیں۔" اس نے پوچھا۔
"جی ہاں!" سونیا نے اپنی آواز میں حیرانی کا تاثر
چھپاتے ہوئے [illegible]

"[illegible] کی خالہ جو میری چچی ہیں
اسپتال میں [illegible] کی وجہ سے آپ کو لینے یہاں نہ
آ سکیں انہیں افسوس ہے [illegible] لائے
ہوئے ہیں اگر آپ مجھے [illegible] دے دیں
گاڑی اس طرف ہے اس نے ہاتھ کے اشارے سے
بتایا۔

[illegible] اس کے پیچھے چلنے کے سوا کچھ [illegible]

[illegible] کے بھتیجے ہیں انجینئر ہیں اور
خالہ کے ساتھ [illegible] ایک بار خالہ نے ان
[illegible] تھا [illegible] میں بہت
[illegible] ہوئے اسے دیکھا [illegible]
[illegible] آنکھیں بے حد [illegible]
[illegible] ملے ہوئے تھے جیسے [illegible]
[illegible] لیکن اس کے ساتھ وہ ایک [illegible]

"[illegible] کیا مصیبت ہے [illegible] گاڑی [illegible]
[illegible] سے جانا ہے۔" سونیا نے [illegible]

گاڑی میں بیٹھ کر باہر دیکھ کر تلاش کرتا رہا جس سے
اپنے ذہن کو سمیٹ اور سوچ سکے لیکن جلد ہی گاڑی
فلیڈیلفیا ایئرپورٹ کی چکاچوند روشنیوں سے نکل کر
ہائی وے پر آ گئی اور باہر اب ہرے اور سرخ درختوں
کے سایوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ چہرے سے بھی
ایسا لگ رہا تھا اس کا صرف ڈرائیو کرنے کا ارادہ ہو اور
مستقبل قریب میں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں
سمجھتا۔ سونیا نے اس کی عمر کا اندازہ لگانے کی کوشش
کی۔ ہو سکتا ہے اس نے ابھی تک شادی نہ کی ہو۔
اس نے سر گھمائے بغیر کن انکھیوں سے اس کے
چہرے کی طرف دیکھا۔ اچانک ہی اسے دو زبردست
چھینکیں آ گئیں اور خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

اس نے مڑ کر سونیا کی طرف دیکھا اور سونیا شرمندہ
سی ہو گئی۔

"سوری" سونیا نے رومال سے اپنی ناک چھپالی۔
"شیشے چڑھا لیجیے"
اور سونیا نے فوراً ہی اس کا کہنا مان لیا اور شیشے
چڑھا لیے۔

"وقت بڑی اہمیت [illegible] کا کچھ بات تو کرنا
چاہیے ہو سکتا ہے یہ مجھ سے پہل کرنے کی توقع
کر رہا ہو۔"

"آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" سونیا نے پہل کی۔
"[illegible] شاید نہیں ہوئی لیکن یہ کام میرے سپرد تھا
اور مجھے یہاں آنا پڑا۔" اس نے کچھ اس طرح کہا کہ
جیسے کسی سے لڑ کر آ رہا ہو۔

"توبہ توبہ!" سونیا نے دل میں کہا اس کے بعد باقی
راستہ خاموشی سے کٹا۔

"[illegible] کرے بات مجھے کیا بہت مغرور معلوم ہوتا
ہے مجھے کیا ضرورت ہے بات کرنے کی۔" سونیا نے
[illegible] سامنے [illegible] پھر اس کی آنکھیں بند ہونے
لگیں [illegible] آپ کو حد سے زیادہ تھکا ہوا محسوس
[illegible] اس نے سیٹ سے سر ٹکا دیا۔

"ٹھیک سے بیٹھیے آپ میرے اوپر آرہی ہیں۔"

سونیا نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اسے نیند کے جھونکے نے آلیا تھا اور اس کا سر ڈھلک کر اس کے شانے سے ٹکا تھا۔

سونیا کو اس کے اوپر بے حد غصہ آیا۔ اس کا جی چاہا اس مغرور سے شخص کا منہ نوچ لے لیکن اتنی دیر میں گاڑی ایک موڑ کاٹ کر ایک خوب صورت گھر کے سامنے رک گئی تھی۔

سونیا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

اس نے سوٹ کیس … گیراج میں لے گیا۔

فلپائن کی ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک دس سال کا لڑکا اس کے پاس سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔

"میں آپ کی خادمہ ہوں جلیلہ میں آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچا آؤں۔" آنے والی عورت بہت مؤدب انداز سے بولی۔

"چلو پھر اٹھاؤ سوٹ کیس۔" سونیا نے بڑی خوش اخلاقی سے ہنس کر جواب دیا۔

سونیا کا کمرا اوپر کی منزل پر تھا۔ کمرے کی … طرف کھلتی کھڑکی جس پر … رنگ کے چھپے پردے پڑے تھے۔ کمرا بے حد گرم محسوس ہوا۔ سونیا نے … اور … میں ٹانگ … اور … گئی۔

٭٭

صبح کی سنہری دھوپ جیسے آسمان سے اتر کر جب سونیا کے کمرے میں داخل ہوئی تو سونیا نے اپنی آنکھیں ملیں پھر ایک دم بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھ گئی۔ "… بہت ہو گئی۔" اس نے … پر نظر … جب سونیا … بجا رہی تھی … چڑیوں میں … ہوئی … کی طرف … نظر …

"صبح بخیر بی بی!" جوزفین نے سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"صبح بخیر مجھے کافی دیر ہو گئی۔"

"نہیں بی بی دیر تو نہیں ہوئی آپ ویسے بھی لمبے سفر سے تھک کر آئی تھیں۔"

پھر سونیا فریش ہونے چلی گئی۔ گرم پانی جسم پر ڈالتے ہوئے اسے مزا آگیا۔

ناشتا لگا ہوا تھا سونیا … نے جوزفین کے بیٹے … نزل نے اسے بتایا کہ وہ … اور اس کی امی کا انتقال ہو چکا ہے …

بل کھاتی ہوئی سڑک کے اطراف … دور تک پھیلے ہوئے تھے … سبز اور سفید … بہت … منظر … سونیا نے … وہاں … ہے؟"

"بی بی ادھر تو … فاروق … ہیں …" نزل نے … انداز سے بتایا۔

"… آپ کو پتا ہے کہ فاروق نام ہے جناب کا۔" سونیا کی کھوپڑی میں … "یہ … حیرت … ہے۔"

سوچتے سوچتے وہ دور نکل گئی … جگہ تھی جہاں انسان اپنے آپ کو بے حد خوش محسوس کرتا ہے۔ سونیا … صاف ستھرا … سامنے … جب ادھر سے … کی آواز آرہی تھی اور … خوب صورت …

… آسمان پر لوہے کے … بادل ٹکڑوں کے … چھپ گئے اور سونیا کی ناک پر ایک موٹی سی بوند … سے گری۔

"… صاحب گھر کی طرف بھاگو۔ کہیں تیز بارش نہ ہو جائے۔" اس نے نزل کا ہاتھ پکڑا اور پیچھے پلٹ کر بھاگنا شروع کر دیا نزل اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔

"… لوگ برا تو نہیں مانیں گے۔"

"وہ کیوں۔" نزل بھاگتے ہوئے بولا "یہ امریکا ہے یہاں ہر چیز کی آزادی ہے۔ یہاں سب ہی بھاگتے ہیں لوگ کیوں برا مانیں گے۔"

دوڑتے دوڑتے سونیا کی سانس پھول گئی وہ ایک پتھر پر … ہوئے بولی۔ "نزل گھر چلو ڈر لگ رہا ہے۔"

"فاروق صاحب سے تو مجھے بھی ڈر لگتا ہے وہ … بہت جلدی …" سونیا کو اس معصوم انداز پر ہنسی آگئی۔

"…"

"… میرا نام … نہیں …"

"میں آپ کا نام تو نہیں …"

"اچھا بھئی چھوٹا نام … اور …"

… سونیا نے مذاق کیا۔

"… کیوں" … ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا۔

… کرنے لگی۔

… ہنستے ہوئے گھر پہنچی … چہرے اور بالوں … گیٹ … اندر داخل ہوا چاہتی … کی آواز آئی۔ سونیا نے مڑ کر … کے لیے … تھا۔

نزل نے گیٹ کے دونوں پٹ کھول دیے … گاڑی گیراج میں لے گیا۔ … سونیا نے اسے یوں نظر انداز کیا جیسے …

… وہ بالوں کو ایک ہاتھ سے جھٹک کر اندر جانے کے لیے مڑی نزل شاید فاروق سے سخت ڈرتا تھا اس لیے وہ کب کا غائب ہو چکا تھا۔

شاید محترم ادھر ہی آرہے تھے۔ سونیا نے بھاری قدموں کی چاپ اپنے پیچھے سنی۔ جلد ہی وہ تیزی سے راستہ طے کرنے کے بعد وہ سونیا کے سامنے تھا ہمیشہ کی طرح آنکھیں سرد تھیں اور ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست۔

سونیا اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی وہ اندر ڈرائنگ روم میں آئی اور پھر گیلری کو بڑی تیزی سے عبور کیا اور اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ اور اس کے قدموں کی آواز دور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اوپر ایک لمبا راستہ تھا جس کے اطراف پانچ کمرے تھے پہلا کمرا سونیا کا تھا اس کے بعد لائبریری تھی اور لائبریری کے بعد دو کمرے اور تھے آخری کمرے پر فاروق کا کمرا تھا جو ذرا ہٹ کے بنا اور سب سے الگ لگتا تھا۔

وہ اپنے بال تولیے سے خشک کر رہی تھی کہ نزل نے دروازہ کھٹکھٹایا "باجی سونیا!" نزل کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"تم جاسوسوں کی طرح میرے کمرے میں کیا جھانک رہے ہو۔"

نزل نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ رکھا تھا صرف اس کا سر اندر تھا۔

"کھانا لگ چکا ہے۔" جوزفین کی آواز آئی۔

سونیا بال خشک کرتی ہوئی اترنے لگی تو اس نے دیکھا کہ وہ ڈرائنگ روم میں سرخ رنگ کے … صوفے پر بیٹھا تھا۔

"آپ نزل کے ساتھ کہاں پھر رہی تھیں؟"

"مجھے آپ کے لہجے پر اعتراض ہے۔" سونیا … ایسے موقعوں پر نروس ہو جاتی تھی … اور … سے …

"میں آپ سے خواہ مخواہ تعارف حاصل کرنے
نہیں آیا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسے ماحول میں ایک
نوکر لڑکے کے ساتھ کیوں گئی تھیں یہاں وہ بگڑ
کے پرابلم کر سکتے ہیں۔" اس نے تنبیہ کی۔

اب سونیا تو واقعی رو دینے والی ہو گئی۔ اگرچہ چند لمحے اس
کے سامنے اور رکتی تو شاید اس کے سامنے ہی رو
پڑتی۔

وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
اس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔
سونیا سے پہلی بار کسی نے اتنی سختی سے بات کی
تھی اور اس کو اس کا افسوس بھی تھا اور اس سے بھی
زیادہ اسے اس کاٹنے دار شخص پر غصہ آ رہا تھا جو
اتنی رکھائی سے پیش آیا تھا۔

جب وہ تقریباً" اپنے اوپر قابو پا چکی تو وہ خالہ سے
ملنے نیچے چلی گئی۔ وہ تھکی ہوئی تھیں اور ان کے
چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔
سونیا نے جاتے ہی ان کا ہاتھ چوما اور اپنی بانہیں ان
کے گلے میں ڈال دیں۔

"او میری چاند میری سونیا" انہوں نے ہمیشہ کی
طرح اس کے چہرے پر محبت سے پیار کر ڈالا۔
سونیا کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے جنہیں دیکھ کر
خالہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔
"ارے کیا ہوا... بہت تھکی ہوئی ہیں۔"
"بس میرا یہاں دل نہیں لگتا [illegible] کرتے
[illegible] تکلیف تو
نہیں ہوئی۔" خالہ نے کچھ [illegible] سونیا
[illegible]
[illegible] خالہ سے فاروق کے بارے میں
[illegible] خالہ میں [illegible]
[illegible]
خالہ نے اس سے [illegible]
[illegible] فاروق کی طرف سے [illegible]
[illegible]

حالات کے بارے میں کچھ بتانا چاہیے تھا
ایک نفسیاتی مریض ہے۔ بظاہر وہ ایک
آدمی کے علاوہ کچھ اور نہیں لگتا وہ ایک ایسا
ہے جس میں وہ دوسروں پر حکومت کرنے
ہوتا ہے اور اس کو اپنی ذات کے اعتماد کے علاوہ
اعتماد نہیں ہوتا اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ
سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور وہ بڑی
مالک ہوتے ہیں مگر اب سے گھبرانے کی
نہیں وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا
خالہ نے اس کو مختصراً فاروق کے بارے میں
بتایا۔

بظاہر سونیا کو یہ باتیں بہت معمولی لگیں
لیکن اس کو پتا چلا کہ فاروق سے [illegible]
[illegible] تفصیل میں [illegible] تھی بار سونیا نے اسے
[illegible] کا ملنا اس پر اتنی گہری نگاہ ڈالتا
[illegible] اپنی طرف [illegible] کرنے
ہے۔ وہ اس [illegible]
کوئی وجود ہی نہ ہو کسی تو سونیا [illegible]
خالہ سے الجھ جاتی "فاروق [illegible]
والدین کو حیات میں [illegible] نظر آتا ہے
بچا ہے پڑے [illegible] ہے مرض ہے
آپ ہے اس کی عادتیں خراب ہو گئی ہیں اور وہ
نہیں ہے۔"

سونیا سے اس کی تکلیف برداشت نہ ہوئی تھی اس
وقت خالہ کی آنکھوں میں اداسی آ گئی وہ اپنے شوہر کے
[illegible] سے بہت گہری تھیں تب سونیا کو اپنے
کی [illegible] کا احساس ہوا۔
"خالہ مجھے معاف کر دیں میرا مقصد آپ کی
دل آزاری کرنا نہیں تھا۔"
"تمہیں سونو تم حق بجانب ہو بظاہر اس میں
خرابی نہیں مجھے اپنے شوہر سے بہت محبت
[illegible] بات کو [illegible]
[illegible]

[illegible] سونیا کی زندگی کا عجیب
[illegible] کوئی دوست نہیں وہ اپنے آپ کو دنیا میں
اکیلا محسوس کرتا ہے ہر ایک شخص اس سے
[illegible]" خالہ نے سونیا کے ہاتھ پکڑ کے اور ان
کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔
سونیا نے اب فاروق کے سخت چہرے اور
[illegible] آنکھوں سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی۔
[illegible] فاروق تفصیلی معائنے کے لیے راضی
ہو جائے تو پتا لگ سکتا ہے کہ کیا وہ واقعی مریض ہے
یا کہ وہ کسی MENTAL DISORDER کا شکار ہے
اس نے اپنے آپ کو خول میں بند کر رکھا ہے۔
[illegible] ہسپتال میں مصروف رہتیں ان کی
[illegible] کے گرد گھومتی تھی اکثر وہ رات بھر
[illegible] اور جب بھی وہ کوئی بڑا آپریشن کرکے
[illegible] تو ان کی آنکھیں نیند کی کمی سے سوجی ہوئی
[illegible]
[illegible] دن سونیا [illegible] ان کے چہرے پر
[illegible] اس وقت [illegible]
[illegible] اپنے آپ کو دنیا میں [illegible]
[illegible] اس کا خیال رکھنے والا کوئی [illegible]
[illegible] بہت محبت آئی اور وہاں سے [illegible]
[illegible] بھی اس کے لیے تو دنیا میں اور بھی بہت سی
[illegible] کے سہارے وہ جی رہی
[illegible] اور گرد تھے اس سے
[illegible] محبت کرتے تھے اسے پسند کرتے
[illegible] نے اپنے اوپر [illegible]
"[illegible] اب [illegible] صرف اپنے لیے [illegible]
[illegible] کر ان بچوں [illegible]
[illegible] رہے ہوتے ہیں
[illegible] کے تم [illegible] والے لوگوں
[illegible] ان لوگوں کے لیے
[illegible]
[illegible]

بات کی اور آج میں فاروق جیسے لوگوں کو ان کا احساس
دلاؤں گی۔ ان کو محبت کا احساس دلاؤں گی۔"
سونیا کے ذہن سے اسی طرح کے خیالات
ٹکراتے رہے اور وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔
اس شام جب باہر سرد ہوائیں تیزی سے چلنے
لگیں تو اس کا دل بہت گھبرایا وہ سوئے ہوئے جوزفین کے
پاس بچن میں جا بیٹھی اور چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔
نوفی بار بار شرارت کر رہا تھا۔
"یہ نوفی کے تعریف سے بہت تنگ رہتے ہو اگر
فاروق صاحب نے دیکھ لیا تو تمہیں مزا چکھا دیں گے
اس شرارت کا۔" جوزفین نے اسے تنبیہ کی۔
نوفی واقعی سہم کر بیٹھ گیا۔
پھر سونیا نوفی کو لے کر پیدل ہی نکلا۔ فیبا کی سیر کو
نکل گئی۔ راستے میں بھی اسے یہی خیال آتا رہا۔
"اوہ! بھئی کیا مصیبت ہے فاروق صاحب فاروق
صاحب تم سب کتنے خوفزدہ رہتے ہو۔" اس نے نوفی
کو چھیڑا۔

ان دونوں کو واپسی پر کافی دیر ہو گئی۔ اور کھانے پر
ان کو خالہ کا انتظار تھا۔ سونیا تو انتظار کرتے ہوئے تھک گئی پھر
اس نے سیل فون اٹھایا اور خالہ سے بات کی۔ "خالہ
جان کیا آپ رات کو آ سکتی ہیں میری طبیعت بہت ہلکی
پھلکی ہے۔" سونیا نے کہا۔
اس نے اسی دوران فاروق کی گاڑی رکنے کی آواز
سنی "تمہیں سونو میں نہیں آ سکوں گی تم ایسا کرو
جوزفین سے اپنے انکل کی لائبریری کی چابیاں لے لو
شاید تم کوئی اچھی کتاب تلاش کر سکو اور جی چاہے تو
کتابوں کو ذرا ترتیب سے رکھ دینا اس طرح تمہارا
دل بہل جائے گا اور لائبریری بھی ٹھیک ہو جائے
گی۔"
سونیا چابیاں لے کر وقت ٹی وی دیکھ کر گزارتی خاص کر
[illegible] دیکھنے میں اسے خوب مزہ آتا اور
[illegible] میں تو اس کو اور بھی مزہ آتا تھا۔
آخر اوارا [illegible] فلم "with the wind"

"Gone" دیکھ کر اس نے خوب انجوائے کیا۔
مگر پڑھنے کی عادت اسے تنگ کر رہی تھی تب ہی اس نے خالہ کی ہدایت پر آج لائبریری ترتیب دینے کا سوچ لیا۔ سونیا نے خوشی خوشی چابیاں لے کر جب لائبریری کھولا تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی اتنی خوبصورت لائبریری جیسی کی تمنا برسوں سے اس کے دل میں تھی۔ کتابیں بے حد قیمتی اور خوب صورت جلدوں میں اس کے سامنے موجود تھیں۔ کچھ کتابیں میز پر ڈھیر تھیں۔

سونیا نے ان کو الٹ پلٹ کر دیکھا سب کا موضوع فاروق سے متعلق تھا۔

اس نے پاس ہی رکھی الماری دیکھی جو ذرا کونے میں تھی۔ وہاں لاتعداد کتابیں Schizophrenia سے متعلق تھیں یا اس سے کچھ ملتی جلتی۔

نیچے کے خانے میں دروازے لگے ہوئے تھے۔ سونیا نے ان کو کھولنے کی کوشش کی مگر وہ لاک تھے اس نے ساری چابیاں لگا کر دیکھ ڈالیں آخر میں ایک چھوٹی سی چابی تھی جس سے وہ فوراً کھل گیا۔ اس میں صرف ایک فائل رکھی تھی سونیا نے الٹ پلٹ کر دیکھا یہ ڈاکٹری فائل تھی جس پر فاروق کا نام درج تھا۔

سونیا نے اسے نکال لیا اور پھر بجائے کتاب پڑھنے کے اس نے فائل پڑھنا شروع کر دی اور جب نجانے کتنی دیر بعد وہ باہر نکلی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

فاروق کی زندگی بہت سخت گزری تھی۔ اور اب بھی وہ زندگی کا بار اٹھائے ہوئے تھا۔ فاروق بچپن سے الجھن لے کر پیدا ہوا تھا۔ ابتدا میں پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے لاڈ پیار زیادہ ملا لیکن جب دوسرا بھائی آیا تو وہیں سے اس کی بیماری شروع ہو گئی۔ چھوٹے بچے کو اس سے چھپا چھپا کر رکھتے مگر اس کو جب موقع ملتا وہیں اس کو مارنے دوڑتا۔ گھر والے سب عاجز آ گئے تھے اور [illegible]

کوئی اس کے علاوہ کہیں توجہ دے۔
8 سال کی عمر میں اس کے والدین کو نفسیاتی ڈاکٹرز سے رجوع کرنا پڑا۔ تھوڑے دن کے بعد ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے تمام گھر والوں کو ہلا کر رکھ دیا۔
ایک دن نوکر چھوٹے بچے کو پرام میں لے کر نکلا اور اس کی ذرا سی توجہ ہٹی تو فاروق نے گاڑی کو دھکیل دیا۔ گاڑی سڑک پر لڑھکتی چلی گئی اور سامنے سے آنے والے ٹرک نے بچے کو کچل کر [illegible]
یہ ایک بات تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ بھی نہیں تھا۔ فاروق کے ماں باپ ٹوٹ کے رہ گئے تھے مگر ان کو اس کی [illegible] فاروق کو لے کر انگلینڈ آ گئے یہاں ڈاکٹروں نے [illegible] کو ذہنی مریض قرار دے دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ ٹھیک ہو سکتا ہے مگر اس کو مکمل ٹریٹمنٹ علاج کی ضرورت ہے جو ہاسپٹل میں رکھ کر کیا جا سکتا ہے جبکہ ہو سکتا ہے کہ [illegible] علاج ہو جائے۔ ان لوگوں نے اسے وہیں چار سال کے لیے ہاسٹل میں چھوڑ دیا [illegible] ان کا شمار کر [illegible] صحت مند دیکھنے کی خواہش دل میں لیے [illegible] گئے۔

خالہ اور انکل برابر فاروق کی خبر گیری کرتے رہتے تھے مگر اس کے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

سونیا نے ایک ایک رپورٹ بہت احتیاط سے نکال کر دیکھی۔ فاروق کا بچپن سے لے کر ابھی آٹھ ماہ پہلے تک کا پورا ریکارڈ موجود تھا۔
سونیا نے ڈاکٹروں کی رائے کو چھوڑ کر فاروق کی کیس ہسٹری تفصیل سے پڑھی۔ سونیا پڑھتی گئی اور اس کے آنسو بہتے گئے اس کے اندر فاروق کا [illegible] بہت عجیب تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد جب [illegible] اپنے چچا کی تحویل میں آیا تو انہوں نے اسے [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible]

بچے وہ نہیں جو نظر آتا ہے اس کی سطح کی گہرائیوں میں ڈاکٹروں کی نظر سے بھاگنا چاہیے تب پتا لگا کہ وہ ایک قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہے جو بظاہر نفسیاتی ہے مگر اس میں اور بھی پیچیدگیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ باہر کے ایک نفسیاتی ادارے کے ہاسٹل میں اس نے چار سال گزارے اور وہاں کے ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی دیا اور اب ایسا جنونی بن چکا تھا جس کی رگ رگ میں شر تھا جب وہ اپنے جنون میں آ جاتا تو اس کے آگے ہر چیز اتنی ہلکی بن جاتی کہ اس کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہ ہوتی۔
لیکن اب جبکہ اس کے چچا کا انتقال ہو گیا تھا تو سونیا کی خالہ نے اسے خوش رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن اب وہ ایک ایسا انسان تھا جسے دنیا کی کوئی شے خوش نہ رکھ سکتی تھی۔ آنٹی نے اپنے آپ کو اس سے لاتعلق کر لیا اور جب فاروق کی زندگی میں جو ایک قسم کی بھاگ [illegible] ہو گئی تب وہ ایک رفتار میں تھا۔ فاروق ایک ایسا سمندر تھا جس کے اوپر پانی کی چادر تھی اور اندر دنیا بھر کا لاوا ابل رہا تھا جب بھی اندر کا موسم خراب ہو تو لاوا ابل پڑتا [illegible] ان دنوں میں تو فقط وہ ایسا سمندر تھا جو کبھی اپنی [illegible] اور کبھی [illegible] میں ایک [illegible] فاروق کی زندگی [illegible] آسمان میں [illegible] صورت [illegible] آہستہ آہستہ [illegible] جس کی شکل [illegible] تاریکیوں [illegible] فاروق کی [illegible] لیکن ایک [illegible] اسے آتے جاتے ہمدردی کی نگاہوں سے [illegible]

دے اس سے اس دنیا میں آنے کو کہے جہاں غم تو ہیں جہاں آنسو تو ہیں مگر پھر زندگی کے قہقہے بھی ہیں کچھ دیر کو تو سکون ملتا ہی ہے ویسے بھی کسی کو سکون کہاں میسر ہے پھر بھی کچھ دیر تو دل ہلکا ہو ہی جاتا ہے۔
لیکن جب ایک شام وہ کلب سے واپس آیا تو اس کے کپڑے کالے ہو رہے تھے جگہ جگہ رستے لگے ہوئے تھے منہ پر بھی کالک لگی ہوئی تھی مگر آنکھیں اتنی سرد تھیں کہ سونیا اس سے بات کرنے کا ارادہ دل ہی میں لیے واپس ہو گئی۔ دور پہاڑیوں سے نزدیک ریل کی پٹڑیاں بچھانے کا کام جاری تھا جب بھی پہاڑ ڈائنامائٹ سے اڑائے جاتے تو ہلکی سی آواز سونیا تک آتی۔

سونیا کو فاروق سے دلی ہمدردی تھی مگر وہ اپنی حد میں تھی۔ سونیا نے اب پکا ارادہ کر لیا کہ وہ اس شخص سے تھوڑی سی بات ضرور کر کے دیکھے گی آخر وہ کسی سے زبردستی تو جھگڑا نہیں کر سکتا۔ "حاکم وہ ہوتے ہیں جو دولت پر حکومت کرتے ہیں۔ اور تم نے خوف سے دلوں پر حکومت کی ہے اس لیے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تم سے خوفزدہ ہو جاؤں گی۔"
فاروق کو کلب سے آنے میں ابھی چار پانچ گھنٹے تھے۔ نیلی کو تیز بخار تھا سونیا نے جوزفین کو اصرار کر کے اس کی دیکھ بھال کے لیے بھیج دیا۔ جوزفین ڈرتے ڈرتے چلی گئی۔ آج کی رات کیٹی کی بھی چھٹی تھی اس لیے ان کے آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ سونیا نے [illegible] کے ساتھ فاروق کے کمرے میں جھانکا جہاں کپڑے جوتے اور کتابیں بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔

بیڈ کے پاس [illegible] کتابوں کا ریک تھا۔ سونیا وہیں چلی گئی [illegible] کتابیں دیکھنے لگی۔ [illegible] بہت اچھی اور [illegible] تھیں ایک طرف شاعروں کے مجموعے [illegible] تھیں سونیا نے ایک کتاب اٹھائی [illegible] نے ابھی اس کا ایک ورق پلٹا ہی تھا کہ [illegible]

ہاتھ میں لیے سن بیٹھی رہ گئی۔ مردانہ قدم اندر آئے اور سونیا کے قریب آکر رک گئے۔ سونیا اس کے جوتے تو ٹھٹک سی گئی۔

"کسی کو یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی؟"

وہ گرجدار آواز میں بولا اور سونیا تھوڑا سا چونک گئی۔ شرمندگی سے اس کی آنکھوں میں تھوڑی سی نمی آگئی اور وہ کچھ کہنے کے بجائے سر جھکا کر رہ گئی۔

فاروق دروازہ کھول کر کھڑا تھا تب سونیا کی سمجھ میں آگیا۔

سونیا نے قدم پیچھے لیے اور اسے اتنی شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

"اب مجھے اپنے کمرے کو لاک کرنا پڑے گا" اس کے باہر نکلتے وقت فاروق نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیے کوئی بھی اتنی ذلت کے بعد ادھر دوبارہ قدم رکھنا پسند نہیں کرے گا۔" سونیا نے کہا۔

اسے اب برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی اگر وہ کچھ دیر اور وہاں رک جاتی تو اس کے سامنے ہی رو پڑتی۔

وہ اپنے کمرے میں آئی تو فاروق سے ہمدردی کا خیال بخارات بن کے اڑ چکا تھا اسے اب فاروق سے نفرت محسوس ہو رہی تھی اس نے پہلی بار اوپر اس کے کمرے کی طرف نفرت سے دیکھا جہاں اب وہ بیٹھا یا لیٹا ہوگا۔

لیکن جب وہ اپنے دل کا غبار آنسوؤں کے ذریعے نکال چکی تو پھر اسے فاروق سے ہمدردی ہونے لگی۔

"وہ کوئی نارمل انسان تو ہے نہیں جو اس کی باتوں کا برا مانا جائے" سونیا نے سوچا۔

"جوزفین! جوزفین!" فاروق کے دھاڑنے کی آواز کے بعد جلد ہی سیڑھیاں اترنے کی آواز اور ساتھ ہی کسی چیز کے گرنے کا چھناکا سنائی دیا۔

سونیا تولیے سے اپنی آنکھیں رگڑ کر اس سے نپٹنے [illegible]

"آپ بھی کیا عجیب انسان ہیں؟ آج جوزفین نہیں ہے۔" سونیا نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"کہاں گئی ہے وہ؟" اور لہجہ درست کر کے بات کرنے سے پہلے فاروق طیش کے عالم میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تھا۔

"اس کا بچہ بیمار ہے اس لیے میں نے اسے چھٹی دے دی ہے۔" سونیا نے آرام سے کہا۔

"تم کون ہوتی ہو اسے چھٹی دینے والی؟" وہ چیخا۔ "اور میری کمر کون دھلائے گا" [illegible] والے انداز میں کہا۔

سونیا نے کہا "میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں اور باقی کام آپ خود کر لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں جوزفین کے" اس نے بازو کی [illegible] قدم بڑھائے۔

"آپ واقعی اتنے ظالم ہیں؟ اس کا بچہ بیمار ہے اور آپ؟" سونیا کو بے تحاشا غصہ آگیا۔

اس نے رک کر سونیا کی طرف دیکھا۔

"اس شرط پر کہ اس کا کام آپ [illegible]" اس کی آنکھوں میں تمسخر تھا [illegible] صاف پڑھ لیا۔ "ایک انسان ہونے کے ناطے آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔" سونیا نے چبا کر کہا۔

"میں کسی کی مدد لینے کا عادی نہیں ہوں میں تو چیک کر رہا ہوں کہ اگر تم نے جوزفین کو چھٹی دی ہے تو آج اس کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا۔"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

سونیا کانپ اٹھی۔ لمحہ بھر اسے [illegible] پھر اسے نارمل ہوتے ہوئے خیال آیا اس کے ساتھ ہی اس کو یہ بھی خیال آیا کہ اس طرح تو اس سے وہ بات کر سکتی ہے وہ اس کے قریب تھا [illegible]

بہت بڑی ظالمانہ تھی۔ سونیا نے اپنے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پیدا کیے جب کہ وہ یہ کام خود بھی کرنا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" سونیا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

فاروق کو شاید اس کی امید نہ تھی اس نے لمحے بھر اسے دیکھا پھر چلا گیا۔

بہرحال وہ ایک مریض تھا اور وہ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی اور بڑی کوشش کے بعد اس کو ایک موقع ملا تھا۔

مگر اسے کچھ جھجک ہونے لگی کہ وہ کس طرح اس کی پیٹھ ملے گی۔ جوزفین کو اس نے دیکھا تھا کہ وہ اس کی مٹھی سے اس کی پیٹھ جلدی جلدی مل کر سیل کو پانی ڈال کر بہا جاتی تھی۔

اس نے دھلا ہوا تولیہ لے کر ہاتھوں میں پوڈی کھولا اور پھر خود ہی مسکرا دی۔

جب وہ گئی تو وہ اپنا منہ دھو چکا تھا اس نے [illegible] فاروق کا [illegible] اس کا منہ تو صاف تھا مگر صرف [illegible] بازو ملی اور [illegible] پانی ڈالنے لگا جب [illegible] اس کی کمر پر ڈالا تو اس کے حلق سے چیخ کی آواز نکلی جیسے اس کو تکلیف ہو سونیا ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"[illegible] ہے۔" سونیا نے گھبرا کر پوچھا۔

[illegible] آواز میں کہا "کوئی بڑا سا زخم ہے۔"

سونیا سنبھل گئی [illegible]

فاروق نے پھر اپنا بازو تھوڑا سا [illegible]

سونیا نے اس کو تھوڑا سا جھانک کر [illegible] ہونٹ [illegible] میں دبایا ہوا تھا۔ "برش [illegible]"

[illegible] سونیا نے [illegible] آہستگی سے [illegible]

گئی کچھ دیر کے بعد اس کی کلائی پیچھے جھکنے لگی۔ سونیا کی انگلیاں سبک رفتاری سے اس کی گردن سے پھسلتی نیچے آتیں اور اس کے کاندھوں کے نزدیک پہنچ کر رک جاتیں۔

فاروق اپنے بال دھو چکا تھا اور اب اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ جوزفین اور سونیا کے انداز میں بڑا فرق تھا۔

"کیا آپ ورکرز کے نام کرتے ہیں؟" سونیا نے آخر بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا۔ اس کا اشارہ مل اور ملی کی طرف تھا۔

"آپ سے میں نے بات کرنے کو نہیں کہا۔" اس نے تلخی سے کہا "ہاں میں ورکرز کا نام کرتا ہوں مگر میرے پاس اتنی دولت ہے کہ تم نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہو۔"

"تو آپ صرف وقت کاٹنا چاہتے ہوں گے کیوں کہ تنہائی کا بھی تو کچھ علاج ہونا چاہیے۔" سونیا نے اس کی بات اچک لی وہ غصے سے [illegible]

مگر سونیا نے پوچھی تنہائی۔ اس نے تولیہ کھینچا اور اس کو ڈھانپ دیا [illegible] پانی خشک کرنے لگی۔ گردن سے نیچے وہ سرخ سے نشان تھے جیسے کسی چیز سے گرا ہو۔ سونیا نے اس کو اپنی انگلیوں سے چھو کر دیکھا فاروق کو شاید اس کا احساس ہوا تھا کہ سونیا نے محسوس کیا کہ وہ کچھ دیر رک سا گیا تھا۔

وہ فاروق کو دیکھتی رہی۔ اس کے شانے بے حد خوب صورت تھے اور اکڑی ہوئی گردن میں شاہانہ وقار تھا۔ اس کا زخم دیکھ کر سونیا کو دکھ ہونے لگا اب فاروق اپنا جسم رگڑ رہا تھا۔ سونیا اپنی انگلیوں میں مرہم لے آئی اور آہستہ آہستہ اس سے خود پونچھ مرہم زخموں پر لگا رہی تھی تھوڑا سا جھکا ہوا تولیے سے اپنے بالوں کو خشک کر رہا تھا اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ سونیا [illegible] سے چلی گئی اور آہستہ آہستہ انگلیاں چھوتے [illegible] اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ

پکڑ لیا۔
"میں نے کیا کیا ہے؟" سونیا کی آنکھوں میں حیرانگی کا تاثر تھا۔ فاروق نے چند لمحے اس کی کھلی کھلی آنکھوں میں دیکھا اور پھر بڑی آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ مڑا اور [illegible] چلا گیا۔
سونیا نے دانتوں سے نچلا ہونٹ دبایا۔ وہ قریب تو آنا چاہتی تھی مگر ابھی جو ہوا اسے سوچ کر وہ شرمندہ سی ہونے لگی۔
بات کچھ بھی نہ تھی لیکن تب سونیا کو یہ احساس ہوا کہ جیسے اس نے کوئی بہت بری حرکت کر دی ہو۔ فاروق نماز کے فوراً بعد چلا گیا تھا۔ سونیا کمرے میں سوچتی رہی۔ یہ مشکل کام تھا کہ وہ اب اس کا سامنا کرتی اس کو اپنے اندر ہمت دم توڑتی محسوس ہوئی مگر چاہتے ہوئے بھی اس نے چائے بنائی۔ ٹرے لے کر جب اس کے کمرے تک جانے لگی تو کئی بار اس نے خود کو دلاسہ دیا مگر اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھہر سی گئی۔
اس نے بڑی ہمت کر کے پردہ اٹھایا اور اندر جھانکا وہ کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانک رہا تھا۔
اس نے تھوڑی سی آواز پیدا کرتے ہوئے ٹرے میز پر رکھ دی۔ آواز سے وہ پلٹ پڑا۔
"رکھ دو میں بنا لوں گا" اس کی آواز حسب معمول سرد تھی سونیا کو اپنی جان چھوٹتی نظر آئی اور اس نے کمرے سے باہر نکل کر [illegible]
اس کے بعد سونیا اور فاروق کی پھر وہی زندگی لوٹ آئی۔
فاروق کام سے لوٹ کر آتا تو سونیا صرف اسے پیچھے سے دیکھتی اور جب وہ اپنے کمرے میں چلا جاتا تو سونیا اسے دیکھنے کی کوشش کرتی۔
خالہ کچھ دنوں کے لیے باہر چلی گئیں تو سونیا کا دل چاہا کہ وہ واپس پلٹ جائے مگر پھر وہ رک گئی۔ آنٹی کی سفید لمبے بالوں والی کتیا پوم سونیا کی دلچسپی کا سامان تھی۔ سونیا دن بھر اس کے ساتھ لگی رہتی۔
نونی کے ساتھ پوم کو لیے لمبی لمبی سیروں کو نکل جاتی۔ پوم بھی اتنی شریر تھی کہ سونیا کو دھتکار کر بھاگ جاتی۔ سونیا اور نونی اس کے پیچھے بھاگتے اور وہ کسی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ جاتی اور جب وہ آگے نکل جاتے تو تیزی سے بھونکتی۔ سونیا اس کی حرکتوں پر کھل کھلا کر ہنستی۔
ایک شام جب سونیا پوم اور نونی واپس آئے تو فاروق گیٹ پر کھڑا تھا نونی چپ چاپ چلنے لگا پوم ہر بار سونیا کے آگے لیٹ جاتی جس سے اسے چلنے میں دقت ہو رہی تھی۔
"پوم پوم... کم آن [illegible]" سونیا نے آواز دی۔ پوم نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر [illegible] میں کھیلنے لگی۔
"پوم کم" [illegible]
اسی لمحے فاروق [illegible] سے چلایا۔
پوم آپ کی ڈانٹ سے سہمنے لگی اور دم ہلا ہلا کر منہ سے آوازیں نکالنے لگی [illegible] دم ہلاتی اس کے پاس چلی گئی [illegible] اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا وہ زور زور سے چیختی ہوئی اندر کی طرف بھاگ گئی۔
"وحشی انسان ہے [illegible] تمہیں ظلم کرنے کی سزا بھی مل سکتی ہے۔" سونیا شدید غصے میں تھی اس نے فاروق کی طرف غصے سے دیکھا۔
"تم اپنے کام سے کام رکھو" فاروق نے کہا۔
سونیا غصے سے اندر چلی گئی۔ اس سے ایسا فضول تھا۔ اب تک کے حالات نے سونیا کو بہت [illegible] تھا اس واقعے کے بعد سونیا تو [illegible] لائبریری میں کتابیں الٹ پلٹ کرتی رہی پھر وہ بھی آنٹی اور نونی کے ساتھ [illegible] کی سیر کو چلی گئی۔
اتنے خوب صورت اور بڑے اسٹورز تھے جن میں گھومتے ہوئے وقت کا احساس [illegible] ایک دن وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے شیشے

[illegible] کے عکس دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے فاروق [illegible] اس نے نیلی جینز پر سبز کلر کی سخت جرسی پہن رکھی تھی۔ سونیا اسے چلتے دیکھتی رہی جانے [illegible] اسے سونیا کے دیکھنے کا احساس ہو گیا اس نے پلٹ کر دیکھا سونیا نے جلدی سے آڑ لے لی۔
سونیا نے اضطراب سے ہونٹ کاٹے "اس نے [illegible] دیکھا؟" فاروق چلا گیا اور سونیا اس رات [illegible] بہت عجیب بات تھی بالکل انوکھی۔
[illegible] اس کی [illegible] کی وجہ رہی تھی کہ فاروق میں کچھ تبدیلی [illegible] جیسے سونیا نے خاموش [illegible] ایک [illegible] چھوڑ دی ہو اور اب ہلکی ہلکی لہریں دل [illegible] میں پھیل رہی ہوں۔
وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھی سوچتی رہی مگر [illegible]
[illegible] سونیا نے باقاعدہ [illegible] الفاظ [illegible] میں مصروف ہو گئی۔
[illegible]
اچھے [illegible] سونیا [illegible] چاہا کہ باہر جا کے [illegible] میں [illegible] موت کو دعوت دینا تھا [illegible] آتش دان کے [illegible]
[illegible] فاروق [illegible] بار بار اس سے اچھے [illegible] چاہتے ہوئے بھی سونیا اس سے [illegible] شاید [illegible] محبت کی [illegible]
[illegible]
پگھل ڈالو وہ خشک ہو جائے گی۔"
سونیا کو ایک کتاب کے الفاظ یاد آ گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی اس ڈاکٹر پر بھی غصہ آ گیا جس نے یہ لکھی تھی۔ "کاش وہ یہ بھی بتاتا کہ اس کا حل کیا ہے۔"
اس نے ہر خیال کو جھٹکا اور اپنے آپ کو گرم کپڑوں میں لپیٹ کر باہر نکل گئی۔ باہر ہر طرف برف کی سفید چادر بچھی تھی۔ دور دور تک ہر چیز برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سونیا کو یہ منظر بہت اچھا لگا وہ چار قدم آگے بڑھی مگر جانے کیا ہوا اس کا پاؤں پھسلا اور وہ زوردار آواز کے ساتھ نیچے برآمدے میں منہ کے بل گر پڑی۔ گرتے ہی اس کے منہ سے چیخ بلند ہوئی فاروق نے جلدی سے باہر جھانکا اور اسے زمین پر پڑا دیکھ کر اس کی طرف لپکا اور بے اختیار اسے سہارا دے کر اٹھا لیا۔ سونیا کے حواس گم تھے وہ اس کے سہارے کھڑی تھی مگر چوٹ کی شدت نے ہر احساس سے عاری کر رکھا تھا۔
"کیا ہوا؟ چوٹ زیادہ لگی ہے؟" فاروق نے گھبرا کر پوچھا۔
"اوہ" اب سونیا کو احساس ہوا اس نے جلدی سے خود کو سمیٹا مگر پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے "[illegible]"
"چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" فاروق نے نرمی سے کہا۔
سونیا نے اپنا پورا بوجھ اس کے ہاتھوں پر ڈالا پھر اچانک اس نے ایک انوکھا فیصلہ کر لیا۔
"فاروق میں بھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی ہوں کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بھی کہیں چوٹ لگی ہے اور مرہم کی ضرورت ہے۔"
"میری روح زخموں سے چور ہے اب اس کا علاج [illegible]" وہ دھیمے سے بولا
"[illegible] ہو سکتا ہے۔ مجھ پر اعتبار کیجیے ایک بار میرے ساتھ آ کر تو دیکھیے۔"



"پھر وہاں جا کر اپنے راستے بدل لوں گی اور پھر دوسرے لوگوں کی طرح میرے بھی خواب اور سکون کی دعائیں مجھ سے روٹھ کر چلے جائیں گی۔" فاروق کی آواز بھر آگئی۔

"نہیں فاروق میں ان لوگوں کی طرح راستے نہیں بدلوں گی یہ میرا وعدہ ہے آپ سے اب ایک ہی یقین کرو تم بھی تو لیلیٰ لگ رہا ہے اب یار بدلے گا کہ میں اپنے پیار سے ملاؤں گی۔" اس نے بڑی آسانی سے بتا دیا۔

☆

اور جب وہ دونوں کراچی INSTITUTE OF PSYCHOLOGY سے باہر نکل رہے تھے تو سونیا کا فرق مٹ چکا تھا۔ فاروق کو بھی نہ تھا صرف خدائی اور بیدار کی کا شکار تھا۔

اس نے بات اور نفسیات کے مارے مختلف باتیں پاس کیے تھے ڈاکٹر نے ان کی فائل کو چھوڑنے سے انکار کردیا تھا۔ ان کی فائل کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

محبت نے وہ شناسائی ان دونوں کے اندر زندہ کی، اس چاند اور رات کی محبت کی خوشبو فاروق کو کانٹے سے بڑا اور بڑا کر کے ہیلی نے گل بنا دیا وہ بڑی بار خندہ گل کو دے کے ملنے ہو گیا۔

ان ایک مدت بعد ماں کی خوشبو سے محبت کا چاند ماں کی خوشبو میں گرمی اور روشنی کا سینہ میں... محبت کی ہر بات کی خوشبو سے بھی دونوں کے چہرے پر معصوم فرشتوں کی طرح مسکان تھی۔

... سے اشارے کیے اور ان کی خوشبو کی گرمی کی طرف بھی تھی محبت کی قسم کے اور تم سے زیادہ چوری کی شکوں کو لگا کر بچا رکھا۔

اب ان دریچے کی طرف کھلنے والا زندگی کا ... ان کا پھر ... جانے ... باتیں کی ... وہ اس نماز تھا ... وہ اس نماز تھا

☆ ☆ ☆



افسانہ

محبت کرتے ہیں



[illegible] ان کی [illegible] راز
حریم اپنا [illegible] کبھی خیالوں میں کھو گئی۔ اس کی عمر 28 سال ہو چکی تھی مگر وہ ابھی تک اپنے خوابوں کی دنیا میں گم تھی اور ان سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اس کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ اکثر اسے ملک اور بیرون ملک عازم سفر ہونا پڑتا تھا لیکن اسے کہیں بھی اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر نہیں آیا تھا۔ ماں باپ بھی اب تو اس کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے۔ حالانکہ وہ ایک ماڈرن اور جدید خیالات کے حامل خاندان سے تعلق رکھتی تھی، جہاں مذہبی اقدار کی پابندی کے باوجود گھر کی لڑکیوں کو اپنی پسند کے اظہار کی آزادی تھی اور ماں باپ کو اس کی پسند پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ مگر آج تک اس کو اپنا آئیڈیل نہیں ملا تھا وہ خود بھی بے حد حسین تھی اور حسن پرستی اس کی سرشت میں داخل تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز خریدتے وقت بھی معیار سے زیادہ خوب صورتی پر نظر رکھتی تھی، یہ بھی اتفاق تھا کہ ایم بی اے کی کلاس میں میکائیل اس کا کلاس فیلو تھا اور اب دونوں ایک ہی کمپنی میں جاب کر رہے تھے۔ وہ اس کا ایک بے حد اچھا دوست تھا مگر حریم کو [illegible] پتا ہے اسے اپنے خیالات سے آگاہ کرتی رہتی تھی تا کہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کیوں کہ میکائیل بے حد ذہین، قابل لیکن عام سی شکل صورت کا لڑکا تھا۔ درمیانہ قد، گندمی رنگ، لیکن اسمارٹ اور گفتگو کا ماہر۔ اس کے خلوص، بہترین اخلاق کے سب ہی معترف تھے۔ وہ حلیم الطبع اور بردبار تھا اور حریم بحیثیت ایک دوست اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھی کیوں کہ جب وہ نئی نئی جاب میں آئی تو کافی گھبرائی اور پریشان تھی لیکن یہ میکائیل ہی تھا جس نے اس کی قدم قدم پر رہنمائی بھی کی اور اخلاقی ہمت بھی بندھائی بہت مرتبہ اس نے حریم کے حصے کا کام بھی خود کیا اور میکائیل یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ حریم کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہو سکتا اسے اپنی انا، خودداری اور وقار بے حد عزیز تھا اس لیے دل ہی دل میں حریم کو چاہنے کے باوجود اس نے کبھی کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی۔ نہ اپنے کسی بھی عمل سے اس کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

☆......☆

وہ دونوں آفس کے کام سے ملائیشیا آئے ہوئے تھے۔ حریم کچھ افسردہ اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"حریم! کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟" میکائیل سے اس کی بے چینی برداشت نہیں ہوئی اس لیے پوچھ بیٹھا۔

"چھوٹی بہن کی شادی ہے اور امی نے مجھے فوراً بلایا ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی ہیں میں آفس کے کام سے ملائیشیا آئی ہوں۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے لگتا ہے تم چھوٹی بہن کی شادی سے خوش نہیں ہو کہیں تم جیلس تو نہیں ہو رہیں کیوں کہ بڑی ہونے کے ناطے حق تو تمہارا بنتا ہے۔" میکائیل کے لہجے میں شرارت تھی لیکن حریم کو غصہ آ گیا۔

"واٹ ربش! مسئلہ یہ ہے کہ اماں نے میرے لیے کسی لڑکے کو پسند کر لیا ہے۔ بقول ان کے میرے معیار کا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ بہن کی شادی کے دن میری منگنی ہو جائے، مجھے غصہ اسی بات پر ہے کہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اپنے آئیڈیل کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی پتا نہیں انہوں نے میرے لیے کس "گھونچو" کو پسند کر لیا ہے۔"

"دیکھو حریم میں تو یہی کہوں گا کہ تم اس آئیڈیل کے چکر میں اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال ضائع مت کرو اور جہاں ماں باپ کہتے ہیں وہیں شادی کر لو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں اپنا نکاح کر رہی ہوں خوش ہوں خود مختار ہوں۔ پھر سال کیسے ضائع ہو گیا اور تم جانتے ہو میں اس معاملے میں سمجھوتا نہیں کر سکتی۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"اگر تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہ ملا اور تم بوڑھی ہو گئیں تو کیا کرو گی؟" میکائیل مسکرا کر بولا۔

"خدا کے لیے میکائیل! اب تم مجھے بددعائیں تو نہ دو میں کوئی آسمان کا چاند تو نہیں مانگ رہی خوب صورت ہوں خوب صورتی کی طلب میرا حق ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"اس بات پر ایک شعر عرض ہے۔" میکائیل سنجیدگی سے گویا ہوا۔

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

"یہ شعر تمہارے حسب حال ہے صورت تو ڈھل جاتی ہے رب کی بنائی کوئی بھی تخلیق بری کیسے ہو سکتی ہے۔ پائیدار چیز سے محبت کرو یعنی سیرت۔ انسان کا کردار، اس کا دل اور اس کے اخلاق کہ جو کبھی نہیں مرتا ہمیشہ جس کو دوام ہے۔"

"مجھے یہ سب نہیں پتا بس مجھے پسند آنا چاہیے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"اور اگر تمہارے خوابوں کا شہزادہ شادی شدہ نکلا تو کیا کرو گی۔" میکائیل نے چٹکلا چھوڑا۔

"میکائیل! مفروضے مت بنائیں میں سنجیدہ ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" وہ جھنجھلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ سخت اضطراب اور بے چینی کا شکار تھی اور احساسات میں جو بھونچال آیا ہوا تھا وہ اس مسئلے کا ایسا حل چاہتی تھی جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے پھر وہ کچھ سوچ کر مطمئن ہو گئی۔

☆.....☆

میٹنگ کے بعد جب وہ دونوں ہوٹل پہنچے تو حریم [illegible] خوش نظر آ رہی تھی اور اب میکائیل [illegible] پڑا۔

"ابھی کل تک تو تمہاری شکل پر بارہ بجے ہوئے تھے آج پھول کی طرح کھلی کھلی نظر آ رہی ہو۔" میکائیل [illegible]

"میں نے اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا ہے لیکن مجھے آپ کا تعاون چاہیے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ تعاون کیا ہے حریم۔" میکائیل خلوص سے بولا۔

"لیکن یہ معاملہ ذرا مختلف ہے آپ کو وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کمال ہے۔" میکائیل حیرت سے بولا۔ "میں وعدے کے بغیر بھی ہمیشہ تمہاری ہیلپ کرنے کو تیار رہتا ہوں۔"

"آپ مجھ سے منگنی کر لیں۔" حریم کے کہنے پر میکائیل شاک میں رہ گیا۔

"حریم یہ مذاق ہے تو اس سے زیادہ گھٹیا مذاق نہیں ہو سکتا اور اگر تم سنجیدہ ہو تب بھی ایسی بات غلط ہے کیوں کہ میں تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہوں۔" میکائیل سنجیدگی سے بولا۔

"ارے تو یہ کون سی سچ مچ کی منگنی ہے صرف والدین کو مطمئن کرنا ہے کیوں ان کی طرف سے مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے اور آپ کے لیے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہو گا۔ اس طرح ڈیڈی نے جس کو پسند کیا ہے اس سے میری جان چھوٹ جائے گی۔" حریم نے اطمینان سے حل پیش کیا۔

"دیکھو زندگی کوئی ڈرامہ نہیں جس کی کہانی اور کردار تم اپنی مرضی سے کرو اور نہ میں اس ڈرامے کا کردار بنوں گا۔ جب تمہارے والدین کو پتا چلے گا کہ یہ منگنی صرف ایک ڈرامہ تھا تو ان کو کتنی تکلیف ہو گی۔ ان کے احساسات و جذبات مجروح ہوں گے۔ ان کو کتنا دکھ پہنچے گا۔ سب سے بڑھ کر میری کیا عزت رہ جائے گی۔ سوری میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

میکائیل نے ٹکا سا جواب دے دیا اور حریم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں جواب اس کی توقع کے خلاف تھا۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میکائیل آپ مکر نہیں سکتے ہیں۔" حریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جس نے میکائیل کو بے چین کر دیا۔

"اچھا بس ملکہ جذبات بننے کی کوشش مت کرو تم جانتی ہو میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

"کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ آخر میں آپ کی لگتی کیا ہوں۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"تم میری بہت اچھی دوست ہو اور اس سے زیادہ میں سوچ نہیں سکتا، کیوں کہ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔" اس نے مصنوعی آہ بھری تو حریم کو ہنسی آ گئی۔

"اچھا اب زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں آپ جانتے ہیں میں آپ کی کتنی عزت کرتی ہوں، آپ کی دوستی پر مجھے فخر ہے اور اپنی خوش نصیبی پر ہر دم ناز۔" وہ اترا کر بولی۔

"اچھا اب اترانا چھوڑو یہ بتاؤ مجھے کرنا کیا ہو گا۔"

"کچھ خاص نہیں بس جیولرز سے انگوٹھی لے کر مجھے پہنا دیجیے گا اور بس کہانی ختم پیسہ ہضم۔" حریم شرارت سے بولی تو میکائیل کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"حریم تم شادی سے بچنے کے لیے جو ڈرامہ کر رہی ہو اس میں مجھے اپنی عزت داؤ پر لگتی نظر آ رہی ہے۔ جب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو گا تو تمہارے والدین کیا رائے قائم کریں گے میرے بارے میں۔ کیا عزت رہ جائے گی ان کی نظر میں [illegible] اس جھوٹ میں شامل ہو گیا۔ بے شک میرے کوئی آگے پیچھے نہیں مگر تمہارے تو سب ہیں۔"

"توبہ ہے میکائیل! کس قدر آگے تک کا ابھی سے سوچ رہے ہیں فی الحال تو جیولرز کے پاس چلیں پھر کراچی کے لیے فلائٹ بھی پکڑنی ہے۔"

☆—☆

ایئرپورٹ پر بھیا اور بھابی حریم کو لینے آئے ہوئے تھے اور ان کے پوچھنے سے پہلے ہی حریم بول پڑی۔

"بھیا! یہ میرے منگیتر ہیں ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" بھیا کے چہرے سے ناگواری اور بھابی کے چہرے پر حیرت تھی اور اس بے ساختگی پر تو میکائیل کی بھی سٹی گم ہو گئی تھی۔ بھابی کو حیرانی بجا تھی میکائیل حریم کے آئیڈیل کی کسوٹی پر کہیں بھی پورا نہیں اترتا تھا لیکن ایئرپورٹ سے گھر پہنچنے تک شرجیل میکائیل کی شخصیت، رکھ رکھاؤ اور خوش مزاجی سے کافی حد تک متاثر ہو چکے تھے اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو حریم سے سرگوشی کی۔

"پہلی مرتبہ تم نے کوئی ڈھنگ کا فیصلہ کیا ہے، میرے خیال میں میکائیل تمہارے آئیڈیل سے کہیں اچھا انسان ہے۔" ابتدا میں تو ڈیڈی بھی کافی ناراض نظر آئے کیوں کہ وہ حریم کے لیے جس لڑکے کو پسند کر چکے تھے وہ اس کے آئیڈیل کے قریب تھا بے حد خوب صورت، حسول اور شان بان والا بڑا جاگیردار لیکن میکائیل کی نشست و برخاست، انداز گفتگو اور شائستگی نے انہیں کافی حد تک متاثر کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ان کا فیصلہ درست ہے یا حریم کا فیصلہ صحیح مگر وہ جاگیردار سے کوئی پنگا بھی نہیں لے سکتے تھے اس لیے انہوں نے حریم کو صاف جواب دیتے ہوئے اس کی منگنی کا اعلان کر دیا جو کل کے نکاح والے دن ہونی تھی۔ میکائیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

طوطے چڑیاں سب اڑ گئے اور اس نے حریم کو جالیا۔

"بہت بے عزتی ہو گئی میری اب میں ایک منٹ بھی رکنے کو تیار نہیں ہوں۔ انکل تمہاری منگنی کا اعلان کر چکے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ لڑکا تمہارے آئیڈیل جیسا ہو۔"

"ہاں تو اس کو آنے تو دیں اگر میرا آئیڈیل ہوا تو آپ کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر اس کو پہنا دوں گی۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

"بس بہت ہو گیا میں اس سے زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"پلیز میکائیل میری خاطر یہ انگوٹھی فی الحال پہنے رہیں میں ہرگز بھی آپ کی عزت پر آنچ نہ آنے دوں گی مجھ پر بھروسا رکھیں۔ دوستی کی ہے تو اس کو نبھائیں بھی۔" حریم روہانسی ہو گئی تبھی ملک عدنان کی آمد کا شور مچ گیا۔ حریم کی جونہی اس پر نظر پڑی دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ لمبا قد، خوب صورت خدوخال، کسرتی بدن، دلکش شخصیت کا مالک اس کے خوابوں کا شہزادہ۔

"میں نے ملک عدنان کو تمہارے لیے پسند کیا ہے مگر سچ پوچھو تو پاپا کے سوا ہم سب کے ووٹ میکائیل کی طرف ہیں۔ خالی صورت کو کیا چاٹنا ہے۔" بھابی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ میکائیل بھی بغور حریم کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے حریم ان کی دسترس سے دور ہے مگر جب سے انہوں نے انگوٹھی پہنی تھی ان کو ایک استحقاق سا محسوس ہونے لگا تھا اپنی بے بسی پر کبھی کبھی ان کا دل چاہتا حریم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں۔ جو اس وقت ایک سکتے کے عالم میں ٹکٹکی باندھ کر ملک عدنان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میکائیل کو اپنے بارے میں کوئی خوش گمانی نہ تھی مگر اب تو دور دور تک اس کا کوئی چانس نہ تھا۔ وہ تو بس ڈرامے کا ایک کردار تھا۔ جس کا اب ڈراپ سین ہونے ہی والا تھا۔ وہ خاموشی سے [illegible] سے جت گیا۔

☆....☆

حریم کی بہن کی شادی ہو رہی تھی۔ سب ہی مصروف تھے وہ گھر میں اکیلی تھی اور شدت سے میکائیل کا انتظار کر رہی تھی۔ تب بور ہو کر کچن میں آ کر کافی بنانے لگی۔ وہ کافی پھینٹ رہی تھی جب ملک عدنان نے کچن میں قدم رکھا۔ ان کا قیام گیسٹ روم میں تھا۔

"میں اپنے لیے کافی بنا رہی تھی آپ بھی پئیں گے؟" ان کی نگاہوں کے ارتکاز سے گھبرا کر اس نے پوچھا۔ ان کی بھوکی ننگی نگاہوں سے اسے الجھن ہو رہی تھی۔

"آپ کے ہاتھوں تو زہر پینے کو بھی تیار ہیں ہم۔" وہ ذرا کھسکتی ہوئی زبان میں گویا ہوا۔

"کیا کمی تھی مجھ میں جو تم نے مجھ پر میکائیل کو ترجیح دی۔ معمولی جاب کرنے والا وہ شخص تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ جب کہ میں کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث، ہزاروں ایکڑ زمین کا مالک تمہیں شہزادی بنا کر رکھوں گا تمہیں۔ شکر ہے انکل سمجھدار ہیں اور انہیں میرا اور میکائیل کا واضح فرق نظر آ گیا ہے۔ تم دو ٹکے کے ملازم کو مجھ پر فوقیت دے رہی تھیں۔" اس نے حقارت سے کہا۔

"پلیز آپ مہمان ہیں اس لیے میں آپ کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتی لیکن میکائیل کے بارے میں ایک بھی لفظ کہنے سے پہلے سوچ لیجیے گا۔" وہ کترا کر نکلنا چاہ رہی تھی کہ عدنان نے ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ اس پر گرتے گرتے بچی۔ اسی وقت میکائیل نے کچن میں قدم رکھا اور دونوں کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"اوہ معاف کیجیے گا میں غلط وقت پر آ گیا۔" خشک لہجے میں کہتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔ اس کی جان نے ایک بلند و بالا قہقہہ مارا اور حریم میکائیل کو آواز دیتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ خود کو کمرے میں بند کر چکا تھا۔ پھر حریم کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے رات جاگ کر سجدوں میں گزاری اس کا خیال تھا صبح میکائیل کی خفگی دور کر دے گی لیکن صبح بھابی نے کمرے میں آ کر دھماکہ کر دیا۔

"حریم ایسا کیا ہو گیا تمہارے اور میکائیل کے درمیان کہ وہ منگنی کی انگوٹھی میز پر رکھ کر بغیر کسی کو بتائے صبح ہی صبح کہیں چلے گئے۔" پھر وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے بولیں۔

"دیکھو حریم! میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔ اسی لیے سمجھا رہی ہوں کہ اس خوب صورتی اور آئیڈیل کے چکر سے نکل آؤ۔ انسان کا کردار ہی اس کی اصل خوب صورتی ہوتا ہے۔ عدنان کے پاس بے شک دولت اور صورت کے علاوہ ہے کیا؟ پاپا وقتی طور پر اس کی دولت سے متاثر ضرور ہوئے ہیں لیکن ہم سب جانتے ہیں معیار کی کسوٹی پر میکائیل ہی پورا اترتا ہے۔" حریم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اس کے دل میں ملک عدنان کے خلاف نفرت کا شعلہ بھڑک اٹھا اس نے خاموشی سے گاڑی نکالی اور طوفان کی طرح اس ہوٹل جا پہنچی جہاں آن لائن میکائیل نے اپنے لیے کمرہ بک کرایا تھا۔ میکائیل اپنا سامان پیک کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اس نے کسی بھی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

"میکائیل آپ بغیر بتائے مجھے چھوڑ آئے۔ کم از کم مجھ سے پوچھتے تو۔" اس نے گلہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا پوچھتا؟ پوچھنے کو اب رہ کیا گیا تھا؟ آپ کے سامنے آپ کا آئیڈیل تھا پھر میں وہاں کس حیثیت سے رکتا اور کیوں رکتا میرا کردار صرف یہیں تک تھا۔"

"نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں آپ کا کردار میری ساری زندگی کے لیے ہے۔" حریم کو رونا آ گیا۔

"بس بھی کرو حریم! کتنا مجھے بے وقوف بناؤ گی۔ میں تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہیں یہ جانتے ہوئے بھی میں انجانے میں تم سے پیار کرنے لگا تھا۔ لیکن اب جب کہ تمہارے خوابوں کا شہزادہ تمہارے سامنے آ چکا ہے میرا یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔" میکائیل نے آزردگی سے کہا اور حریم تڑپ اٹھی۔

"بس بھی کریں میکائیل یہی سب سننے اور کہلوانے کے لیے میں نے یہ ڈرامہ کھیلا تھا۔ بڑا صبر آزما انتظار کیا ہے میں نے ورنہ میں اول دن سے آپ کی پرستار تھی۔ آپ مجھے اتنا سطحی اور کم ظرف سمجھتے ہیں کہ بے مقصد آئیڈیل کے پیچھے اپنی زندگی برباد کر دوں گی۔ میں کتنا تڑپی اور ترسی ہوں یہ سننے کے لیے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" حریم کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا بھئی ذرا واضح الفاظ میں بتاؤ کہ میں کیا ہوں تمہارے لیے؟" میکائیل کے لہجے میں خوشیوں کی کھنک اور آواز میں نغموں کی مٹھاس تھی۔

"اب زیادہ نہ اترائیں اور گھر چلنے کی تیاری کریں۔" حریم نے اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھینتے ہوئے کہا۔

"چلنا تو فوراً پڑے گا کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ عدنان جیسا شہزادہ میری ہونے والی بیوی کے خوابوں میں آ کر مجھے بدگمان کرے۔" اور پھر ایک ہفتے بعد دونوں اسی ہوٹل میں سہاگ رات منا رہے تھے جہاں حریم کے والدین اور بہن بھائی سمیت چھوڑنے آئے تھے۔

......☆......

افسانہ

ایسا بھی ہوتا ہے

"زری اتنی دیر لگا دی، جلدی جا کر لے آ۔" شیریں بیگم نے کہا تھا۔

"جی امی! ابھی لاتی ہوں۔" زری نے کہا تھا۔

"زمانہ بھر کی کام چور ہے۔ تمہیں تو کوئی ہوش ہی نہیں رہتا ہے کہ کیا پکانا ہے۔ ساری چیزوں کا دھیان مجھے ہی رکھنا پڑتا ہے۔ لگتا ہے اللہ نے تمہیں عقل دی ہی نہیں ہے۔" شیریں بیگم نے نخوت بھرے انداز میں زری سے کہا تھا۔ زری تو اپنا سوٹ سی کر لائی تھی کہ سوٹ رکھا کر اماں سے داد وصول کرے گی لیکن وہ اپنا دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ رات کو تمام کام سے فراغت کے بعد وہ سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو اس کا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ ایسے ہی تھکا دینے والے معمولات اس کی زندگی کا حصہ تھے۔ وہ صبح جو جاگتی تھی تو رات گئے ہی اسے فراغت کے لمحے نصیب ہوتے تھے۔

"آپی! جلدی سے میرا سوٹ سی دو، کل مجھے کالج فنکشن میں پہننا ہے۔" نمرہ نے دلنشیں بھرے لہجے میں زری سے کہا تھا۔

"چلو! تم مجھے صبح کہہ دیتیں تو میں آرام سے سی دیتی۔ اب تو رات بھی ہو گئی ہے اور مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔ تمہیں تو پتہ ہے ناں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم ایسا کرو میرا جو پنک سوٹ ہے وہی پہن لو۔" زری نے نخوت سے کہا تھا۔

"بس رہنے دو، صاف کہہ دو بہانے کیوں بنا رہی ہو، سلائی منع کر رہی ہو۔ اگر مجھے سینا آتا تو خود ہی سی لیتی، کم از کم تم سے بھی نہ کہتی۔" نمرہ نے منہ بنا کر کہا اور رونے لگی تو زری گھبرا گئی۔

"ارے چپ ہو جاؤ گڑیا! اچھا جا کر آرام سے سو جاؤ۔ میں سوٹ سی دیتی ہوں۔" زری نے نمرہ کو تسلی بھرے انداز میں کہا تھا۔ زری نے رات بھر جاگ کر سوٹ سی دیا تھا۔ تھکن سے چور ہو کر مشین کے پاس ہی چوکی پر سو گئی تھی۔ اس کی آنکھ صبح کی آوازوں سے کھلی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھی تو بے چینی کی کیفیت تھی۔ اس نے دیکھا کہ نمرہ شرٹ میں ٹانکے لگانے میں مصروف تھی۔ اور شیریں بیگم مسلسل اسے کوسنے میں مصروف تھیں۔

"چپ کر جا میرا بچہ! تجھے بچے لینے ہیں لے لینا۔" شیریں بیگم نے نمرہ کو چپ کراتے ہوئے کہا تھا۔ زری نے اضطراب کا شکار ہو کر شیریں بیگم سے استفسار کیا تھا۔

"ارے کم بخت! تجھے آ تو پتہ ہے کیا ہوا ہے، تو نے بچی کا سوٹ خراب کر دیا۔ اس نے بچے کے لیے ہی تو دیا تھا کوئی پہاڑ توڑنے کو تو تجھے نہیں کہا تھا۔" شیریں بیگم نے غصے سے کہا تھا۔

"امی! رات ایمرجنسی میں سیا ہے ناں اس لیے۔۔۔" زری نے اپنی صفائی میں کہنا چاہا تو شیریں بیگم نے اسے جھڑک کر رکھ دیا۔ وہ جو تعریف کے دو بول سننے کی منتظر تھی صبح صبح اپنی توبیخ دیکھ کر وہ اپنی غلطی ہی ڈھونڈتی رہ گئی۔

"زری! میرے سر میں تیل لگا دو۔ میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" شیریں بیگم نے درد سے کراہتے ہوئے زری سے کہا تھا۔

"درد زیادہ ہے تو امی جی! ڈاکٹر سے میڈیسن لے لیتے ہیں۔" زری نے امی سے کہا تھا۔

"تم مالش کر دو ٹھیک ہو جائے گا درد۔" شیریں بیگم نے بے چین ہوتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کافی دیر تک سر دباتی رہی جب شیریں بیگم نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے درد کم ہو گیا ہے اب چھوڑ دو۔"

"امی! او مجھے تو بخار ہے کیا؟" زری نے کہا تھا۔ امی نے ہاتھ بڑھایا تو زری نے جھٹ اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"ہاتھ کیوں آگے کر رہی ہے ماتھا آگے بڑھا۔" شیریں بیگم نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"بخار تو ہے ہلکا سا۔ زری تو نمرہ کو دیکھ لینا طبیعت ٹھیک نہیں نمرہ کی مجھے تو بڑی فکر ہو رہی ہے۔ ضرور کسی کی نظر لگی ہوگی، ماشاء اللہ بڑی پیاری ہے میری بچی۔" شیریں بیگم نے بڑے پیار بھرے انداز میں نمرہ کا ذکر کر کے زری سے کہا تھا۔

[illegible] ان کی اور خاموشی سے [illegible] دل کی بھڑاس کو کون دیکھتا ہے۔ سکون سا [illegible] ان دونوں کی فکر میں وقت ستاتی رہتی تھی، مگر والدین کی خدمت کرنا ان کی ضرورتوں کا دھیان رکھنا ان کے کپڑے کے پیسے گننا، ہر ایک کا خیال رکھنا۔ والدین کی ہر پکار پر لبیک کہنا اس کی عادت میں شامل ہو چکا تھا اگرچہ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی مگر اس کے چہرے پر شادابی ڈیرے ڈالے رکھتی تھی۔ اگر اس کا چہرہ مرجھایا ہوتا تو کوئی اس سے یہ پوچھتا کہ کیا ہوا ہے؟ [illegible] وہ یہ کہنے پر ہی مشغول ہو جاتی تھی اگر کوئی بھول جاتی تو سب ہی بھول جاتے تھے۔ ایسے ہی طرح زری کی حالت پر یہ شعر صادق آتا ہے

ابھی راہوں کی

مسافر ہوں میں

نہ راستے کا پتہ ہے

نہ ہی منزل کی خبر ہے ☆

(ڈھولک بجے گی ساری رات)

تمام کزنز گوٹے گا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ لان میں برپا ہنگامہ اپنے عروج پر تھا، گھر کی لان کو گیندے کے پھولوں اور پیلے رنگ کے آرائشی سامان سے سجایا گیا وسیع و عریض لان مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر دلہن کے لیے رکھا گیا خوبصورت سا گیندے کی لڑی کا جھولا جس پر سب کزنز اور بڑوں، چھوٹوں کی لاڈلی مقدس کو بٹھایا گیا تھا۔ بالوں کے جوڑے میں پیلی مقدس کو آج سب ہی نے سراہا تھا، پیلے کاٹن کے گوٹے لگے شلوار قمیص میں مقدس کے کانوں میں موتیوں کی بالیاں جھول رہی تھیں، دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر پیلی کانچ کی چوڑیوں کے آگے موتیوں اور گجرے کے گجرے اس کی دودھیا کلائیوں میں سجے تھے۔ اس کے لمبے بالوں کو موتیے کی لڑیوں سے سجا کر چوٹی کی شکل میں سنوارا گیا تھا، کاٹن کا پیلا دوپٹہ اس کے سر پر سلیقے سے سیٹ کیا گیا تھا۔

آج خاندان کا ہر فرد خوش تھا، کیونکہ آج خاندان کی لاڈلی کی مایوں کا دن تھا، ہر کسی کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔ لیکن ان سب کے درمیان ایک وجود ایسا تھا جس کے چہرے پر خوشی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ تھا مقدس وقار علی کا۔

☆——☆——☆

"مقدس... مقدس! اٹھو بیٹا! تم دیکھو کیا ہو رہا ہے، کون نہیں جانا کیا؟ تمہارے بابا جانی تمہارا کب سے انتظار کر رہے ہیں۔" آسیہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں، مقدس کو اس وقت پلنگ پر بے خبر سوتے دیکھ کر اسے جگایا۔

"اوہو ماما! سونے دیں ناں، آج چھٹی تو ہے، کالج جانے کا موڈ نہیں ہے میرا۔" مقدس نے کروٹ بدلتے ہوئے جواب دیا۔

"مقدس! اٹھو جاؤ ماما کی دو بار کال آ چکی ہے، وہ رہی ہے؟"

"کیا... ماما کی کال آئی؟ ماما کی کال آئی اور ماما! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ بہرکیف آپ چلیے میں پانچ منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" آسیہ بیگم ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئیں، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اب مقدس واقعی پانچ منٹ میں آ جائے گی۔

☆......☆......☆

"لو جی آ گئیں مقدس محترمہ۔" ماما نے سامنے سے آتی مقدس کو دیکھ کر سب کو متوجہ کیا۔

"آئیے، آئیے محترمہ! تمہارے انتظار میں کب سے پلکیں بچھائے بیٹھے ہیں کہ کب مقدس میڈم اپنے دیدار کا شرف دیتی ہیں۔" ماما نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے غصے سے سب کے دل میں موجود الفاظ ادا کیے۔

"سوری گائز! وہ آج کالج آنے کا موڈ نہیں تھا تو سیل سائلنٹ پر لگا کر سو گئی تھی۔" مقدس نے سب کے غصے کو دیکھتے ہوئے اپنے بچاؤ کے لیے سوری کہہ دیا، ورنہ دوسری صورت میں سب کی ناراضی لازمی تھی۔

"او کے مقدس! آج آپ کی ثوبیہ جی کی لائی ہوئی خوشخبری کی وجہ سے معاف کیا، جو ثوبیہ ہم سب کے لیے لائی ہے۔" کومل نے چہکتے ہوئے ثوبیہ کو دیکھ کر مقدس سے کہا۔

"خوشخبری... کون سی خوشخبری؟" مقدس نے استفسار کیا۔

"بھئی! وہ یہ ہے کہ ثوبیہ کی منگنی ہو گئی ہے اور پیپرز کے فوراً بعد ہی شادی ہے۔" ماما نے جواب دیا۔

"واؤ یار! زبردست یہ تو واقعی بہت بڑی خوشخبری ہے، بہت بہت مبارک ہو ثوبیہ! تمہیں۔" مقدس نے خلوص دل سے دعا دی۔

"کیا مقدس یار! ہم تو یہ سمجھے کہ تم ثوبیہ سے ہماری طرح ناراض ہو گی کہ اس نے ہمیں بتایا بھی نہیں

افسانہ



اور تم تو خوش ہو رہی ہو" نبیل اور انا نے مقدس کو ناراضی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھئی! یہ ثوبیہ کے لیے اس کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ ہمیں تو اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے، کیا ناراض ہو کر ہمیں ثوبیہ کی خوشی ختم کر دینی چاہیے، بتاؤ مجھے؟" مقدس نے دونوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"بالکل نہیں یار مقدس! تم نے ٹھیک کہا ہے۔ ہمیں ناراض ہو کر ثوبیہ کی خوشی ختم نہیں کرنی بلکہ مل کر سیلیبریٹ کرنی چاہیے، کیوں؟" انا نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور یار!" نبیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا وہ کیوں خاموش رہتی۔

ان چاروں کی دوستی ایسی ہی تھی سب ہی ایک دوسرے کی خوشی میں خوش ہوتیں اور ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتی تھیں، ان کی دوستی اپنائیت کے رشتے سے بھری ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

"لگتا ہے آج گھر میں کوئی مہمان آیا ہے اور وہ بھی خاص" مقدس نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا، مما پاپا کے روم سے آتی آوازوں کو سن کر سوچا کیونکہ کوئی بھی مہمان جب آتا تھا گیسٹ روم میں ہی بٹھایا جاتا تھا اور کوئی اپنا ہوتا تو وہ مما پاپا کے روم میں ہی بٹھائے جاتے تھے۔

"چلو دیکھ لوں گی پہلے ایسا کرتی ہوں چینج کر لوں" مقدس نے یونیفارم کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور کمرے کا رخ کیا۔

"دادی! آپ...؟" مقدس نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا، سامنے موجود اپنی عزیز از جان ہستی کو دیکھ کر اس کی دن بھر کی تھکاوٹ اڑن چھو ہو گئی اور دور سے ہی آواز دیتی ہوئی دادی کے گلے لگ گئی۔

"کیسی ہیں دادی آپ؟ کب آئیں...؟ مجھے پہلے آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں [illegible] جاب کو آئے ہوئے؟"

"بس بس بیٹا! پہلے دادی کو سکون تو لینے دو [illegible] ہی اتنے سارے سوال" آسیہ بیگم نے بیٹی کو [illegible] تنبیہ کرتے ہوئے ٹوک دیا۔

"چل جا یہاں سے میں نہیں ہوں تجھ سے [illegible] دادی، دکھاوے کا پیار مت جتا، شہر آنے کے بعد تو بھول گئی، اتنی ہی محبت ہوتی ناں تو ملنے آتی [illegible] کیا؟" دادی نے مقدس کو اپنے قریب سے [illegible] ہوئے مصنوعی غصے سے کہا۔

"اُم اتنا غصہ، دادی جان اگر مجھے آپ سے [illegible] کہ آپ اتنا غصہ کریں گی تو میں نہ آنے کی [illegible] کرتی، چاہے پیپر ہی کیوں نہ ہو جاتے" مقدس [illegible] کرتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہا۔

"چل جھلی تیرے دشمن خبردار! جو آج کے بعد [illegible] نکلا تیرے منہ سے" دادی نے غصے سے کہا تو مقدس کھلکھلا کر ہنس دی کہ اس کا تیر نشانے پر لگا تھا، مقدس جانتی تھی کہ دادی کو اسے پڑھانے کا شوق تھا، مقدس کی پڑھائی کے لیے ہی انہوں نے اپنی لاڈلی پوتی کو اپنے سے دور کیا تھا۔

"جی دادی جان! بالکل سچ تھی، اب آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں؟" مقدس نے [illegible] کہا۔

"اگر دادی پوتی کا پیار ختم ہو گیا ہو تو کھانا کھانے کے لیے تشریف لے آئیے" آسیہ بیگم نے دادی پوتی کے نہ ختم ہونے والے شکوؤں کو سن کر ہنس کر کہا۔

☆......☆......☆

"آ گئیں تم؟ مجھے پتا تھا دادی کے پیچھے چڑیل لازمی آئے گی، اپنے علاوہ کسی اور کو [illegible] ہوئے دادی کو دیکھ نہیں سکتی ہو کیا تم؟"

"ارے یہ کیسا استقبال ہے اس گھر [illegible]

[illegible] سلام نہ دعا اور الٹا مجھے طعنے دیے جا رہے [illegible] ایسا ہے میرا آنا اچھا نہیں لگا تو دادی جان! میں واپس جا رہی ہوں، بتا دیں!" مقدس نے غصے سے کھولتی ہوئی اسے [illegible] نظر انداز کرتے ہوئے واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔

"ارے او رے مقدس بیٹا! ادھر آؤ تم جانتی ہو کہ اتنے دنوں سے تم نہیں آ رہی تھیں تو جب تم سے ناراض ہے، تھوڑی دیر بعد خود ہی ٹھیک ہو جائے گی تم ٹینشن مت لو" حمیدہ بیگم نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"دادی جان! مجھے معلوم ہے وہ اسی وجہ سے ناراض ہے، میں جاتی ہوں اس سے بات کرنے، ابھی اس کا موڈ ٹھیک کرتی ہوں"۔

"واؤ سویٹ یار! کیا مجسٹی بریانی بنائی ہے مزہ آ گیا" مقدس نے چکن بریانی کھاتے ہوئے کہا۔

"ہمیشہ سے تمہارے لیے نہیں دادی کے لیے بنائی ہے، سمجھیں؟"

"اتنی اچھی بریانی تو دادی نہیں کھائیں گی، ان کے پیٹ میں درد ہو جائے گا، جو کھا رہی ہوں، جو کھا رہی ہوں اس لیے تمہاری عزت رہ گئی ورنہ یہ بریانی کو تو کوئی منہ نہ لگائے... ہمت ہے کس کی پنڈی کی لڑکی کے [illegible] ہے" مقدس نے چٹخارے لیتے ہوئے جواب دیا۔

"خبردار! جو میری بنی بریانی کو خراب کہا، ادھر دو [illegible] کھانے کے لائق ہی نہیں ہو" حبیبہ نے غصے سے [illegible] کی پلیٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"ارے تو، ویسے بھی میرا پیٹ بھر چکا ہے، ابھی [illegible] کو بتاتے جاتے" مقدس بھی کہاں باز آنے [illegible] تھی۔

"دادی جان! اس پاگل کو چھوڑیں، یہ بتائیں آپ [illegible] اب تو زیادہ دن یہاں ہی رہیں گی ناں؟" [illegible] مقدس نے کھانا کھاتے دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں بیٹا! اس سے دور بہت دل اب تو سمجھیں رہوں گی [illegible] اب اکیلا نہیں رہا جاتا مجھ سے" دادی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"واہ... زبردست دادی جان! سچ میں ناں دادی! اب آپ واپس تو نہیں جائیں گی ناں؟" مقدس نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے اماں جان! آپ آئی کس کے ساتھ ہیں، وقار تو آپ کو لینے نہیں گیا تھا اور نہ ہی آپ نے آنے کی اطلاع دی تھی"۔ واقعی یہ تو کسی نے سوال ہی نہیں کیا تھا، نہ دادی نے بتایا تھا۔ اب سب دادی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کیا جواب ملتا ہے؟

"بیٹا! تمہاری تو بہت دنوں سے کر رہی تھی سوچا تھا جب آؤ گی تو وقار یا تمہیں فون کروں گی، لیکن پھر اچانک شاہی بیٹا میرے پاس آیا اس نے مجھے بتایا کہ وہ بھی شہر جا رہا ہے تو میں نے سوچا کہ سب کو سرپرائز دیتی ہوں جا کر تو اس کے ساتھ آ گئی"۔ دادی کے جواب پر کسی کو فرق پڑا ہو یا نہ پڑا ہو لیکن ان سب کے برعکس دادی کے جواب نے مقدس کو چند پل کے لیے ادھر ادھر سے غافل کر دیا تھا، اسے صرف ایک ہی بازگشت سنائی دے رہی تھی "شاہی"۔

"دادی جان! یہ شاہی صاحب کون ہیں؟" حبیبہ نے اتنی دیر سے لبوں پر مچلتا سوال پوچھ ہی لیا۔

"ہمارے پڑوس میں ہی رہتا تھا بیٹا! بہت اچھا بچہ ہے میرا، مقدس کے آنے کے بعد بہت خیال رکھا ہے اس نے، مجھے مقدس بیٹا کی کمی نہیں ہونے دی، مقدس اور شاہی بچپن دوست تھے، ساتھ ہی اسکول جاتے تھے ساتھ ہی کھیلتے تھے، وہ تو اب بھی پوچھتا ہے کہ دادی! مقدس اب بھی ویسی ہی ہے یا کچھ بدل گئی ہے؟ ابھی بھی کیا بچپن کی طرح چھپکلی سے ڈرتی ہے کیا؟"

"دادی جان! اب تو شاہی بھائی سے ملنے کا میرا بھی دل کر رہا ہے، دیکھوں تو سہی کہ مسٹر... بالکل ویسے ہیں جن کی ہماری مقدس میڈم سے دوستی رہ چکی ہے" حبیبہ نے مقدس کو کھوئے کھوئے انداز میں باتیں

سنے دیکھ کر اسے بلاتے ہوئے دادی سے کہا۔

☆......☆......☆

فتح محمد اپنے گاؤں میں موجود شاندار سی حویلی میں اپنے دونوں بچوں وقار فتح محمد اور فیاض فتح محمد کے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔ فتح محمد صاحب نے اپنے گاؤں میں ایک اسکول تعمیر کروایا ہوا تھا، اسکول کا معیار بہت بلند تھا، جہاں بچوں کو عمدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے دونوں بیٹوں نے وہیں سے میٹرک پاس کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تاکہ بہترین تعلیم حاصل کر سکیں۔ وقار علی اور فیاض علی نے جیسے ہی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، نائمہ بیگم کو ان کے سر پر سہرا سجانے کی دھن سوار ہوگئی۔ اس طرح نائمہ بیگم نے 2 مہینوں کے اندر اندر دونوں بیٹوں کی شادی اپنی پسند کی ہوئی لڑکیوں سے کر دی، شادی کے بعد فیاض علی تو اپنی بیگم کے ساتھ شہر میں رہائش اختیار کر چکے تھے، جبکہ وقار علی نے اپنے والدین کے اکیلا رہنے کے سبب ان کے ساتھ ہی رہنا مناسب سمجھا۔ وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا، ایک سال بعد اللہ عزوجل نے وقار اور فیاض علی کو ایک ایک بیٹی سے نوازا۔ سب ان دو معصوم سی گڑیاؤں کو پا کر بہت خوش تھے۔ دونوں بیٹوں کی مرضی سے دادی جان نے وقار کی بیٹی کا نام مقدس اور فیاض کی بیٹی کا نام حبیبہ رکھا۔ دن یوں ہی ہنستے کھیلتے گزر رہے تھے کہ اچانک فتح محمد کے انتقال نے سب کو نڈھال کر دیا۔ بڑی مشکلوں سے سب نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ دادی کی مقدس میں جان تھی، ان کا زیادہ وقت اپنی پوتی کے ساتھ گزرتا۔ وقار علی کو شہر سے جاب کی آفر ہوئی تو انہوں نے ماں کو اکیلا چھوڑنے کے خیال سے منع کرنا چاہا، لیکن جیسے ہی نائمہ بیگم کو معلوم ہوا تو انہوں نے منع کر دیا کہ اتنی اچھی آفر کو چھوڑنا کفران نعمت ہے۔ وقار علی کو نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی بات ماننی پڑی اور انہوں نے جانے کی تیاری کر لی، لیکن ماں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ مقدس کو ان کے پاس چھوڑ دیں۔ اس طرح مقدس دادی کے پاس پرورش پانے لگی۔ مقدس جب سات سال کی ہوئی تو اس کی ماں آنسہ بیگم نے یہ کہہ کر بلا لیا کہ یہاں شہر میں بہترین تعلیم مل سکے گی۔ دادی اپنی مرضی سے [illegible] اپنے سے دور نہیں کر پاتی تھیں اور نہ ہی مقدس ان سے دور جانے کا سوچ سکتی تھی۔ لیکن دادی نے اس کے مستقبل کو دیکھتے ہوئے مقدس کو بھی شہر بھیج دیا۔ اب اچانک دادی کے جیسے [illegible] کر رہے تھے [illegible] دوسرے لوگ خوش تھے تو مقدس کو سب سے بڑی [illegible] ملی تھی، وہ خوش نہ ہو [illegible] مشکل تھا [illegible] بچپن کے دوست کے بارے میں [illegible] وقت یاد آنے لگا اور وہ شدت سے اپنے [illegible] بچپن کی دعا کرنے لگی۔

☆......☆......☆

"انا کی بچی! کہاں ہو تم؟ مجھے اتنی دیر [illegible] کر کے تیار ہونے کا کہہ کر خود [illegible] کی سیٹنگ [illegible] غائب ہوگئی ہو۔ اگر تم دس منٹ تک [illegible] پر موجود نہیں ہوگی تو تمہارا وہ حشر کروں گی کہ [illegible] زندگی میں کبھی نہیں بھول پاؤ گی"۔ مقدس [illegible] ایک لقمہ چباتے ہوئے انا کے کال ریسیو کرتے [illegible] دونوں نے کچھ دنوں بعد ہونے والی ثوبیہ کی شادی کے لیے شاپنگ کرنے کا ارادہ بنایا تھا اور انا نے مقدس کو کال کر کے ریڈی رہنے کا کہا تھا اور اب خود غائب تھی۔

"سوری... سوری یار! پلیز کول ڈاؤن [illegible] کنگ!" انا نے اس کے غصے سے بھرے لہجے کو محسوس کر کے جلدی آنے کا کہہ کر کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

☆......☆......☆

چلچلاتی دھوپ میں شاپنگ کرنا مقدس کو [illegible] لگتا تھا، لیکن دادی کی وجہ سے اس کا [illegible] پروگرام بنانا پڑا کہ دادی کو مقدس کا شام کے ٹائم [illegible] جانا پسند نہیں تھا اور وہ دھوپ میں جانا تو [illegible] برداشت کر لیتی مگر دادی کی ناراضی نہیں۔

تم مجھ کو یاد کرنا
اور یاد آنا تم
تم مجھ کو یاد کرنا
اور......

"لو... بج گیا صدیوں پرانا گانا مقدس میڈم کے سیل پر۔ یار! تم نے یہ کیا گانا اس پر لگایا ہوا ہے"۔

"تت... آپ انا! تمہیں پتا ہی ہے اس کی وجہ سے مجھے اپنا کیا ہوا وعدہ یاد رہتا ہے۔ خیر... چھوڑو تم اس بات کو نہیں سمجھو گی"۔

"السلام علیکم ماما جی... جی میں بازار سے لے آؤں گی، اور کچھ لانا ہے؟"

"کیا ہوا، کیا کہہ رہی تھیں آنٹی؟" انا نے سیل بیگ میں ڈالتی مقدس سے پوچھا۔

"ماما نے کچھ چیزیں منگوائی تھیں، ان کے لیے ہی کال کی تھی"۔ مقدس نے جواب دیا۔

"مقدس میڈم! ہم کیسے [illegible] آپ کے دل کا حال آخر آل آپ کے دل کے [illegible] محبت ہے، بہرکیف اپنے رانجھا کو لفٹ میں یاد [illegible] ابھی چلیے شاپنگ کر لیتے ہیں، ورنہ لیٹ ہو جائیں گے"۔ انا نے کہتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا اور مقدس نے بھی ہنسی [illegible]۔

"انا! تم سینڈل دیکھو، میں ماما کی بکس کا پتہ کر کے آتی ہوں اسٹال سے"۔

"ٹھیک ہے جاؤ پر جلدی واپس آنا"۔ انا نے مقدس کو جواب دیا اور سینڈل دیکھنے لگی اور مقدس نے بک اسٹال کا رخ کیا۔

مقدس چند قدم چلی تھی کہ اپنے سے کچھ دور سے [illegible] گانے کی آواز نے اسے بالکل ساکت کر دیا۔

تم مجھے یاد کرنا
اور یاد آنا تم

"یہ... یہ گانا..." اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی تھی، اس کے قدم آواز کی جانب بے اختیاری اٹھ گئے تھے، جہاں سے آواز آرہی تھی، اس گانے سے اس کی کتنی یادیں جڑی تھیں، کوئی مقدس سے پوچھتا۔

"یا اللہ خیر...!" وہ اپنے ہی خیالوں میں گم سوچتے ہوئے چل رہی تھی کہ اچانک کسی بھاری چیز سے ٹکرا گئی، تھوڑی دیر کے لیے تو اس کا ذہن بالکل ماؤف ہوگیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے۔ لیکن آج اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ دن میں تارے نظر آنا کسے کہتے ہیں؟ اس کے ہاتھ میں موجود چند بیگز میں بوس ہو چکا تھا۔

جب مقدس کے حواس بحال ہوئے تو اس کی نگاہ سامنے موجود شخص کی جانب گئی جو لگتا تھا کچھ سوچنے میں لگا ہوا ہے اور مسلسل مقدس کو دیکھ رہا تھا۔ مقدس کو محسوس ہوا کہ وہ ادھر ہوتے ہوئے بھی ادھر موجود نہ ہو۔ مقدس نے اسے چھوڑ کر اپنا گرا ہوا بیگ اٹھایا اور اس میں گری ہوئی چیزوں کو اٹھا کر بیگ میں ڈالنے لگی۔

"سوری... دراصل میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا اس لیے غلطی سے آپ سے ٹکرا گئی"۔ مقدس نے سامنے موجود شخص کو ویسے کا ویسا ہی کھڑے پایا تو سوری کہا۔

"کوئی بات نہیں، کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے، جو ہمیں اپنوں سے ملا دیتا ہے"۔ سامنے موجود [illegible] نے کھوئے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"جی...! کچھ کہا آپ نے؟" مقدس کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی، پوچھا۔

"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"

"مقدس"۔

"مقدس! ارے یار! تم یہاں کھڑی ہو، جلدی

"چلو دیر ہو رہی ہے"۔ انا مقدس کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

"مقدس...!" شایان احمد رضا نے زیر لب دہرایا۔

"کسے دیکھ رہے ہو شایان؟" آمنہ بیگم نے اسے ایک جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا جو سامان لے کر اس کے پاس آئی تھی۔

"مما! آپ... وہ... کسی کو بھی نہیں، چلیں...؟"

"ہاں چلیں، ویسے بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"اوے...!" وہ جیسے ہی چلنے لگا اس کے پاؤں کے نیچے کچھ آ گیا تو اسے رکنا پڑا، اور اس نے جھک کر دیکھا تو اسے سامنے موجود چیز کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی، اب تو اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا، ہاتھ میں موجود چیز کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ رقصاں ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

"ارے ارے بیٹا! کیا ہوا، کیوں آواز دے رہے ہو مقدس کو؟ تم جانتے ہو ناں کہ وہ اس ٹائم چھت پر ہوتی ہے، اپنے کبوتروں کے ساتھ"۔ دادی نے شاہی کو دیکھ کر کہا جو مقدس کو آوازیں دیے جا رہا تھا، دادی کی بات سن کر شاہی نے فوراً چھت کا رخ کیا۔

"ہوں...!"

"شاہی! تم... تم نے مجھے ناراض کر دیا تھا، جاؤ میں تم سے بات نہیں کرتی"۔ مقدس نے ناراض لہجے میں کہتے ہوئے رخ دوسری طرف کر لیا۔

"اچھا... اچھا اب تنگ نہیں کروں گا، پکا وعدہ، پلیز تم ناراض مت ہو، تم جانتی ہو ناں میں تمہاری ناراضی برداشت نہیں کر سکتا"۔

"اچھا چھوڑو، اس بات کو، دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟" شاہی نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود کنگن اس کے سامنے کر دیے۔

"واؤ شاہی! یہ تو بہت پیارے ہیں، مگر یہ تو بہت بڑے ہیں"۔ مقدس نے کنگن … پہنتے ہوئے کہا، جس پر شاہی کا خوشی سے دمکتا چہرہ … پڑ گیا۔

"لیکن شاہی! یہ ہیں بہت خوبصورت، میں ان کو ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی اور جب بڑی ہو جاؤں گی تب انہیں پہنوں گی"۔ مقدس نے کنگنوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سچ...؟"

"بالکل سچ"۔ مقدس نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

"شایان! میں کب سے تمہیں دیکھ رہا ہوں، تمہارا دھیان کدھر ہے؟" شایان کے … جنید … جو ایک … بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن شایان مسلسل خیالوں میں … تو آخر کار … شایان جنید کے ٹہوکا دینے پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا... کچھ نہیں ہے یار!" شایان نے جواب دیا اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اچھا، چلو اب تم شرافت سے مجھے سچ بتاؤ ورنہ اچھا نہیں ہو گا"۔

شایان نے بھی اسے ساری بات بتا دی تھی … کہ سننے کے بعد کچھ ہونے والا نہیں تھا۔

"پھر تو یہ بہت اچھی بات ہے یار! … آج میرا دوست کھویا کھویا کیوں نظر آ رہا ہے، … گاڈ! کہ تمہارا انتظار ختم ہوا"۔ اس کی بات پر شایان ہنسنے لگا۔

"اللہ سے دعا ہے میرے یار! تو ہمیشہ ایسے ہی مسکراتا رہے، تجھے جلد سے جلد اپنی خوشیاں نصیب ہو جائیں، بھائی کا ساتھ بھی"۔

"آمین...!" جنید کی دعا پر شایان نے … شایان مسکرانے لگا۔

☆......☆......☆

فنکشن باہر لان میں ارینج کیا گیا تھا، سارا لان … لائٹوں سے سجایا گیا تھا اور لان کے دائیں کونے میں … بار بی کیو کا انتظام تھا۔

"واؤ یار! کتنی خوبصورت جگہ ہے ناں!" مقدس نے … اطراف کے منظر کو دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

وقار صاحب کے بزنس پارٹنر نے آج اپنے بیٹے کی کامیابی کی خوشی میں پارٹی کا انتظام کیا تھا اور وقار علی کو فیملی سمیت انوائٹ کیا تھا، دادی کے علاوہ سب ہی موجود تھے، مقدس نے اکیلا آنے کے خیال سے حجاب کو ساتھ لے لیا تھا، اب دونوں یہاں آ کر بھرپور انجوائے کر رہی تھیں۔

"ہاں یار! واقعی یہ تو بہت خوبصورت جگہ ہے"۔ حجاب نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"مقدس بیٹا! ادھر آئیے"۔ وقار صاحب نے کچھ فاصلے پر موجود مقدس کو آواز دی۔

"جی پاپا!" مقدس نے ان کے پاس آ کر کہا۔

"بیٹا! انکل سے ملیے... یہ میرے بزنس پارٹنر ہیں مسٹر احمد رضا۔"

"السلام علیکم انکل! کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟"

"جی ٹھیک! انکل بیٹے کی کامیابی مبارک ہو آپ کو"۔ مقدس نے کہا۔

"تھینکس بیٹا! لیکن جس نے کامیابی حاصل کی ہے آپ کو اسے خود مبارک باد دینی چاہیے"۔ احمد رضا صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن دیکھو بیٹا! جس کے اعزاز میں ہم نے یہ پارٹی ارینج کی ہے وہ موصوف خود ہی غائب ہیں، چلیے بیٹا! آپ تو انجوائے کریں جا کر، جب وہ آئے گا تو ملواؤں گا شایان سے آپ کو"۔

"کوئی بات نہیں انکل! پاپا... میں ماما کے پاس جا رہی ہوں"۔ مقدس کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

"وقار صاحب! ویسے آپ کی بیٹی ہے بہت خوبصورت، اگر میری بیٹی ہوتی تو وہ بھی مقدس بیٹی جیسی ہی ہوتی"۔ احمد رضا صاحب نے افسردہ لہجے میں کہا، ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا شایان احمد رضا۔

"ارے یار! یہ افسردگی چھوڑو، مقدس جیسے میری بیٹی ہے ویسے ہی تمہاری بیٹی بھی ہے، جب دل چاہے بلا لینا"۔ وقار علی نے جواب دیا تو احمد رضا مسکرانے لگے۔

ہلکی ہلکی ہوا نے ماحول کو بے حد خوشگوار اور تازہ چھوڑا تھا، سبز پودوں سے لپٹی ہوئی قمقموں کی روشنیاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں، وہ مسکراتی انجوائے کرتی ہوئی ایک تنہا گوشے کی جانب نکل آئی تھی کہ اچانک اس کی نظر جہاں سے رات کی رانی کے درخت پر پڑی جس کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، درخت کے اردگرد بکھرے سفید پھول قمقموں کی روشنی میں عجب بہار دکھا رہے تھے، اس منظر نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور پتہ نہیں کتنی دیر وہ اس منظر میں کھوئی رہتی کہ آواز پر مڑ کر سامنے موجود شخص کو انجانی تاثر لیے دیکھنے لگی۔

بلیک پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس وہ شخص مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا، جیسے برسوں سے جانتا ہو۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں؟"

"کیا آپ کے ہاں سلام کا جواب دینے کا رواج نہیں ہے؟" سامنے موجود شخص نے مقدس کو خاموش دیکھ کر دوبارہ سوال کیا۔

"دیکھیے مسٹر! میں آپ کو نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں، دوسری بات کہ جب میں آپ کو جانتی ہی نہیں ہوں تو سلام کا جواب کیوں دوں؟ آپ اپنا راستہ لیجیے، میں آپ جیسے لوگوں کو ٹھیک کرنا خوب جانتی ہوں"۔ مقدس نے غصے سے بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"اوکے! اوکے، سوری میڈم! میں جا رہا ہوں، پلیز آپ ناراض نہ ہوں، لیکن جانے سے پہلے یہ ضرور کہوں گا کہ آپ بالکل نہیں بدلی ہیں۔" شایان اسے چھوڑ کر وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

"عجیب سر پھرا انسان ہے، پتا نہیں کیا اول فول بول کر گیا ہے۔" مقدس جھنجلائی ہوئی آگے چلنے لگی، لیکن سامنے موجود چھپکلی نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر موجود شایان چیخ کا کہ وہ جانتا تھا یہی ہوگا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم مما! کیا کر رہی ہیں؟ اور اتنی سلیقے سے کھانے کی اشیا... خیریت... کون آیا تھا؟" مقدس جو کالج سے آنے کے بعد سو گئی تھی اٹھ کر کچن میں آئی تو اتنا سامان دیکھ کر پوچھا۔

"جی بیٹا! مہمان آئے تھے، تمہارے ابو کے جو بزنس پارٹنر ہیں وہ اور ان کی بیگم آئی تھیں، بیٹا اور اصل وہ اپنے بیٹے شایان..."

"السلام علیکم آنٹی!" انا نے آتے ہی آنسہ بیگم کو سلام کیا، آنسہ بیگم کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟"

"فائن آنٹی!"

"ارے بھئی! آج تم اچانک کیسے نازل ہو گئیں؟ خیریت تو ہے ناں، کہیں آنٹی نے اپنی نالائق بیٹی کو گھر سے تو نہیں نکال دیا؟" مقدس نے انا کو چھیڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"جسٹ شٹ اپ مقدس محترمہ! نالائق ہو گی تم خود، میں نہیں۔" انا نے چڑتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں اسائنمنٹ تیار کرنے آئی تھی، اگر تنگ کرنی ہے تو میں جا رہی ہوں، کرتی رہنا تم خود تیار۔" انا نے کہتے ہوئے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"ارے یار! میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

"چلو معاف کیا۔" انا نے احسان کرنے والے انداز میں کہا تو وہاں موجود آنسہ بیگم اور وہ دونوں ہی مسکرانے لگیں۔ پھر ان دونوں نے اسائنمنٹ تیار کی اور کافی وقت گزار کر انا اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

"مقدس بیٹا! سو رہی ہو کیا؟" آنسہ بیگم نے مقدس کے کمرے میں جھانکتے ہوئے آواز دے کر پوچھا۔

"نہیں مما! میں یاد کر رہی تھی، آپ کو کوئی کام تھا کیا؟ مجھے بلا لیا ہوتا۔" مقدس نے کتاب بند کرتے ہوئے جو ابھی تک مطالعہ کر رہی تھی اپنی ماں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مقدس بیٹے! مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"

"جی مما! کہیے نا۔"

"بیٹا! تمہارے لیے ایک پرپوزل آیا ہے، تمہارے بابا جانی کے بزنس پارٹنر ہیں، ان کے بیٹے کا، انہوں نے تمہیں پارٹی میں دیکھا تھا، تم انہیں بہت اچھی لگیں، بالکل اپنی بیٹی کی طرح، انہوں نے کہا کہ اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ بالکل تمہاری طرح ہوتی، آج دوپہر وہ لے کر اپنی بیوی کے ساتھ آئے تھے، تمہارے بابا بھی ملے ہیں اس لڑکے سے، بہت تعریف کر رہے تھے، وہ اپنے والد کے ساتھ ہی بزنس کو سنبھال رہا ہے۔ سب کو رشتہ پسند آیا ہے بیٹا! تمہارے بابا جانی چاہتے ہیں کہ تم سے پوچھ لینا چاہیے کیونکہ زندگی تمہیں گزارنی ہے تو تمہاری مرضی لازمی پوچھنی چاہیے، بیٹا! تم سوچ سمجھ کر خود ہمیں بتا دو، اگر تمہاری مرضی نہیں ہوگی تو ہم یہ رشتہ نہیں کریں گے۔"

"مما! اگر آپ لوگوں کو یہ رشتہ منظور ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" مقدس نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔

"خوش رہو بیٹا! اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، مجھے معلوم تھا میری بیٹی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اسی لیے تمہارے بابا جانی کی وجہ سے پوچھنے آئی تھی، دیکھنا تمہیں بہت خوش رکھے گا۔" آنسہ بیگم تو اپنی بیٹی کے جواب پر نہال ہو گئی تھیں، مقدس کو گلے لگا کر پیار کرنے لگیں۔

"اچھا بیٹا! تم پڑھائی کرو، میں تمہارے بابا جانی اور دادی کو یہ خوشخبری سناتی ہوں، آج وہ بھی تمہارا فیصلہ جاننے کے لیے جاگ رہی ہیں۔" آنسہ بیگم اسے پیار کرتے ہوئے دروازہ بند کر کے چلی گئیں، اپنی خوشی میں وہ مقدس کی آنکھوں میں بے اختیار آنے والے آنسوؤں کو نہ دیکھ سکیں، جو اس کی آنکھوں سے بہنا شروع ہو گئے تھے۔

"یا اللہ! کیا یہی تھا میرا نصیب؟ کیا میری تقدیر میں اس کا ساتھ نہیں تھا؟ یا اللہ! مجھے اپنے فیصلے پر ثابت قدم رکھنا، مجھے ہمت دینا کہ میں اپنے والدین کا مان ٹوٹنے نہ دوں، اے میرے مالک! اگر وہ میرے نصیب میں نہیں ہے تو مجھے اتنی طاقت و قوت دے کہ اس کا خیال بھی میرے دل و دماغ سے نکال دے۔" مقدس اپنے آنسوؤں کو رگڑتے ہوئے اپنے لیے دعا کرنے لگی کیونکہ اللہ کی ہی تو ذات ہے جو اپنے بندوں کے دلوں کے حال سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کے بندے کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں، اللہ عزوجل انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا، مقدس نے یہ سوچتے ہوئے اپنے دل کو تسلی دی کہ اللہ جو کرتا ہے انسان کی بہتری کے لیے ہی کرتا ہے اور اس نے بھی سب کچھ تقدیر پر چھوڑ دیا، جب انسان سب کچھ اللہ پر چھوڑ دے تو اللہ بھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا ہے بے شک!

☆......☆......☆

"مقدس کیا ہوا... کچھ سوچ رہی ہو کیا؟" انا نے کافی دیر سے خاموش بیٹھی مقدس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔ کالج سے انا مقدس کے پاس رکی ہوئی تھی، وہ اپنی دوست کی حرکات سے واقف تھی، جانتی تھی کہ مقدس کو کسی کی ضرورت ہے اسی خیال سے انا اس کے پاس رک گئی تھی۔

"انا! میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب اسے نہیں سوچوں گی، جو میرے نصیب میں نہیں، لیکن کیا کروں میں چاہتے ہوئے بھی اس کو نہیں بھول پا رہی ہوں، جب ہم ملے تھے تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تھوڑا سا ساتھ گزرنے والا وقت میرے لیے زندگی بھر کا درد بن جائے گا، میں اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی، اس کے بغیر میری زندگی کچھ نہیں رہے گی، کاش! میری زندگی میں ایک معجزہ ہو جائے، میں آنکھیں بند کر کے کھولوں تو میرا شاہ میرے سامنے آ جائے تو میں اسے بتاؤں کہ میں نے ہر پل اسے یاد کیا ہے، ہر لمحہ اسے ہی سوچا ہے، ہر جگہ، ہر موڑ پر اس کی کمی محسوس کی ہے، میں نے اپنے دل میں صرف اسے بسایا ہے کہ اس کے سوا یہ جگہ اب کسی اور کو دینا میرے لیے موت کے برابر ہے۔" مقدس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں کہ جیسے اسے یقین ہو کہ اگر وہ ایسا کرے گی تو واقعی وہ سامنے کھڑا ہوگا۔

"کاش انا! وہ کہیں سے آ جائے، ایک بار ہی سہی، آخری بار ہی، میں اسے جی بھر کے دیکھ تو لوں کہ اب تو ایک عمر اس کے بغیر گزارنی ہے، کوئی تو سہارا ہو میرے پاس۔" مقدس انا کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی اور انا کو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا، وہ اپنی دوست کو اس حال میں دیکھ کر خود بھی رو پڑی تھی، اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ آج اسے سب کچھ بتا دیتی، لیکن اپنے کیے ہوئے وعدے کی وجہ سے مجبور تھی، اپنے وعدے کی وجہ سے آج اسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اگر وہ وعدہ نہ کرتی تو اس کی دوست اس دکھ میں نہ ہوتی۔

☆......☆......☆

مقدس باتھ روم سے واپس آئی تو ہاتھوں اور پیروں پر لگی مہندی دھل چکی تھی۔ انا نے دیکھا تو ملامت کرنے لگی۔

"مہندی ابھی کیوں دھولی پاگل؟ صبح دھوتی تو رنگ نکھر جاتا۔"

"رنگ تو اب بھی نکھرا ہوا ہے۔" مقدس نے اپنے دونوں ہاتھ انا کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ مقدس نے اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا تو مسکرا کر جواب دیا۔ واقعی ہاتھوں میں مہندی کا رنگ بہت گہرا آیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے شایان بھائی تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آخر آل کران کے کہنے پر ہی یہ رشتہ آیا تھا۔" انا مقدس کے ہاتھوں کو تھام کر دیکھتے ہوئے ہنس کر اسے چھیڑنے لگی۔

☆......☆......☆

نکاح کے بعد مقدس کو شایان کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا۔ سب نے دونوں کی جوڑی کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھا اور دونوں کے لیے دعا کی۔ جہاں مقدس میرون کلر کے شرارے جس پر وائٹ نگ اور ستاروں کا کام کیا ہوا تھا اور میک اپ کیے ہوئے تمام زیورات پہنے آج وہ کسی اور ہی دنیا کی لگ رہی تھی، تو دوسری طرف شایان بھی وائٹ شیروانی میں بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الگ ہی چمک تھی گویا آج اس نے دنیا فتح کر لی ہو۔ تمام رسومات کے بعد رخصتی کا وقت ہوا تو مقدس اتنا روئی کہ سب کو ہی رلا دیا۔ آخر کار سب کی دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہو گئی۔

☆......☆......☆

اس کا کمرہ وائٹ کلر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ وائٹ کلر کے فرنیچر اور صوفہ سیٹ بہت قرینے سے سیٹ کیے گئے تھے۔ وائٹ ہی پردے لگے ہوئے تھے۔ اس کی دیرینہ خواہش اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ بلکہ شہزادہ پہنے مکمل زیورات کے ساتھ وہ مکمل دلہن کے روپ میں جیسی ایک کلی کی مانند لگ رہی تھی جیسے وائٹ پھولوں کے درمیان ریڈ کلر کی کلی کو رکھ دیا ہو۔ وہ کمرے کی آرائش کو دیکھنے میں کھوئی اس کا دل آنے والے وقت کو سوچ کر ہی عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ایئر کنڈیشنر کے چلنے کے باوجود اس کو پسینہ آ رہا تھا۔ اچانک اس کو دروازہ کھول کر کسی کے اندر آنے کا پتہ چلا تو وہ اور بھی سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم مسز شاہ! آج تمہیں خاموش دیکھ کر واقعی حیرانی ہو رہی ہے۔ تم بچپن میں بھی جب بولنا شروع کرتی تھیں تو خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔ میں نے بھی تمہیں خاموش نہیں دیکھا... ہمیشہ تم سے کہا تھا ناں کہ جب میں تمہیں دیکھوں گا تو فوراً پہچان لوں گا اور دیکھو اس دن جب میں نے تمہیں مال میں دیکھا تو فوراً پہچان لیا تھا۔" شایان عرف شاہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مسکرا کر مقدس کو دیکھا جو بالکل ساکت بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے تو مت دیکھو یار ورنہ ان جھیل جیسی آنکھوں میں بہہ جاؤں گا۔" شاہ نے ہنستے ہوئے ہنس کر کہا۔

"ارے یہ کیا یار! میں تو ان آنکھوں میں بہنے کا بول رہا تھا لگتا ہے تم تو مجھے اپنے آنسوؤں میں بہانے کا ارادہ رکھتی ہو۔" شایان نے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"شاہ! آپ اگر سب جانتے تھے تو مجھے آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا! آپ جانتے ہیں یہ دن میں نے کتنی اذیت میں گزارے ہیں؟ پل پل مری ہوں میں۔ آپ کو ہمیشہ ہی مجھے رلا کر مزہ آتا ہے۔ ہمیشہ ایسا کرتے ہیں۔" مقدس نے روتے ہوئے شکوہ کناں نگاہوں سے شاہ کو دیکھا۔

"سوری مقدس! میرا ارادہ تمہیں رلانے کا نہیں تھا بس میں اور انا تو تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے یہ نہیں بتایا تھا۔ میں نے تم سے جو بچپن میں وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کے ارادے سے یہ سب کیا تھا، مجھے لگا تم خوش ہوگی۔" شاہ نے نادم لہجے میں مقدس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب انا کو بھی پتہ ہے؟" مقدس نے سوال کیا۔ شایان نے سکون کا سانس لیا کہ مقدس نے کچھ بولا تو ورنہ وہ اس کے رونے کی وجہ سے دکھی ہو رہا تھا۔

"ہاں! میں نے ہی اسے منع کیا تھا۔ اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تمہیں نہ بتائے، پلیز اس کو معاف... لو انا کی کال ہے بات کر لو!" تبھی سیل نے شایان کی توجہ اپنی طرف مبذول کی جو اچانک بجا تھا، نمبر دیکھ کر مقدس سے کہا۔

"کیسا لگا ہمارا سرپرائز؟ یقیناً تم شاکڈ میں ہوگی، اس وقت تو پلیز میری جان! شاکڈ سے نکل آیئے اور اپنی محبت کی کہانی جو آپ نے مجھے سنائی وہ شاہ بھائی کو سنا دیجیے!" انا نے چہکتے لہجے میں کہا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

"کیا کہا انا نے؟" شایان نے سوال کیا، بدلے میں مقدس نے خفا خفا سا شایان پر ڈال کر رخ موڑ لیا۔ جو اعلان تھا کہ وہ ابھی سے ناراض ہے۔

تیرے پیار کے سے بدلن پہ سجا
میرے نام کا جوڑا
[illegible]
آنکھوں میں کاجل کی دھار
نازک سے ہاتھوں میں چوڑیاں
ان پہ لگی مہندی
کانوں میں ہے جھمکے
خوشبو سے مہکا تیرا وجود
منتظر ہے میرے لمس کا
آ جا کے تجھے بخش دوں
اپنی محبت کی خوشبو
ختم کر دوں یہ بے رخی اے جان!
قریب آ جاؤ
کہ قریب آ جاؤ!

شایان نے اس کے ہاتھوں میں خوبصورت سے کنگن ڈال دیے۔ مقدس نے حیرانی سے دیکھا۔

"یہ آپ کے پاس کہاں سے آئے؟" مقدس نے سوال کیا۔ بدلے میں شایان نے پاکٹ وال سارا واقعہ سنا دیا۔

"اب تو ناراض نہیں ہو ناں؟" شایان نے سوال کیا۔

"میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں شاہ! آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔" مقدس نے شایان کے کندھے پر سکون سے سر رکھتے ہوئے جواب دیا اور آنکھیں بند کر لیں، جن کے پیچھے آنے والی خوشیوں کے ڈھیروں خواب سجے تھے۔

☆......☆......☆

اقراء سیف

افسانہ



"پکڑ ثمینہ! اسے اور خبردار اسے گھر سے باہر نکالا تو ... ہوتے ہوئے کہا۔
ٹانگیں توڑ دوں گا میں اس کی۔" افضل علی نے غصے سے ... "مگر بلو نے ایسا کیا کر دیا جو آپ اسے ..."

ثمینہ نے بلو کو اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ساتھ والوں کے بچوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہا تھا، باپ کے دشمنوں کے ساتھ دوستیاں بڑھا رہا ہے۔ بڑا وفادار خون ہے میرا۔" افضل علی نے بڑے طنزیہ انداز میں بتایا۔

"افضل! بلو بچہ ہے، تم پیار سے بھی تو بات کر سکتے ہو، کتنی بری طرح تم نے اسے مارا ہے۔" ثمینہ نے ملامت بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں کرتا پیار سے بات، اگر میری جیب میں کچھ ہوتا، اگر میری ساڑھی لگ جاتی اور چار پیسے مجھ غریب کی جیب میں بھی آ جاتے اور واپس آتے ہوئے مجھے سر سے تاڑ کشی کی فکر نہ ہوتی۔ میری پیاری یار، سب امیروں کے چونچلے ہیں، غریبوں کو تو پیٹ کے دوزخ کو بجھانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ ٹھیک کہا ہے کسی نے کہ امیر روٹی ہضم کرنے کو دوڑتا ہے اور غریب روٹی ڈھونڈنے کو۔" افضل علی نے آگ جیسے لہجے میں کہا۔ ثمینہ بس دیکھ کر رہ گئی۔

افضل علی اسکول کے باہر بچوں کے کھانے کی چیزوں





ریڑھی لگاتا تھا، گزارہ کھینچ تان کر ہی سہی مگر ہو جاتا تھا۔ جس دن افضل کی دیہاڑی نہ لگتی اس دن بلو، ساجی اور انجم کی شامت آ جاتی۔ کبھی کبھی تو ثمینہ بھی افضل علی کے عتاب کا نشانہ بن جاتی۔ مگر کچھ دنوں سے ساتھ والے مکان میں نئے کرایہ دار آئے تھے۔ مالک مکان شیخ صاحب کے گئے، اسی بھائی کی ان کی روزی روٹی بند ہو گئی [illegible] اور رحمان بھائی تھے، وہ بھی اسکول کے باہر ریڑھی لگاتے تھے، وہ بہت شریف اور سلجھے ہوئے انسان لگتے تھے، چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ رہتی اور عجیب طرح کی روشنی ان کے چہرے پر [illegible] جب وہ لوگ نئے آئے تھے تو ثمینہ اس کے گھر چاول بنا کر دے کر آئی تھی۔ آخر محلے داری کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، تب رحمان بھائی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار سوچا کہ افضل نے کبھی ہنس کر کیا مسکرا کر بات نہیں کی، ہر وقت بچوں پر غصہ کرتا رہتا، جبکہ رحمان بھائی بچوں کے ساتھ بہت محبت سے بات کرتے۔ ایک دن ماں نے بڑی عجیب بات کی۔

"اماں! رحمان بھائی بہت اچھے ہیں، پتا ہے وہ ابو کی طرح بالکل غصہ نہیں کرتے سب بچوں کو وہ ایسے پیار کرتے اور چاہتے ہیں، جیسے وہ ان ہی کے بچے ہوں، کاش! ابو بھی ایسے ہی ہوتے۔" رحمان بھائی کی تعریف چند دنوں میں بچوں کا کرنے لگا، لیکن بقول افضل کے وہ اس کا دشمن تھا کیونکہ رحمان بھائی بھی اسکول کے سامنے ریڑھی لگاتے اور بچے افضل کی ریڑھی کی طرف بھول کر بھی نہ آتے۔ نتیجہ افضل علی ہر وقت غصے میں رہنے لگا، نوبت دو وقت کی روٹی سے فاقوں تک آ گئی۔ افضل نے منع کر دیا کہ کوئی بھی ساتھ والوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھے گا اور آج بلو کو اسی وجہ سے مار پڑی تھی، کیونکہ وہ باہر رحمان بھائی کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ان کی دیوار سانجھی تھی مگر ثمینہ نے کبھی ان کے گھر سے کسی کی اونچی آواز نہ سنی تھی۔ اس کے اپنے گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کی آوازیں آتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

باہر فقیر صدا لگا رہا تھا، مگر ثمینہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"اماں! یہ روٹی باہر بابا جی کو دے آؤں؟" انجم نے پلیٹ میں پڑی آدھی روٹی کی طرف اشارہ کیا، جس پر ثمینہ نے ابھی سالن رکھا تھا۔

"بابا جی کا بڑا خیال ہے، اپنے پیٹ کی کوئی فکر نہیں ہے جس میں کل صبح سے کوئی نوالہ نہیں گیا۔" افضل علی نے تلخ لہجے میں کہا۔

انجم چپ چاپ اپنی پلیٹ پر جھک گئی [illegible] مگر فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے [illegible] بے خبری، اس کے ہمسائے ہوتے [illegible] وہ کچن کی طرف بڑھ گئی، ایک روٹی [illegible] کر باہر آ گئی، بابا جی باہر کھڑے ابھی تک صدا لگا رہے تھے، فاطمہ دروازے میں روٹی لے کر [illegible] سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور رب کا شکر ادا کیا۔

"یہ لیں بابا جی!" فاطمہ نے [illegible] بڑھائی۔

"جیتی رہو بیٹی! خدا تمہیں لاکھوں دے۔" فقیر بابا نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور رغبت سے کھانا کھانے لگے۔ فقیر بابا کھانا کھا کر دعا دیتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب مسجد سے واپس آ گئے، اور آتے ہی صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹ گئے۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" فاطمہ نے قریب آ کر پوچھا۔

"نہیں کھانا میں کھا کر آیا ہوں، آج مسجد میں ہی کھلایا تھا، بس چادر لا دو اندر سے۔" رحمان صاحب نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ فاطمہ اندر سے چادر لے آئی، بچے سو چکے تھے، ان کی چادریں درست کیں اور رحمان صاحب کی پاؤں کی طرف بیٹھ گئی۔

"رحمان! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" رحمان نے جب چہرے کی طرف سے اپنی آنکھوں پر رکھے ہوئے بازو ہٹا کر سوالیہ نظروں سے فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"افضل بھائی کے گھر میں کل سے فاقہ تھا، آج انہوں نے کھانا بنایا وہ بھی آدھی آدھی روٹی، ثمینہ سے بھی ایک دفعہ میں نے بہت پوچھ کر بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے [illegible] دوری ہی دکھائی، کل [illegible] بتا رہا تھا کہ بلو اس کے ساتھ کھیل رہا تھا، مگر افضل بھائی اسے مارتے ہوئے لے گئے یہ کہتے ہوئے کہ دشمنوں کے بچوں کے ساتھ کھیلے، تو تمہارا حشر کر دوں گا۔ کیا آپ کا کوئی جھگڑا ہوا ہے افضل بھائی کے ساتھ؟" فاطمہ جتنا جتنا سب بتا رہی تھی [illegible] آخری بات پر چونک گئے۔

"نہیں فاطمہ! میرا کوئی جھگڑا نہیں ہوا [illegible] میں نے بھی دو [illegible] ان سے سلام دعا کرنی چاہی [illegible] ہی دکھائی، ایک دن اس نے [illegible] کی روزی بند کرنے والا [illegible] سمجھا [illegible] اور یہ بات مجھے [illegible] مجھے بڑا افسوس بھی ہوا اور دکھ بھی کہ روزی [illegible] اور روزی دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، افضل بھائی نے کیسے سوچ لیا کہ [illegible] انسان کے بس میں ہے؟ اگر یہ سب انسان کے بس میں ہوتا [illegible] رازق تو صرف خدا ہی ہے جو ہماری لاکھوں [illegible] گناہوں کے باوجود ہمیں دیتا ہے، ہم جیسے ناشکرے [illegible] اگر ہم اپنی کوتاہیاں گننے لگیں تو شاید [illegible] اگر ہم خدا کی نعمتیں دیکھیں تو ان کے بھی [illegible] کو نظر انداز کر کے ہمیں [illegible] نعمتیں عطا کی ہیں۔" رحمان صاحب نے بہت نرمی کے ساتھ تمام ساری بات سمجھائی اور فاطمہ جو انہیں بہت توجہ کے ساتھ سن رہی تھی، بہت اہم نتیجے پر پہنچ کر مسکرا دی، دوسری طرف رحمان صاحب بھی گہری سوچ میں تواب نتیجے کے سرے ڈھونڈ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

خدا تو بندوں کے دلوں میں پنہاں راز جان لیتا ہے، ان کی نیتوں کو جانتا ہے، اسے اپنی مخلوق کے ارادوں کی بھی خبر ہوتی ہے، یہی ارادے اور نیت رحمان صاحب کو لگا کہ خدا ان کی بھی جان گیا ہے۔ آج افضل بہت خوش تھا، اس کی دیہاڑی بہت اچھی لگی تھی، جیب میں روپے تھے اور ان روپوں کی خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی، جب وہ لوگ گھر واپس آ رہے تھے تو مغرب کی اذانوں کا وقت ہو رہا تھا، راستے میں چلتے ہوئے بات کا آغاز رحمان صاحب نے ہی کیا۔

"آج تو دیہاڑی کافی اچھی لگ گئی ہے، شکر ہے اس ذات کا جو ہمیں دو وقت کی روٹی دے رہا ہے۔" افضل لفظ "شکر" میں الجھ کر رہ گیا تھا، کبھی آج تک اس کے منہ سے لفظ "شکر" جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی ہو، افضل کی بات اچکتے ہوئے رحمان نے فوراً کہا۔

"ہاں "شکر" تمہیں پتا ہے میں اپنے شکر کا اظہار کیسے کرتا ہوں؟" رحمان صاحب نے کسی چھوٹے بچے کی طرح پرجوش ہوتے ہوئے کہا۔

"کیسے کرتے ہو؟" فوراً جواب آیا۔

"ہر نماز کے ساتھ دو شکرانے کے نفل ادا کر کے، میرا ایمان ہے کہ خدا نے جتنا بھی عطا کیا کم یا زیادہ اس کی عطا پر شکر تو بنتا ہے، ویسے بھی وہ ہم جیسے ناشکروں اور گناہگاروں کو نوازے جا رہا ہے یہی کافی ہے۔" جب وہ دونوں مین بازار کراس کر کے گلی میں [illegible] تو [illegible] شروع ہو چکی تھیں، باقی کا سفر خاموشی کی نذر ہو گیا، جب وہ لوگ مسجد کے دروازے سے

ماشاءاللہ سے مولانا پکار رہا ہے" کس قسم؟" چھٹے (؟) ... فرض ۔

"چلو مسجد چلیں، ابھی رب کی بارگاہ سے بلاوا آ رہا ہے۔"

"مگر... !" افضل نے کچھ کہنا چاہا۔

"مگر کیا افضل! جب بھی رب کریم اپنے گھر بلاوا بھیجتا ہے، فلاح کی طرف بار بار بلاتا ہے تو کیا ہم اپنے اس خالق حقیقی کے بلاوے پر بھی نہیں جا سکتے؟" رحمان صاحب نے نہایت نرمی سے سمجھایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اتنا گنہگار اور گناہوں میں ڈوبا شخص، خدا مجھے کیوں بلائے گا اپنے گھر؟" افضل نے نہایت شرمندہ لہجے میں کہا۔

"یہی تو اس کی خاصیت ہے کہ وہ ہر خاص و عام کو اپنے گھر آنے کا بلاوا دیتا ہے۔ وہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ہماری ایک توبہ پر وہ ہمیں معاف کر دیتا ہے۔ بہت رحیم ہے وہ ذات جو نیکی پر دس نیکیاں اور بدی پر صرف ایک بدی کی جزا اور سزا کا ہمیں حقدار ٹھہراتی ہے۔ اگر اس ذات کے سامنے رو کر گڑگڑا کر معافی مانگی جائے تو وہ رب ذوالجلال اپنے بندوں کو ضرور معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو نیتوں کے بھید جانتا ہے اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

رحمان صاحب نے تو بار بار سمجھا کر چوٹ کی۔

مسجد کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے افضل کا دل کسی انوکھی لے پر دھڑک رہا تھا۔ نماز ادا کر کے اس نے خدا کی بارگاہ میں رو رو کر اپنی کوتاہیوں، غفلت اور ناشکری کی معافی مانگی تھی۔ بہت سارا رو لینے کے بعد اس کے پرسکون قدم گھر کی طرف گامزن تھے۔ ان کے دل میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

☆......☆......☆

افضل گلی میں داخل ہوا تو بلو اور مانی ہارون کے ساتھ کھیلتے ہوئے باپ کو دیکھ کر دوڑ کر گھر کی طرف بھاگ گئے۔ افضل کے دل میں ایک دفعہ پھر شرمندگی ابھری کہ اس نے چھوڑ جیسے بچوں کے دلوں میں نفرت کے کانٹے اگانے چاہے تھے۔

گھر آئے تو بلو اور مانی ڈرے سہمے باپ کو دیکھ کر نظریں چرا گئے اور دل میں چور کا آنا تھا۔ ابا کی مار اگر شروع ہو جائے گی مگر جب کچھ وقت گزرنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو وہ بے یقینی سے ہو کر صحن میں بچھی چارپائی پر ٹک گئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ابا کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

"شمیم! میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔" افضل علی نے پرسوچ انداز میں شمیم کو مخاطب کیا۔ شمیم چونک گئی۔

"کیوں نہ ہم بلو اور مانی کو ہارون کے ساتھ مدرسے بھیجا کریں۔ [illegible] دینی تعلیم حاصل کر کے اپنی آخرت تو سنوار ہی سکتے ہیں۔ آخر خدا کو بھی جواب دینا ہے کہ ان کی زندگی کو ہم نے کیسے گزارا۔"

"کیا! ہارون کے ساتھ؟" مانی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں جی! ہارون کے ساتھ۔ اگر سارا دن اس کے ساتھ گلی میں کھیل سکتے ہو تو مدرسے کیوں نہیں جا سکتے؟" افضل علی نے الٹا سوال کیا۔ وہ دونوں لاجواب ہو گئے اور باپ کے گلے لگ گئے۔

جب بندہ اس ذات باری تعالیٰ پر توکل کرنا سیکھ جاتا ہے تو وہ شکوے شکایتوں جیسے سوالوں سے بہت آگے نکل آتا ہے۔ وہ تھوڑی مگر حق حلال کی روزی میں پرسکون سا لگتا ہے۔ گھر میں خوشحالی آ جاتی ہے۔ بندہ خدا کی پکار پر اس کے گھر میں پانچ وقت حاضری دینے لگتا ہے اور اسی کے بدلے؟ صبر و شکر کرتے ہوئے اسے توکل کہتے ہیں۔

☆......☆......☆

نائلہ طارق

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 29

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

ہارون پہلے آگے بڑھ کر ان سے ملا تھا مگر ہشام قزلباش تو ان کے قدموں میں جھک گئے تھے۔ اس انسان نے ان کی پوری کائنات کو سنبھالا تھا۔ ان کی زندگی کو ان کی متاع کو اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا۔ وہ کیا محسوس کر



پہنچے یہ لفظوں میں وہ بیان نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ احساسِ تشکر اور اس جسم بھائی کے بوجھ سے وہ احمد حسین کے قدموں میں جھکتے چلے گئے تھے مگر احمد حسین نے سرعت سے ان کو روک کر گلے سے لگا لیا تھا۔ ہشام قزلباش نے اپنے آنسو نہیں چھپائے تھے، کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ یہ جنون عمر کی اذیت کے تھے، آزمائش کی کامیابی کے تھے، شکر کے تھے اور خوشی کے بھی۔ احمد حسین ان کو تسلی دے رہے تھے، آزمائشوں کے ختم ہونے کی نوید سنا رہے تھے، دوسری جانب عارش، فاطمہ کو ساتھ لے کر ہارون ان خدشہ میں گھر کے اندر گیا تھا۔

"ماں! ان کی طبیعت بہت خراب ہے، ان کو آپ کی آمد کا نہیں پتہ، آپ ان کو ذہن کی طرف سے بھرپور تسلی دیجئے گا"۔ ہارون کے جانے کے بعد عارش نے فاطمہ کو مخاطب کیا تھا۔ ہارون کا سہارا لیے کمرے سے باہر آتیں صبیحہ کو دیکھ کر ہی عارش کو جھٹکا لگا تھا، وہ اتنی بیمار اور کمزور نظر آ رہی تھیں کہ عارش کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے قدموں پر کیسے چل رہی ہیں۔ دوسری جانب صبیحہ کی آنکھیں فاطمہ پر ساکت ہوئی تھیں، سفید چادر کے



اٹھائے میں اس مقدس چادرے کو پہچاننے میں ان کو دیر نہیں لگی تھی۔ جبکہ فاطمہ خود ہی ان تک پہنچ گئی تھیں۔ جو بے یقینی کی طرح لرز رہی تھیں۔ فاطمہ کے گلے لگتے ہی ان کی کراہیں بلند ہو گئی تھیں۔ فاطمہ کے لیے مشکل ہو گیا تھا ان کو سنبھالنا۔

"میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے اس سے ملا دیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ ہے۔ اس سے کہیں مجھے معاف کر دے۔" زار و قطار روتے ہوئے وہ التجا کر رہی تھیں۔

"اسے آپ کے پاس ہی آنا ہے وہ آپ سے دور نہیں ہے، میرا یقین کریں، اب آپ کو کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے، میں اس سے کہوں گی، بہت جلد وہ آپ کے پاس آجائے گی۔" مستقل ان کو دلاسے تسلیاں دیتے ہوئے فاطمہ نے ان کو صوفے پر بٹھایا تھا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔ احمد حسین اور ہشام قزلباش بھی واپس آگئے تھے۔ عارش سے پانی کا گلاس لے کر فاطمہ نے اپنے ہاتھوں سے ان کو پانی پلایا تھا وہ بے حد نڈھال ہو رہی تھیں گو کہ فاطمہ نے ان کو اپنے ساتھ لگائے رکھا تھا۔ فاطمہ ان کے درد کو بہت شدت سے محسوس کر رہی تھیں۔ ان کی حالت کے پیش نظر سب ہی خاموش تھے اور ان کے سنبھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ اسے سمجھا سکتے ہیں، میں اس کا مجرم ہوں، میں اس سے معافی مانگوں گا، آپ مجھے اس سے ملنے کی اجازت دے دیں، ہم اس کے لیے ہی تو اب تک زندہ ہیں۔" ہشام قزلباش کا لہجہ لرز رہا تھا۔

"ہشام صاحب! میں آپ کی تکلیف کو اور تڑپ کو سمجھ سکتا ہوں، اولاد کا درد کیا ہوتا ہے میں جانتا ہوں۔ خرمن بہت حساس ہے۔ آپ کو بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ اسے کن حالات سے گزرنا پڑا ہوگا، اس کے لیے فوری طور پر یہ سب قبول کرنا ابھی مشکل ہے، کچھ وقت لگے گا، آپ کو ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، آج آپ کی زندگی میں یہ معجزہ ہوا ہے، آپ سب مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ کی مصلحتوں کو انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔ میں بھی خوش ہوں آپ سب کے لیے بھی اور اپنی بچی کے لیے بھی۔"

احمد حسین گہرے سنجیدہ لہجے میں بولے تھے۔

"جلد یا بدیر اسے حقیقت کو قبول کرنا ہی ہے، میں اس سے کوئی بات کرنے سے پہلے آپ سے ملنا چاہتا تھا، میرا یقین اور مستحکم ہو گیا ہے کہ وہ ایک بہت اعلیٰ خاندان کا خون ہے، وہ آپ کی بچی ہے اس کے لیے تو آپ کو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، بس تھوڑا وقت دیں اسے۔"

"میرے لیے اب چند لمحوں کا انتظار بھی عذاب ہے، مگر مجھے آپ پر بھروسہ ہے، آپ میرے سا انتظار کو طویل نہیں ہونے دیں گے۔" ہشام قزلباش نے بمشکل بولتے ہوئے مضطرب نگاہوں سے صبیحہ کو دیکھا تھا جن کا چہرہ زرد تھا، آنکھوں میں درد اور بے بسی لیے وہ لمحوں میں بیمار ہو رہی تھیں۔

"آپ کو تھوڑا انتظار کرنا ہی ہوگا، اس کے لیے آپ نے بہت کچھ برداشت کیا ہے، اسے سنبھلنے کے لیے سب کچھ سمجھنے کے لیے آپ کو اسے کچھ وقت دینا ہوگا۔" اس سے پہلے کہ صبیحہ دوبارہ کچھ کہتیں ہارون نے اچانک ان سے کہا تھا۔

"مگر مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو مزید کسی انتظار کی یا صبر کی ضرورت ہے۔" عارش کے سنجیدہ لہجے پر ہارون نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ بس پہلے اپنی طبیعت کو ٹھیک کریں، جس دن آپ مکمل صحت یاب ہو جائیں گی، میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں آپ کی بچی کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔"

"عارش ٹھیک کہہ رہا ہے، خرمن آپ کو اس طرح دیکھے گی تو بہت پریشان ہو جائے گی۔" فاطمہ نے

بیٹے ان کو مزید یقین دلایا تھا تب ہی عارش کی نظر اسٹیئرز پر رکے ایبک تک گئی تھی۔

"ایبک! جلدی آؤ، وہاں کیوں رکے ہو؟" عارش کی آواز پر وہ جھجکتے ہوئے قریب آیا تھا۔

"کیسے ہو تم؟ مسکراہٹ کہاں گئی تمہاری؟" اسے گلے لگاتے ہوئے عارش نے اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔

"عارش! اس کا چہرہ تو بالکل خرمن کی طرح نظر آتا ہے۔" احمد حسین نے حیران نظروں سے ایبک کو دیکھا تھا۔

"جی ہاں، اسی مشابہت نے ہی تو ہم سب کو یہاں تک پہنچایا ہے۔" عارش نے مسکراتی نظروں سے ایبک کو دیکھا تھا۔

"پھر تو ہم سب کو ایبک کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے۔" احمد حسین کے توصیفی لہجے پر ہشام قزلباش نے محبت پاش نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"ماشاءاللہ آپ کے دونوں بیٹے بہت اچھے ہیں۔" فاطمہ کی تعریف پر صبیحہ مسکرا بھی نہیں سکی تھیں۔

"ماں! آپ ان کی بیٹی کے بارے میں کیا کہیں گی؟" عارش نے بے ساختہ ہی کہا تھا۔

"بھئی تم اپنی بیوی کی تعریف سننا چاہ رہے ہو تو ویسے ہی کہہ دو۔" احمد حسین کے سنجیدہ لہجے پر بری طرح جھینپتے ہوئے اس نے ہارون کو دیکھا تھا جو اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

"ہارون بیٹا! میں تمہیں اپنے بڑے بھائی صاحب کا پیغام دینا تو بھول ہی گیا۔" احمد حسین نے اچانک ہارون کو مخاطب کیا تھا۔

"انہوں نے تمہارے لیے بہت دعائیں بھیجی ہیں اور یہ درخواست کی ہے کہ تم اپنا کوئی پروگرام مس نہ کیا کرو، ویسے بھی آج کل ٹینشن اور اپنی صحت کی وجہ سے وہ اپنے بستر تک محدود ہو گئے ہیں، ریڈیو تو وہ پہلے ہی شوق سے سنتے ہیں اور خاص طور پر تمہیں سننا ان کو بہت اچھا لگتا ہے۔"

"آپ میری طرف سے ان کا بہت شکریہ ادا کیجیے گا، میں ضرور ان کی ہدایت پر عمل کروں گا۔" ہارون نے کہا تھا۔ "کیا وہ خرمن کو بھی ریڈیو پر سنتے ہیں؟"

"ہاں بالکل بلکہ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے فون پر خرمن کو ایک ٹاپک بتایا تھا جس پر خرمن نے پروگرام رکھا تھا اور اس ٹاپک کو لوگوں نے بہت پسند بھی کیا تھا۔" احمد حسین بتا رہے تھے اسی دوران ملازمہ نے چائے تیار ہونے کی اطلاع دی تھی۔ بہت عزت و احترام کے ساتھ ہشام قزلباش، احمد حسین اور فاطمہ کو ڈائننگ ٹیبل تک لے گئے تھے۔ چائے پر بہت پرتکلف اہتمام تھا، ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان ماحول بھی کچھ خوشگوار ہو گیا تھا۔ صبیحہ اپنی بیٹی کی تربیت کرنے والوں کی بہت خوشدلی سے خاطر داری میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دنیا کی ہر نعمت ان کے سامنے پیش کر دیں، کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق تھے۔ اس گھر میں کوئی چیز ان کے شایان شان نہیں تھی۔

☆—☆

سفید دوپٹے میں مقید اس کا چہرہ دکھ کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ سپاٹ نظروں سے وہ بس ان کو دیکھ رہی تھی جو بول رہے تھے۔

"اب جبکہ تم سے کچھ چھپا نہیں ہے تو تمہیں سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، سب کچھ جاننے کے بعد بھی اب اللہ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے یقین ہے تم تسلیم کر چکی ہو گی کہ ان کی اذیتوں کو، ان کی تکلیفوں کو ... جو تمہارے لیے سالوں سے تڑپ رہے ہیں۔"

"فرزین! کچھ تو بولو تمہارے بابا تم سے بات کر رہے ہیں۔" اس کی غیر معمولی خاموشی پر فاطمہ کو کچھ ہوا۔

"بابا! آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا، میں نے اسے سنا، یقین کیا، اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے کوئی نہ کیجیے۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ جو رشتہ میرا آپ سے اور امی سے ہے، جو مقام میرے دل میں آپ دونوں کا ہے، وہ میں کسی اور کو نہیں دے سکتی، وہ رشتہ میرا کسی اور انسان سے نہیں بن سکتا۔ میں ان سب کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے سکتی، جن کی وجہ سے میں اپنی زندگی پر شرمندہ ہوتی رہی، اپنی نفرت میں جلاتی رہی، خود کو کمتر سمجھتی رہی، آپ اور امی نے مجھے اپنی پوری زندگی دان کر دینے کے باوجود میری محرومی کو ختم نہ کر سکے، اس بچی کی شرمندگی کا بوجھ اٹھانے میں ساتھ نبھاتی رہی تھی، آج جب میں نے ہر چیز سے سمجھوتہ کر لیا، آپ کی اور امی کی وجہ سے میں نے اپنا نام اور مقام پا لیا، تو پھر مجھے واپس وہیں پہنچانے کی بات کی جا رہی ہے، جہاں سے میں نے سفر شروع کیا تھا، مگر میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے ان سب کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے سرد سپاٹ لہجے نے فاطمہ کو دنگ کر دیا تھا۔

"فرزین! ہم سے تمہارا رشتہ کسی آسمانی صحیفے کی طرح مقدس ہے، تمہاری زندگی میں ہماری جگہ کوئی نہیں لے سکتا، مگر اب اس زمین پر اللہ نے تمہارے لیے جو حقیقی رشتے رکھے ہیں، ان کی اہمیت اور حقیقت سے تم انکار نہیں کر سکتیں، تم ان رشتوں کو ٹھکرا کر اللہ کو ناراض کرنے کا گناہ مت کرنا۔ بیٹا! ان لوگوں کی ضرورت نہیں ہے، یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ تمہیں کہاں کس کی ضرورت ہے۔" احمد حسین نے نرمی اور سنجیدہ لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔ "وہ تمہارے ماں باپ ہیں، ان سے جدا نہیں جا سکتا، تمہیں ان کو وہ عزت اور مرتبہ دینا ہو گا جو ایک اولاد کا فرض ہوتا ہے، وہ دونوں اپنی زندگی تمہارے لیے روتے سسکتے گزار رہے ہیں، اللہ سے سجدوں میں وہ تمہیں مانگتے رہے ہیں اور تم سے جدا رہے، یہ اللہ کی رضا تھی اور آج بھی تم پر حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ تمہیں دنیا میں لانے کا ذریعہ بنے تھے۔" "اور غلاظت میں پھینکنے کا بھی؟" اس کے جملے پہ احمد حسین فوری طور پر کچھ بول نہیں سکے تھے۔

"ایسا مت کہو فرزین! سب کچھ جاننے کے بعد بھی تم کس طرح ان کو ٹھکرا سکتی ہو، تمہارے بابا ان کو یقین دلا چکے ہیں کہ تم کھلے دل سے ان سب کو قبول کرو گی، انکار کر کے تم ہمیں ان کے سامنے شرمندہ کرنا چاہتی ہو، سب کو یہ سوچنے پر مجبور کرنا چاہتی ہو کہ ہم نے یہ پرورش کی ہے تمہاری؟" فاطمہ نے نرم لہجے سے اسے راہ دکھانا چاہا تھا۔

"آپ دونوں مجھ سے میری زندگی مانگ لیں مگر ان لوگوں کے لیے مجھے مجبور نہ کریں، جو اس قابل بھی نہیں کہ میں ان کی طرف دیکھوں، کس چیز کی کمی رہی ہے ان کے پاس، سب کچھ ہے ان کے لیے ان کے بیٹے ہیں، جو ان کی نسل آگے بڑھائیں گے، مجھ سے کیا مل سکتا ہے ان کو، اور ملے بھی کیوں؟ کیا صرف اس لیے کہ پیدا کر کے پھینک دیا؟ میری مرضی سے انہوں نے مجھے پیدا نہیں کیا تھا، کوئی احسان نہیں، پیدا تو جانور بھی کرتے ہیں۔"

"فرزین! سوچ سمجھ کر زبان سے بات نکالو۔" احمد حسین کا لہجہ سخت ناگوار تھا۔ "اگر تمہیں لگتا ہے کہ ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تو کمی بظاہر تمہارے پاس بھی نہیں تھی، بتاؤ مجھے، ایسی کون سی چیز ہے دنیا کی، جو تم نے مانگی اور وہ تمہیں نہ ملی ہو؟ ظاہری چکا چوند کی بات مت کرو، محرومی اور احساس تبھی جب زندگی کا حصہ بن جائیں تو چہرے پہ سجا کر نہیں، دل میں چھپا کر رکھا جاتا ہے، میں تم سے زیادہ تمہارے دل میں چھپے درد کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری اولاد ہو، میرا سایہ ہو، ایک بار تم اولاد کی نظر سے ان تڑپتے انسانوں کے دل میں جھانک کر دیکھو،

جنہیں ان آنکھوں کا وہ سمندر نظر آئے گا، جس نے سالوں سے وہ آنسو بھی کم ہو جاتے، جن کو تم نے ان دونوں کو یاد کر کے بہائے ہوں گے، اپنے ذہن میں ان کے چہرے تراشتے ہوئے نہ جانے ہوں گے، تم سے زیادہ بہتر ان جان سکتا ہے کہ کس طرح وہ دونوں کو سینوں میں چھپائے زندہ ہیں، تم میری فرمانبردار بیٹی ہو، مجھے یقین ہے تم میرے لیے اپنے ظرف کو وسیع کر کے مجھے سرخرو کرو گی، اب محض اللہ کی رضا جان کر ان کے دل کو ٹھنڈا کر دو، اپنی محبت سے ان کی تڑپ کو، ان کی اذیت کو ختم کر دو۔" لب بھینچے وہ سپاٹ نظروں سے ہی ان کو دیکھ رہی تھی جو بولتے جا رہے تھے۔ "تم یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے دل میں کبھی اپنی جڑوں تک پہنچنے کی تڑپ تھی، تمہاری خواہش پر میں نے اللہ کے مقدس گھر میں ہاتھ پھیلا کر تمہارے لیے وہ سب مانگا تھا اور سب جس سے اللہ نے تمہیں نواز دیا ہے، کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا، جو مانگا ہے اسے لوٹانے کا سوچ کر بھی تم گناہ کی مرتکب ہو سکتی ہو، اللہ کے حضور سر جھکایا جاتا ہے، وہ جو عطا کرے اس پر شکر ادا کیا جاتا ہے، اللہ نے تم پر رحم کیا ہے، تم اپنے ماں باپ کے لیے دل میں رحم رکھو، مجھے تم پر یقین ہے کہ تم میرے بھروسے کو نہیں توڑو گی۔" پریشان ہو کر احمد حسین چند لمحوں کے لیے منتظر رہے تھے مگر وہ بالکل خاموش تھی، اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر وہ سامنے سے ہٹ گئے۔

"کل ان کو بلا لیں مگر ان کی بیوی ان کے ساتھ نہیں آئیں گی، مجھے صرف ان سے بات کرنی ہے۔" اس کے سرد لہجے پہ احمد حسین دنگ رہ گئے تھے۔

"تم کیا بات کرو گی ان سے؟" اس کے تیوروں نے فاطمہ کو تشویش زدہ کر دیا تھا۔

"کل پتا معلوم ہو جائے گا۔" کسی کی بھی جانب دیکھے بغیر بول کر وہ اٹھی تھی اور کمرے سے نکل گئی تھی، جبکہ احمد حسین اور فاطمہ کے درمیان بس خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

☆......☆

بلور منیزہ نے دل کے دھڑکتے میں قید چہرے کو دیکھا تھا، کوئی تاثر تھا اس کے چہرے پر کہ تبریزہ کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اسے مخاطب کرے، بس اس کی خاموشی سے وہ اس کے ہمراہ ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی، جس وقت وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی وہاں خاموشی چھا گئی تھی، ہشام قزلباش بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"میری مرضی کے بغیر آپ میرے قریب نہیں آئیے۔" اس کے سرد لہجے پر ہشام قزلباش کے بڑھتے قدم جہاں تھے وہیں ساکت رہ گئے تھے۔

"فرزین!" احمد حسین بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔ "تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ تم اس وقت اپنے باپ سے مخاطب ہو۔"

"مجھے صرف یاد ہے کہ گندگی کے ڈھیر کی بدبو ہے، جس کے قریب سے گزرتے ہوئے ناک پر کپڑا رکھ لیا جاتا ہے۔" کاٹ دار لہجے میں کہتی وہ ہشام قزلباش کی ساکت نظروں میں ہی دیکھ رہی تھی۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا باپ تسلیم کر لوں تو اس سے پہلے آپ کو میری شرط ماننا ہو گی۔" اس کے قطعی لہجے پر عارفین کو اپنی سماعتوں پر بھی شبہ ہوا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" فاطمہ نے اسے ٹوکا تھا۔

"اسے کہنے دیں، میں اس کی شرط سننا چاہتا ہوں۔" اس کے بگڑے تاثرات دیکھتے ہوئے ہشام قزلباش نے کہا تھا۔

"آپ کو بارون سے ہر تعلق ختم کرنا ہوگا"۔ سرد لہجے میں اس نے جیسے دھماکہ کیا تھا اور انگشت بدنداں موجود سارے نفوس ششدر رہ گئے تھے مگر وہ پرسکون تھی۔ "جس طرح آج آپ مجھ سے بے خبر اور انجان بنے ہیں، آپ کو اپنے بیٹے سے بے خبر اور انجان ہونا پڑے گا۔ اسے اپنے وجود سے کاٹ کر آپ کو پھینکنا ہوگا، جس طرح مجھے بے یار و مددگار پھینک دیا گیا تھا۔ منظور ہے آپ کو میری یہ شرط؟ میرے لیے مانگتے ہیں اپنے بیٹے کو [illegible]" اس کے جلتے لہجے نے ہشام قزلباش کا چہرہ زرد کر دیا تھا۔

"خزمن! ایک باپ کس طرح اولاد کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے، جو تم ان کو کسی کڑی آزمائش میں ڈال رہی ہو، یہ ناممکن ہے، میں تم سے یہ امید بالکل نہیں رکھتا کہ تم ان کے لیے کسی اذیت کا سبب بنو، تم نے جو کہا ہے اس کے لیے تم ابھی ان سے معافی مانگو۔" احمد حسین شدید ناراضی سے بولے تھے۔

"جو میں چاہتی ہوں وہ ناممکن نہیں ہے۔ اگر مجھے مردہ سمجھ کر ان کا خاندان آباد رہ سکتا ہے تو اس شخص کو بھی مار کر آباد رہ سکتا ہے، یا پھر اس کے ساتھ تعلق ختم نہیں کر سکتے تو کس طرح یہ ان کی اولاد ہے؟ میرے لیے مر کر گئے؟ اس لیے کہ وہ ان کا بیٹا ہے، اس خاندان کے خاندان کا نام ہے؟ مجھے جیتے جی [illegible] کے لیے دنیا میں لایا گیا تھا؟ بیٹیاں سنبھالی نہیں جاتیں تو ان کو پیدا ہی کیوں ہونے دیا جاتا ہے۔" [illegible] کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولی تھی، جبکہ ہشام قزلباش کے چہرے پر پھیلی اذیت نے احمد حسین کو [illegible] شروع کر دیا تھا۔

"خزمن! وہ ایک سانحہ تھا، ایک معصوم بچے سے سرزد ہونے والی ایک غلطی تھی، یہ سب کر کے تم اللہ کو ناراض مت کرو۔ ماں باپ جیسی ہستیوں سے حساب نہیں مانگے جاتے، ان پر زندگی تنگ نہیں کی جاتی۔" فاطمہ نے شرمندگی و تاسف سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"اس معصومیت نے میری زندگی کو درہم برہم کر دیا تھا، میرے وجود کو دنیا کی نظروں میں تماشا بنا دیا تھا، وہ غلطی نہیں جرم تھا، جس کی پاداش میں مجھے رسوا ہونا پڑا تھا، وہ شخص میرا مجرم ہے، میرے نقصان کا حساب کتاب اس شخص کی دربدری سے جڑے ہیں۔ اسے بھی جلنا چاہیے کہ باپ کے نام کے بغیر، حسب نسب کے بغیر زندگی کیسی ہوتی ہے۔" سلگتے چہرے کے ساتھ وہ چیخ رہی تھی، احمد حسین خاموشی سے بس اسے دیکھ رہے تھے [illegible] جیسے سانپ سونگھ گیا تھا اور عارش بری طرح مضطرب تھا، اس وقت احمد حسین کی خاموشی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"اگر آپ کو اور آپ کی بیوی کو میری شرط منظور ہے تو مجھے آپ سے اپنے رشتے قبول کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔" بھرائے لہجے میں ہی وہ ہشام قزلباش سے مخاطب تھی، جو بمشکل اپنے قدموں کو گھسیٹتے اس کے قریب آئے تھے اور کانپتے ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھر لیا تھا، جبکہ وہ بس سپاٹ نگاہوں سے ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھ رہی تھی۔ شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، چند لمحوں تک وہ اس کے چہرے کے نقوش پیاسی نظروں میں اتارتے رہے تھے اور پھر جھک کر اس کی پیشانی کو چوم لیا تھا۔

"اپنے اس بدنصیب باپ کو معاف کر دینا جو تمہیں کبھی کچھ نہیں دے سکا۔" لرزتے لہجے میں وہ بمشکل بول سکے تھے اور اگلے ہی پل اس کے سر سے ہاتھ ہٹاتے تیز قدموں سے ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے۔ بظاہر اس کے چہرے کے تاثرات بس کچھ پل کے لیے بدلے تھے مگر پھر دوبارہ اس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری ہو گیا تھا اور ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالنے کے بعد اس نے احمد حسین کو دیکھا تھا۔

"ہو گیا فیصلہ۔" روحی بے ساختہ تاسف سے بولی تھی۔

"فاطمہ! تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا، میں ایک منٹ کے لیے بھی اس گھر میں رکنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" احمد حسین کے گرجتے لہجے نے فاطمہ کو دہلا دیا تھا۔

"ماموں جان! میں آپ کو یہاں سے نہیں جانے دوں گا، یہ آپ کا گھر ہے۔" عارش کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"مجھے مت روکو عارش! میرا گھر وہ ہے جہاں میں جا رہا ہوں، جہاں میری بات کی اہمیت ہوتی تھی، جہاں میرے فیصلوں پر سر جھکایا جاتا تھا، جہاں میری اولاد نے ہمیشہ میری فرمانبرداری کی، ہمیشہ میرے حکم کی تعمیل کی، میری زبان کی لاج رکھی، مجھے کبھی کسی کے سامنے شرمندہ ہونے پر مجبور نہیں کیا گیا، جس طرح آج کیا گیا ہے، اس گھر میں میری وقعت ہے نہ میری کسی بات کی، یہاں مجھے کسی ناکارہ شے کی طرح دیوار سے لگایا گیا ہے، ایک شخص کے سامنے مجھے بے عزت کیا گیا ہے جو میرے بھروسے پر امید ہی لے کر یہاں تک آیا تھا، میری زبان پر اس نے اعتبار کیا تھا، مگر میری کیا حیثیت ہے اس گھر میں، وہ شخص بھی یہاں سے جاتے ہوئے اچھی طرح اندازہ لگا چکا ہے، یہ گھر تمہاری بیوی کا ہے، جس نے آج سر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا ہے مجھے۔" احمد حسین کے فیصلے لہجے پر عارش کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"فاطمہ! فوراً باہر آؤ۔" فاطمہ سے مخاطب ہو کر وہ تیز قدموں سے باہر نکل گئے تھے۔ ان کے پیچھے ہی پریشان ہو کر جاتا عارش رکا تھا۔

"خزمن! ان کو روکو نا۔" عارش کے اضطرابی لہجے پر وہ بس سپاٹ نظروں سے فاطمہ کو دیکھ رہی تھی جن کو عارش نے روکا تھا۔

"نہیں مت روکو عارش! تمہارے ماموں اس وقت تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے، وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں، یہاں ان کی اہمیت ہی نہیں ہے، یہاں سب خود مختار ہو چکے ہیں۔" پرشکوہ نگاہ خزمن پر ڈال کر وہ رکی نہیں تھیں جبکہ ایک [illegible] عارش بھی اس پر ڈالتا فاطمہ کے پیچھے گیا تھا۔

"خزمن! ابھی بھی وقت ہے، جاؤ روک لو بابا جان کو۔" منیزہ نے التجائی لہجے میں کہا تھا۔

"اگر ان کے لیے مجھے چھوڑ کر جانا آسان ہے تو میں ان کے راستے میں نہیں آؤں گی۔" اس کے سرد لہجے پر منیزہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

☆ ☆ ☆

[illegible] نگاہیں اس پر بھی ڈالی جا رہی تھیں، جو چپ کی مہر لگائے جانے کس سوچ میں گم تھی، احمد حسین اور فاطمہ کو [illegible] عارش ہی لے گیا تھا اور یقیناً اس نے وہاں کافی کوشش کی تھی کہ احمد حسین اپنی ناراضی کو [illegible] واپس گھر چلنے کے لیے راضی ہو جائیں، لیکن اب بات صرف ناراضی کی نہیں تھی، خزمن کی طرف سے [illegible] برداشت تھے [illegible] اس سے کہیں زیادہ تھا کہ ہشام قزلباش نے ان کے بارے میں کیا سوچا ہوگا؟ [illegible] انہوں نے خزمن کی پرورش کس طرح کی ہے، اسے کیسی تربیت ملی ہے، خزمن کی ضد نے ان کو [illegible] اور زبان کی [illegible] نے ان کو شدید غم و غصے سے دوچار کر دیا تھا ورنہ وہ اس حد تک [illegible] نہ جاتے [illegible] خزمن کی طرف سے [illegible] دل پر جبر کر کے انہوں نے عارش

کرو ہی لوٹا یا تھا۔ جب وہ گھر واپس آیا تو کسی کے لیے مشکل نہیں تھا اس کے چہرے پہ ناگواری اور مایوسی کو پڑھنا
وہ بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ کسی سے کوئی بھی بات کیے بغیر وہ سیدھا کمرے کی سمت قدم بڑھانے چلا گیا تھا
حالانکہ بیلا کو اور منیزہ کو یہ خدشہ تھا کہ عارش ضرور اپنے غصے کا اظہار کرے گا یا کم از کم خرمن کو شرمندہ کرنے
احمد حسین کے پاس لے جانے پر زور دے گا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور یہ کوئی بہت زیادہ حیرت کی بات نہیں تھی۔
کال بیل کی آواز نے بیلا کو چونکایا تھا مگر خرمن کو تو جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دیا تھا یا پھر وہ سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔
عارش کے ہمراہ ہی لاؤنج میں آتے عثمان نے بغور اسے دیکھا تھا۔
"اب اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی قیامت نہیں آ گئی اور تمہارے لیے کون سا مشکل ہے احمد انکل کو راضی کرنا"۔ عثمان نے بکھرے بکھرے انداز میں کہا تھا۔ "چلو میرے ساتھ، ابھی انکل اور آنٹی کو ساتھ لے کر آتے ہیں"۔ عثمان نے عجلت میں اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"خرمن! تمہیں واقعی جانا چاہیے۔ شاید وہ بھی تمہارے منتظر ہوں، ان کو تم سے یہ امید تھی کہ کب ——"
"مجھے جناب کوئی امید لگے بھی نہیں۔" بیلا کی بات کاٹتی وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔
"یہ تو ہونا ہی تھا۔ بے شمار دن اپنے بچھڑے بھائیوں اور خاندان کے درمیان گزار کر آئے ہیں [illegible] تھا ان لوگوں کا تو کام ہی یہی ہے۔ مقصد ہی یہی تھا [illegible] عاصم کا کا خاندان کے بھائی کی زندگی سے [illegible] ان کو تو موقع مل گیا اپنے دل کا زہر میرے باپ کے کانوں میں انڈیلنے کا۔ آج تو سب نے دیکھ لیا کتنا اتفاق چکا ہے تینوں بھائیوں کے درمیان، کسی کے اندر ہمت تو ہے نہیں میرے بابا سے آ کر بات کرنے کی، بس پیٹھ پیچھے وہ کر اپنی اوقات دکھانے کے علاوہ وہ لوگ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے"
شدید اشتعال میں وہ بولی تھی اور وہ کہتے ہی پلٹ کر وہ کمرے کی سمت چلی گئی۔
"عارش! تم اس سے ابھی کوئی بات مت کرنا، وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہے"۔ بیلا نے تشویش سے کہا تھا۔
"بہت اچھی ہدایت دی ہے تم نے"۔ عثمان نے خشمگیں نظروں سے بیلا کو دیکھا تھا۔ "کسی کو تو اس سے بات کر کے یہ احساس دلانا ہو گا کہ اس نے کیا کیا ہے"۔
"وہ جانتی ہے اس نے کیا کیا ہے، مجھے یا کسی اور کو یہ احساس دلانے کی ضرورت نہیں ہے"
گہری سنجیدگی سے کہا تھا۔
آہٹ پر اس نے سر نہیں اٹھایا تھا البتہ اپنا چہرہ دوسری جانب ضرور پھیر لیا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ چند لمحوں تک اس کے متوجہ ہونے کا منتظر رہا تھا مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ مگر اس سے اپنے آنسو بھی نہیں چھپا سکی تھی۔
"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے خرمن! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو صحیح یا غلط سے لاتعلق ہو کر شاید یہی راستہ اختیار کرتا۔" مدھم لہجے میں بولتا وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جوابی آنکھیں خشک کرتی خود پر ضبط کر رہی تھی، چند لمحوں کے لیے وہ خاموش رہا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"میں بس تمہاری ایک بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ ماموں جان کا دل تمہارے لیے کبھی بدل بھی سکتا ہے۔ کسی انسان کی زبان سے نکلے لفظوں میں اتنا اثر نہیں ہے کہ وہ ان کو تمہارے خلاف کر دے۔ تم ایسا سوچ کر ان کی محبت اور نیت کی بے حرمتی کرو گی؟" اس کے متاسف لہجے پر وہ نظر نہیں اٹھا سکی تھی۔
"آخری فیصلہ تمہارا ہو گا، کوئی تم پر دباؤ نہیں ڈالے گا۔ ہر بات سوچ کر اور سمجھ کر کرنا ہے، اپنے آپ کو

اپنے دل سے پوچھو۔ ماما نے سوچ بچار ضرور کی ہو گی۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو تو یقیناً حالات تمہارے حق میں ہوں گے اور اگر تمہیں لگتا ہے کہ کہیں کوئی قدم تم نے غلط اٹھایا ہے تو مجھے یقین ہے کہ اس غلطی کے نتیجے میں سامنے آنے والے حالات کو تم بہتر کرنے کی کوشش کرو گی۔ چاہے اس کے لیے تمہیں اپنی انا کو بھی نظر انداز کرنا ہو۔ مجھے تم پر یقین ہے اور بھروسہ بھی۔" اس کے نرم لہجے پر وہ بس دھندلائی نظروں سے اسے تکتی رہی تھی۔

☆...☆

"اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرے میرا فیصلہ اس کے ہاتھوں ہونے دیں۔ میں اس کا مجرم ہوں، اس نے وہی کی سزا جھیلنا چاہتا ہوں، جو گناہ مجھ سے سرزد ہوا تھا اس کے لیے یہ سزا بہت کم ہے۔ آپ اس کی بات مان لیں، یہ میری آپ سے التجا ہے۔" نظر جھکائے وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتا سبیکہ کی گھٹی گھٹی سسکیوں میں اضافہ کر گیا تھا۔
"کم از کم تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا ہارون!"
ہشام قزلباش نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ "وہ ابھی بدگمان ہے، اشتعال میں ہے۔ تمہارا تو صرف بہانہ ہے ورنہ میں جانتا ہوں وہ مجھے قبول نہیں کرنا چاہتی، ہم میں سے کسی کو قبول نہیں کرنا چاہتی اور وہ غلط بھی نہیں ہے۔ وہ اگر تمہیں تڑپتا اور ترستا دیکھنا چاہتی ہے تو ہم مل کر اس کی سزا قبول کریں گے، جب تک وہ [illegible] دیکھنا کہ مر وہ بھی ہمارے لیے تڑپتی رہی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ اولاد کو خود سے کاٹ کر پھینک دینا کتنا تکلیف دہ ہے۔ قسمت نے ایک بار بہت کچھ چھین لیا تھا، اس وقت میں بے بس تھا، مگر آج میں کس طرح اپنے ہاتھوں سے اپنے وجود کے حصے کو کاٹ کر الگ کر سکتا ہوں، اس کے لیے سنا اور تمہارے لیے اس سزا کو جھیلنا اس لیے ممکن ہے کہ تمہاری نظروں نے ابھی اپنی اولاد کا چہرہ نہیں دیکھا ہے۔ اولاد آزمائش ہوتی ہے یہ قدیم سچ ہے، یہ آزمائش زندگی اور موت کے درمیان سفر کرتی ہے۔ اس آزمائش میں انسان دنیا میں دوزخ کی تپش اور جنت کی راحت کی جھلک بھی دیکھ لیتا ہے۔" ہشام قزلباش کے لہجے میں اذیت رچی بسی تھی۔
"اس نے پہلی بار آپ سے کچھ مانگا ہے پاپا! اس کی بات کو رد نہ کریں، مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ پر اس کا حق [illegible] ہے، اسے مایوس مت کریں ورنہ اسے دوبارہ کھو دیں گے آپ ہمیشہ کے لیے۔ [illegible] صرف یہ کرنے کے لیے مجھے یہاں سے دور جانے دیں۔" ہارون کا مضطرب لہجہ بلند ہوا تھا تب ہی سبیکہ چیخ اٹھی تھیں۔
"ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرے اندر اتنی سکت نہیں ہے کہ ایک بار پھر اپنی اولاد کی جدائی کو سہہ سکوں۔ میرے دوست سے بڑھ کر قدر نصیب نے تمہارے باپ کی زندگی اجاڑ دی تھی، ان سے الگ ہو کر تم ان سے زندگی بھی چھین لینا چاہتے ہو، یہاں سے چلے جانے سے پہلے تمہیں مجھے اور اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارنا ہوگا، پھر تم چلے جانا [illegible] ہماری زندگی۔" سپاٹ نظروں سے ہشام قزلباش ان کو دیکھ رہے تھے جو بیٹے ہارون کا گریبان جھنجھوڑتیں نڈھال ہو چکی تھیں، شدید بے بسی کے ساتھ ہارون نے ایک نظر باپ پر ڈالی تھی اور پھر روتی بلکتی سبیکہ کو سنبھالتے ہوئے اس نے ان کو صوفے پر بٹھایا تھا اور خود ان کے ہاتھ تھام کر گھٹنوں کے بل ان کے قدموں میں بیٹھا تھا۔
"[illegible] آپ نے اور پاپا نے جو اذیتیں برداشت کی ہیں، میں بس ان اذیتوں کو آپ سے دور کرنا [illegible] ختم کرنا چاہتا ہوں، جو اذیتیں بے مقصد کی وجہ سے کیسے یہ برداشت کر سکتا ہوں کہ ایک بار

پھر میری ذات آپ کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور خوشیاں جو طویل آزمائش اور صبر کے بعد آپ کو مل رہی ہیں، صرف مجھ سے کے لیے مجھے خود سے دور جانے کی اجازت دے دیں۔" میرا [illegible] کے ساتھ وہ گھٹے لہجے میں التجا کر رہا تھا۔ "نہیں۔۔۔۔ میری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پھر جیسے دل ہار گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔

"اگر اس کے لیے ہم ساتھ تڑپتے رہے تو اس کی سزا میں بھی جھیل لیں گے مگر تم ہم سے دور جانے کا کبھی مت سوچنا ورنہ میں مر جاؤں گی۔۔۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" زاروقطار روتی وہ بول رہی تھیں، پلکوں تک پیشانی میں دھواں دھواں ہوتی آنکھوں سے ان کے بہتے آنسوؤں کو دیکھتا رہا تھا اور پھر تھکے انداز میں سر ان کے گھٹنوں سے لگا دیا تھا۔

☆...☆

ٹیرس کی باؤنڈری پہ بازو ٹکائے وہ گم صم تاریکی میں خالی دل و دماغ کے ساتھ موجود تھا مگر ذہن اور وجود کٹہرے میں کھڑا ایک مجرم تھا، جو سر جھکائے بڑی شدت سے اپنی سزا کا انتظار کر رہا تھا، زندگی کا ایک بڑا حصہ جس نے اسی انتظار میں گزارا تھا، سزا کا تعین نہیں ہو پا رہا تھا، اس کا جرم اتنا بڑا تھا کہ کوئی سزا دینے سے قانون معذور ہو رہا تھا، اب تو اس کے گرد کٹہرے کی طرح لپٹی دیواریں بھی تنگ ہو چکی تھیں، جلتی آنکھوں سے اس نے سیاہ آسمان کو دیکھا تھا، گہری سانس لے کر اس نے اپنے وجود کی دیواروں سے سر ٹکراتے حبس اور [illegible] کرنے کی کوشش کی تھی، قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر آنے والے ایبک کو دیکھا تھا، وہ اپنے اس بھائی سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا، اس کے ارد گرد کوئی ایسا انسان نہیں تھا جو اس کی وجہ سے اذیت میں مبتلا نہ ہو۔ یہ گناہ اس کے کاندھوں کو ناقابل برداشت بوجھ تلے دباتا جا رہا تھا۔

"آپ پریشان مت ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ ہم سب سے دور نہیں رہ سکیں گی، آپ اپنے بارے میں ملامت سوچیں۔" ہارون کی آنکھوں کی جلن بڑھنے لگی تھی۔ وہ اتنا کم عمر اور لاابالی ہونے کے باوجود کس طرح اسے تسلی دے رہا تھا، اس نے کبھی ہارون سے شکایت کا ایک لفظ تک نہیں کہا تھا، کبھی کوئی سوال نہیں کیا تھا جبکہ ماں باپ کو آنکھ کھولتے ہی اس نے اذیتوں سے گزرتا دیکھا تھا، وہ سب جانتا تھا اور اب جب کہ سب [illegible] سکتا تھا تو بھی وہ اپنے ایک خالص رشتے کے لیے بھی اسے اس کے مقام سے ہٹانے کا سوچتا بھی معیوب تھا، یہ اس کا بھائی تھا، یہ وہ تھا جو اس دنیا میں اس گھر کے غم کو کم کرنے آیا تھا، یہ وہ تھا جو ایک گمشدہ جنت تک پہنچنے میں راہ نما بنا تھا۔

"اگر آپ نے دوبارہ ہم سب سے دور جانے کی بات کی تو مجھ سے پہلے ماما مر جائیں گی، وہ مجھ سے زیادہ آپ سے محبت کرتی ہیں، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کی جگہ لے لیتا، آپ کی ساری تکلیفیں اپنے کندھوں پہ لے لیتا۔" ہارون کی کیفیت سے بے خبر وہ نم لہجے میں بولتا جا رہا تھا۔ بے اختیار ہارون نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

"میں بھی کہاں تم سب سے لاتعلق ہو کر سانس لے سکتا ہوں، مگر میں اب بھی تم سب سے دور ہو کر خوش نہیں رہ سکتا، میں اس کی نفرت نہیں سہہ سکتا، مجھ میں معافی مانگنے کی بھی سکت نہیں ہے، اگر سکت ہوتی تو سب سے پہلے ماما بابا سے اور تم سے معافی مانگتا، وہ کس طرح میرے لیے اپنے دل کو نرم کر سکتی ہے۔" ضبط سے سینے میں ایک کھنچاؤ سا [illegible] وہ گھٹی آواز میں بولا تھا۔

"ان کو آپ کے لیے دل نرم کرنا پڑے گا اور پھر عارش نے بھی تو وعدہ کیا ہے، وہ ان کو سمجھائیں گے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ایبک نے پر یقین لہجے میں کہا تھا جبکہ ہارون کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔
موبائل فون کی کال نے ہارون سے زیادہ ایبک کو چونکا دیا تھا۔

"رات کے دو بجے آپ کو کون کال کر سکتا ہے؟" ایبک نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا جو اسکرین پر نگاہ ڈالتا کمرے کی سمت دوڑا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ ہارون اسپیکنگ۔"

"جی، مگر میں تو ہارون کی آواز پہچانتی ہوں۔"

منیزہ کی بات نے اسے ہنسنے پر مجبور کیا تھا۔

"اتنی رات گئے بچے جاگا نہیں کرتے، جا کر سو جاؤ، صبح تمہیں کالج بھی جانا ہے۔" منیزہ نے تنبیہہ کی تھی۔

"اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں آپ کی یہ غلط فہمی دور کر سکتا ہوں کہ میرا شمار بچوں میں نہیں ہوتا۔"

"اچھا۔۔۔۔ اور میری غلط فہمی دور کرنے کے لیے تمہیں کیسا موقع چاہیے؟"

"بہت زیادہ نہیں، بس ایک کینڈل لائٹ ڈنر اور لانگ ڈرائیو۔"

"لانگ ڈرائیو کے دوران نشانہ بنانے کے لیے عارش۔" منیزہ نے ہنستے ہوئے اس کو شرمندہ کر دیا تھا۔

"بے شک تم دوسرے ہاتھ بن سکتے ہو مگر پہلا بچے سے بڑے بڑے برج آزمائی کرنے دو۔"

"بالکل، مجھے بہت شوق ہے، میں آپ کی کامیابی کے لیے مدد کے لیے بھی حاضر ہوں۔"

"بہت شکریہ، اب کیا مجھے کہنا پڑے گا کہ ہارون کی آواز سنا دو۔"

"ضرور، وہ بھی تو آپ کے انتظار میں ہیں۔" ایبک نے مسکراتی نظروں سے ہارون کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا اور موبائل فون اسے تھما کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"معذرت کریں، مجھے کسی کی خوشی میں مبتلا اب نہیں ہو سکتی، مجھ میں وہ اہلیت نہیں کہ آپ میرا انتظار کریں۔" اس کی خاموشی پر منیزہ نے کہا تھا۔

"مگر مجھ میں اتنی اہلیت تو ہے کہ آپ کی پریشانی کو محسوس کر سکوں، بقول آپ کے میں آپ کے دل میں [illegible] والی پہلی انسان ہوں، کم از کم یہ برتری تو مجھے ہے کہ میں آپ کی ضرورت بن سکوں، اس وقت تک جب تک ضرورت کی ضرورت ہی ختم ہے۔"

"ناراض ہو گئی ہو؟" اس کے خاموش ہونے پر وہ بولا تھا۔

"نہیں تو۔"

"کیا سمجھا ہے؟"

"کیا آپ کو میری ضرورت ہے بھی یا نہیں؟"

"ضرورت کس لیے؟"

"آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"

"میں کیا جانتا ہوں؟" اس کے سوال پر منیزہ بالکل خاموش رہی تھی۔

"اگر میں کہوں کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے تو۔۔۔"

اس کا سوال منیزہ کو بہت بے رحم لگا تھا مگر وہ ضبط کر گئی تھی۔

"ضرورت تو اس وقت عارش کو بھی نہیں تھی، وہ میرے بغیر بھی آپ تک پہنچ سکتا تھا، میں نے اس لیے وہ کیا جو میرے دل نے چاہا اور آج بھی اپنے دل کی آواز سنی، جو دل سے قریب ہوتے ہیں ان کی ضرورت کا احساس میرے لیے اعزاز ہے ہونا اب اسے کسی کی بھی نظر سے دیکھے۔"

"جانتا ہوں تمہارے دل میں ساری دنیا کا درد اور رحم موجود ہے مگر جانتی ہو تم جیسے انسانوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟" مینیزہ کے تلخ لہجے پر وہ بولا تھا۔

"ہاں وہی ہوتا ہے جو آپ نے کیا ہے۔" اس کے سرد لہجے پر، وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"زرمین کیسی ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"بہت ڈسٹرب، چچا جان اور بچی اس سے ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے ہیں۔"

"کب ہوا؟ عارش نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" ہارون بری طرح چونک اٹھا تھا۔

"زرمین نے آپ کے متعلق جو باتیں کیں، جو مطالبہ انکل سے کیا، اس سب نے چچا جان کو کافی دکھ پہنچایا۔"

"یہ نہیں ہونا چاہیے تھا مینیزہ!" ہارون کا دکھ ان کا اوف تھا۔

"اگر آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں جو میں فون پر آپ سے نہیں کر سکتی۔" بے تکلف لہجے پر ہارون نے حامی بھر لی تھی۔

☆......☆

گھر میں داخل ہوتے سے پہلے ہی اسے جلا کے بگڑے موڈ کا اندازہ تھا، شرمندہ وہ تو وہ اس کے پیچھے ہی آیا تھا، اس کی بیزار اور چڑچڑی طبیعت کے پیش نظر عثمان نے آج خود ہی آفس سے جلدی گھر لے جانے کا پروگرام بنایا تھا، اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود اسے جلا کے لیے وقت تو نکالنا ہی تھا، آج نا نیچر کی پینٹنگ کی نمائش کی پروموشن کے لیے اسے پہنچنا تھا، وعدے کے مطابق وہ وقت پر گھر نہیں لوٹ سکا تھا، غصے میں جلا نے اس کی کال بھی ریسیو نہیں کی تھی، منہ اس وقت واضح ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"ابھی اتنا وقت بھی نہیں گزرا ہے، تم پلیز اپنا موڈ ٹھیک کرو، ہم ابھی باہر جا رہے ہیں۔" لہجے پر بھی وہ اس کا ہاتھ جھٹک گئی تھی۔

"میں اب تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی، اگر تم نے مجھے مجبور کیا تو ہمارے درمیان صرف جھگڑا ہی ہوگا اور میں اس وقت تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کے بگڑتے لہجے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ سرخ چہرے کے ساتھ اس کے سامنے سے وہ ہٹ رہی تھی، جب کال بیل گونجی تھی، ناگواری کے ساتھ وہ لاؤنج میں رکی عثمان کی واپسی کی منتظر تھی، اگلے چند لمحوں بعد عثمان اسے واپس آتا دکھائی دیا تھا مگر وہ تنہا نہیں تھا، جلا جہاں تھی وہیں ساکت رہ گئی تھی، لاؤنج کی چھت اسے خود پر گرتی محسوس ہو رہی تھی، کچھ میگزینز اس کے سامنے سینٹرل ٹیبل پر پھینک کر فاروق اسے مکمل نظر انداز کرتے عثمان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"ذرا سی بھی غیرت اگر تمہارے اندر باقی ہے تو دیکھو ان میگزینز میں اپنے کرتوت، دولت سمیٹنے کے لیے اپنے گھر کی عزت کو بھی سرعام لے آئے ہو تم۔" ان کے گرجتے لہجے نے عثمان کا رنگ بدلا تھا، دوسری جانب جلا نے جیسے ہوش میں آتے ہوئے ایک میگزین اٹھایا تھا جس کے فرنٹ پیج پر اسے عثمان کے ساتھ اپنا چہرہ بھی نظر آیا تھا، کوئی شک نہیں تھا کہ یہ فوٹو ان دونوں کی بے خبری میں بنایا گیا تھا، جلا کو یاد آنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ یہ فوٹو اس شاپنگ سینٹر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے لی گئی ہے، جہاں وہ کچھ دن پہلے عثمان کے ہمراہ گئی تھی۔

"تم دونوں سیاہ کرو یا سفید، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے، مگر میرے اور میری بیوی کے پیچھے وہ بھی ہیں۔ میں کس کس کو جواب دیتا پھروں گا؟ کہاں تک سب سے منہ چھپاتا رہوں؟ سب کو کہیں ڈال کر جس کی ذمہ داری لی تھی اگر نہیں نبھائی جا رہی تو اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دو تاکہ مجھے بھی کچھ سکون مل جائے، حد ہوتی ہے بے حیائی کی، ایک رشتے کو جانے کیا کچھ بنا کر اچھالا گیا ہے ان میگزینز میں، یہ سب کیسے برداشت کر رہی ہے تمہاری غیرت؟" شدید اشتعال میں وہ عثمان پر برسے تھے۔

"آخر آپ کس حق سے یہاں آ کر ہم پر اعتراض اٹھا رہے ہیں؟ ان فوٹوز میں میں اپنے شوہر کے ساتھ ہوں، میرے شوہر کی غیرت پر انگلی اٹھانے والوں کی غیرت اس وقت کہاں جا سوئی تھی جب انہوں نے اپنی بے غیرتی کا ٹھوکریں مار کر سڑک پر دھکیلنا چاہا تھا؟" جلا کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"تم اپنا منہ بند رکھو ورنہ تمہاری زبان کاٹ کر یہاں سے جاؤں گا۔" فاروق کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے، اب میری طرف بڑھنے والے ہاتھوں کو روکنے والا موجود ہے یہاں۔" وہ چیخ اٹھی تھی۔

"کون روکے گا میرے ہاتھ، بتاؤ کون روکے گا؟" جس طرح فاروق بھڑک کر دھاڑے اس کے مقابل نے تو ایک پل کے لیے تو اس کی سانس رک گئی تھی۔

"ہاتھ تو مجھے تمہارے توڑنے چاہیے تھے، میں اب بھی یہ کام کر سکتا ہوں، تمہارا شوہر بھی مجھے نہیں روک سکتا، جس بات پہ گھمنڈ ہے تمہیں وہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہ کس طرح تم کو اپنے ساتھ ساتھ تمہاری نمائش بھی کر کے ہماری عزت کا جنازہ نکال رہا ہے۔" شدید طیش کے عالم میں وہ اس پر دھاڑے تھے، جواب میں ان کی کھلے لبوں کی پانی آنکھوں میں وہ دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنی بیوی کی hidden کر کے ہر کسی کی نظروں سے... " عثمان کی مداخلت پر فاروق نے اسے دیکھا تھا۔ "یہ کسی کمرے کی چار دیواری ہے، میں اب خیال رکھوں گا، آئندہ آپ کو شکایت نہیں ملے گی۔" میگزین پر نظر جمائے عثمان بولا تھا۔

"ایک بات میری کان کھول کر سن لو تم دونوں کی وجہ سے میرا اچھا منہ کالا ہوا تھا، ہو چکا، مگر اب اس دنیا میں میری بچی کھچی عزت کے پرخچے بنانے کے سامنے اڑائے گئے تو یاد رکھنا آئندہ خالی ہاتھ نہیں آؤں گا، تم دونوں کی جان لے کر خود کو بھی گولی مار دوں گا، اور یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔" کرخت لہجے سے وہ دو ٹوک انداز میں اپنے بے ساختہ اپنی ان دونوں پر سے ہٹا کر بڑے غصے کے ساتھ لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ چند لمحوں تک کمرے میں سناٹا چھایا رہا تھا، جسے عثمان نے ہی توڑا تھا جبکہ جلا بالکل ساکت کسی اشتعال میں تھی۔

"یہ سب میری لاپروائی کا نتیجہ ہے، میں آئندہ ایسا موقع نہیں آنے دوں گا کہ وہ یہاں آکر تم پر چیخیں۔" مدھم لہجے میں اسے تحفظ کا احساس دینے کی کوشش کرتے ہوئے عثمان نے اس کے لرزتے سرد وجود کو بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

☆......☆

ویرانی اس وقت اس کی سیاہ آنکھوں میں بہت گہری ہو گئی تھی، جب سفید فرش پر ایک سایا نمودار ہوا تھا، گردن کو حرکت دیے بغیر اس نے بوجھل پلکیں اٹھائی تھیں اور پھر دوبارہ جھکا لی تھیں، چند لمحوں تک وہ جا گتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا، جو گرد سے پشت لگائے فرش پر ہی بیٹھی تھی، خاموشی سے اسے دیکھتا وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں یہ کیوں یقین تھا کہ تمہاری غیر موجودگی میری گہری نیند میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتی؟" عارش کے

ہم سوالیہ لہجے پر اس نے گردن موڑ کر اس کی سوالیہ نظروں میں دیکھا تھا، جبکہ اس کی متورم آنکھوں اور چہرے پر پھیلی جھنجلاہٹ کو بھی عارش نے بغور دیکھا تھا، ماسہا ممکن بھی لوٹ لیا تھا، مگر وہ بس خاموش تھی۔

"میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ دنیا کی دریہ دولت اور خوشی تمہارے لیے حاصل کر رہا ہوں، وہ گمشدہ خوشی کی اذیت جانے کب سے تمہارے دل کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی، مجھے سہتے ہوئے تم نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھنے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ ایک پل کے لیے رکا تھا۔

"یہ دنیا بہت چھوٹی ہو سکتی ہے مگر بچھڑنے والوں کے لیے نہیں، یہاں کوئی ایک بار بچھڑ جائے تو دوبارہ ملنا کسی معجزے سے کم نہیں، میں جانتا ہوں۔ تمہیں ایک بار خود کو توڑ کر دوبارہ کسی اور سانچے میں ڈھالنا ہوگا مگر......"

"مگر یہ اب نہیں ہوگا۔" ٹوٹے لہجے میں خزمن نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "ٹوٹ چکے، بکھر گئے، بیتے جتنے سال گزر گئے وہ گزر گئے اب اور نہیں۔ اپنے صبر اور محرومی کے درمیان جینے کی عادی ہو چکی ہوں میں جو یہ زندگی ہے اس میں کسی ایسے انسان کو داخل ہونے نہیں دوں گی جس نے مجھے زندہ رہنے کے حق سے محروم کیا، جو میرے بچپن تک زندہ تھے وہ آج مجھے بھی ان کے ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔"

"تو پھر کیوں تمہارے آنسو خشک نہیں ہوتے؟ کیوں تمہیں رونا آتا ہے... بی ہوا اور مجھے میری نظروں سے گرا کر رہی ہو؟ تم جانتی ہو تمہارا یہ ڈپریشن تمہیں کس قسم کے نقصانات کے دوچار کر سکتا ہے؟ میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا۔" اس کے لہجے کی اذیت اور آنسوؤں نے عارش کے اضطراب کو کس حد تک بڑھا دیا، وہ اپنے لہجے کی نمی کو ضبط نہیں کر رہا تھا۔

"مت ہو میرے لیے پریشان، تمہیں بھی میری کوئی پروا نہیں رکھنی چاہیے، تمہیں صرف اپنی اولاد کا سوچنا چاہیے۔" اس کے بکھرتے کاٹ دار لہجے نے عارش کو دنگ کیا تھا۔

"تم اس سے زیادہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں، اور تمہیں لگتا ہے کہ مجھے تم سے بڑھ کر اپنا اولاد کا خیال ہے، تم اسی یقین کے ساتھ رہو۔" شدید تاسف سے اسے دیکھتا وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا مگر تب ہی خزمن نے اس کا بازو تھام کر روکا تھا، اگلے ہی پل وہ اس کے شانے سے سر ٹکائے سسک اٹھی تھی۔

"مجھے تو ان کا روگ لگا ہے جو کسی کے لیے مجھ سے دامن چھڑا گئے ہیں، کیا اتنا کمزور تھا میرا ان سے رشتہ ایک بار بھی پلٹ کر نہیں آئے وہ، وہ چاہتے ہیں کہ جھک جاؤں میں، ٹوٹ کر بکھر جاؤں ان لوگوں کے قدموں میں جن کا خون بھی میری رگوں سے بہت پہلے ہی ختم ہو چکا تھا، ماما میرے ساتھ یہ سب نہیں کر سکتے تھے، وہ ہر دو کیا مجھے چھوڑ کر گئے۔"

"وہ تمہیں کس طرح چھوڑ سکتے ہیں، یہ تم بھی جانتی ہو کہ یہ ممکن نہیں ہے، ان کی دنیا ہو تم، وہ بس تم سے خفا ہیں، تمہاری ضد نے ان کو......"

"میں نے کوئی ضد نہیں کی۔" اس کے شانے سے سر اٹھاتی وہ درمیان میں ہی اسے ٹوک گئی تھی۔ "جس کام کے لیے میرا دل، میرا ضمیر، میرا ظرف اجازت نہیں دیتے میں وہ کام کیسے کروں؟ کیوں مجبور کرنا چاہتے ہیں سب؟" بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اذیت ناک لہجے میں بول رہی تھی۔

"تم بتاؤ، میں نے ان سے ایسی کون سی ضد کی ہیں جن سے ان کی دل آزاری ہوئی ہے، میں نے..."

زندگی کے ہر معاملے میں صرف ان کی خوشی کو اہمیت دی ہے، میں نے شادی بھی صرف ان کی خوشی کے لیے کی تھی، مجھے ان کی خوشی عزیز رہی گیا یہ ثبوت نہیں اس بات کا کہ میں آج تک تمہارے ساتھ اس گھر میں ہوں۔" زار و قطار روتی وہ اسے ساتوں میں دھکیل گئی تھی جو ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا، بیک وقت اسے جس قدر دکھ اور صدمہ لگا تھا اس سے زیادہ سنگدلی کی انتہا پر بھی دکھائی دے رہی تھی، اب بھی وہ یہ بادر کرانے سے ذرا نہیں ہچکچائی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں آج تک اگر ہے تو صرف اپنے ماں باپ کی خوشی کے لیے، ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اس سچ پر قائم تھی مگر عارش کے لیے آج بھی یہ سچ پہلے سے بڑھ کر سفاک اور اذیت ناک تھا، لیکن اسے یہ اذیت آج بھی بغیر کسی آہ کے برداشت کرنی تھی اور وہ کر رہا تھا۔ اسے تسلی دینے کے لیے اپنے خالی دل و دماغ میں لفظ ڈھونڈ رہا تھا، جو اپنے سچ کے خنجر سے آج پھر اسے زخمی کرتی اس کے شانے ہی سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔

☆.....☆

اس کے چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی کی چھاپ دیکھتے ہوئے وہ خود بھی کسی خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی، سر کے اشارے سے اس نے منیزہ کے سلام کا جواب دیا تھا، خاموشی کے ساتھ وہ دونوں اپنی مخصوص نشستوں تک پہنچے تھے، اپنا بیگ گود میں رکھتے ہوئے منیزہ منتظر رہی تھی مگر وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا، نہ ہی اسے بلانے کا طلب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، یا انداز لگانے کے بعد بالآخر منیزہ کو ہی پہل کرنی پڑی تھی۔

"آنٹی سے فون پر بات ہوئی تھی، میں ان کے پاس جانا چاہتی تھی تاکہ ان کے روبرو ہو کر خزمن سے متعلق ان سے بات کروں، یہ ان کی تسلی کے لیے اچھا ہوگا، عارش نے بھی کہا تھا کہ میں اس کے ساتھ آپ کے گھر جاؤں، مگر مجھے لگا کہ میرا آپ کے گھر میں موجود ہونا شاید آپ کو ناگوار گزرے۔" بولتے ہوئے منیزہ نے ہارون کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو دیکھا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں صرف بزنس کے بارے میں بات کرنی چاہیے جس کی وجہ سے ہم یہاں موجود ہیں۔" ہارون کے سرد لہجے پر اس کے تاثرات بدل گئے تھے۔

"معاف کیجیے گا، میں بھول گئی تھی۔" منیزہ کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"خزمن سے بات ہوئی تمہاری، وہ ٹھیک تو ہے؟" ہارون کے سوال پر منیزہ نے اس کے چہرے پر چھپے اضطراب کو دیکھا تھا۔

"وہ اسی قدر بے ترتیب ہے کہ عارش نے فی الحال مجھے روک دیا ہے، مگر میں اس سے جلد ہی بات کروں گی، اسے سمجھانے کی پوری کوشش کروں گی، چچا جان اور چچی جان کی ناراضی نے اسے بہت اکھاڑ دیا ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں، آہستہ آہستہ سب بہتر ہو جائے گا، کیونکہ میں خزمن کو زیادہ جانتی ہوں۔"

"ان کی ناراضی خزمن کو جس قدر بے چین کر سکتی ہے وہ پہلے ہی سچ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اسے سمجھاؤ، اس سے بات کرو، وہ بے شک مجھ سے نفرت کرتی رہے مگر ماما، پاپا کے لیے ایک بار اپنے دل کو وسیع کر لے، میرے گناہوں کی سزا ان سب کو دے کر وہ میرے بوجھ کو نہ بڑھائے، اپنے ماں باپ کے لیے میں اس کے پیر پکڑنے کے لیے تیار ہوں، تم کسی طرح اسے راضی کر لو، تم یہ کام کر سکتی ہو، یا ایک بھائی ان کو مجبور کر دو۔" اس کے لہجے کی تکلیف وہ محسوس کر سکی تھی، اس کا لہجہ منیزہ کے دل کو مٹھی میں جکڑ رہا تھا، جھکی آنکھوں میں امید کی جو لپک تھی آنکھوں نے منیزہ کے دل کو ایسے ہتھوڑے سے بوجھل کر دیا تھا، اس پیارے سے

مگر کچھ بے رحم سے انسان کی بے بسی و واپسی روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس کر رہی تھی۔

''آپ کو اللہ پر یقین ہے تو پھر بے فکر ہو جائیں۔ ہو گا وہی جو اللہ کی رضا ہے، وہ آپ کے درد سے واقف ہے، آپ کی التجائیں کو سن رہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بہت کٹھن ہے مگر آپ کے صبر کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے بلکہ صبر کا سفر بس مکمل ہونے والا ہے۔'' منیزہ نے نرم لہجے میں اسے پرسکون کرنا چاہا تھا۔ جو اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا نہیں کی سطح پر نگاہ مرکوز کر چکا تھا، چند لمحوں تک وہ خشکی کی نگرانی جانے کس سوچ میں گم تھی۔

''آپ کو یاد ہے، میں نے فون پر کہا تھا کہ مجھے آپ سے کچھ اہم بات کرنی ہے؟'' منیزہ کی آواز نے اسے چونکایا تھا جبکہ اس کی کشادہ و گہری آنکھوں میں دو دریا اور رنگ نہیں دیکھے گئی تھی۔

''میرے ابو آپ کو نانا جان کے پاس ہیں، عارش نے وہاں شاید ان سے آپ کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔'' جھکی آنکھوں کے ساتھ بولتے ہوئے منیزہ کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

''اسی نے فون پر بات ہوئی تھی تو انہوں نے اچانک مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔'' رک کر منیزہ نے نگاہ اٹھائی تھی ماں کے چہرے سے کسی تاثر کو جاننے کے لیے مگر وہ کھوئی ہوئی سی کاغذی طرح بے حس ہو گیا تھا۔

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں کیا پوچھا تھا؟'' اس کی آواز میں لہجہ سرد ہوا تھا۔

''تم لنچ میں کیا لینا پسند کرو گی؟'' کارڈ پر نظر دوڑاتا وہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا جبکہ عجیب سی منیزہ کے لبوں کی تراش میں ابھر کر غائب ہوئی تھی۔

''میرے یہاں آنے کا مقصد مکمل ہو چکا اور آپ کا بھی انتہائی قیمتی وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں، آپ لنچ کریے آج حسان نے میرے لیے اسپیشل لنچ کا انتظام کر رکھا ہے۔ میں انسٹیٹیوٹ میں ان کے ساتھ ہی لنچ کروں گی خدا حافظ۔'' بیگ شانے پر ڈالتی وہ بہت نارمل انداز میں رخصت ہوئی تھی مگر اپنی پشت پر اسے اس کی جلتی نظریں محسوس ہوتی رہی تھیں۔

☆—☆

کمرے کی ایک ایک چیز کو چھو کر وہ اس کے لمس کو محسوس کرنا چاہتی تھیں، جو شاید ساری دنیا سے خاموش تھا۔ کمرے میں چکراتے ہوئے در و دیوار کو تکتے ہوئے یہ حیرت کی بات نہیں تھی کہ ان کی آنکھیں جل تھل تھیں۔ اپنے بے چین، بے قرار دل کو کچھ تسکین دینے کے لیے آج وہ اس کمرے میں موجود تھیں، جہاں ان کی جان سے بھی عزیز ہستی نے اپنے روز و شب گزارے تھے۔ ان کی آغوش سے جدا ہو کر اس نے اس کمرے میں ایک طویل عرصہ قیام کیا تھا، یہاں اس کی خوشبو پھیلی تھی، بھیگی آنکھوں سے ان کتابوں کو چھوتے ہوئے ان کی بے قراری بڑھ رہی تھی، مگر اب یہ تھا کہ اس بے قراری میں اذیت نہیں تھی، اللہ پر یقین جب پہلے سے بڑھا تو ہر گزرتا پل اب ان کو یہ یقین بھی دے رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن قرار مل جائے گا، تسکین ملے گا، اپنی متاع کو دیکھنے سے ملنے کا وقت قریب آیا ہی چاہتا ہے۔

دھندلائی آنکھوں سے انہوں نے کمرے میں آتیں فاطمہ کو دیکھا تھا۔

''آج خزن کی کشش آپ کو یہاں تک کھینچ لائی، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔'' فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''فاطمہ میں اپنی بقیہ ساری زندگی بھی آپ کے قدموں میں گزار دوں تو بھی ان احسانوں کا بدلہ نہیں چکا

برا آپ نے مجھ پر کیے، میں نے تو صرف اسے جنم دیا تھا، آپ نے تو اسے زندگی دی ہے، آپ قیامت تک اس کی ماں کے درجے پر رہیں گی۔ آپ ہی اس مقام کی حق دار ہیں، میں تو بس اسے اپنے گلے لگانے کو ترس رہی ہوں، وہ مجھے قبول کرلے، مجھ سے دور نہ جائے، مجھ سے نفرت نہ کرے، اس کے علاوہ مجھے اس سے کچھ نہیں چاہیے۔"

"اس پر آپ کا حق کسی طور سے کم نہیں ہے، جو آپ چاہتی ہیں، وہی ہوگا، غم نہ کریں۔" فاطمہ نے انہیں تسلی دی تھی اور پھر ان کو ساتھ لیے خزین کے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ فاطمہ کے قریب ہی بیٹھی منیزہ بھی اب قزلباش کی طرف متوجہ تھیں جو احمد حسین سے مخاطب تھے۔

"میری وجہ سے آپ اور بھابھی خزین سے دور ہوئے ہیں، میری درخواست ہے کہ آپ دونوں یہ ناراضی ختم کردیں، خزین کو بھی قبول کرے یا نہ کرے یہ اس کا فیصلہ ہوگا۔ مگر مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا کہ آپ سے دوری کا ذمہ دار مجھے ٹھہرایا جائے، یہ سچ بھی ہے کہ ہماری وجہ سے ..."

"آپ کی وجہ سے یہ سب نہیں ہوا۔" احمد حسین نے ان کی بات کاٹی تھی۔ "میری ناراضی کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلی بار میری اتنی شدید نافرمانی کی ہے، آپ کے دل کو تکلیف پہنچائی، دو دن کی ... میری تنبیہ کے باوجود اسے میرا خون بھی معاف نہیں ہے، میں نے اسے وہ تربیت ہرگز نہیں دی، ایسی ... اس نے آپ کے سامنے کیا، میں اگر اس سے دور ہوا ہوں تو اس لیے بھی کہ اسے اپنے فیصلے پر غور کرنے کا ... اسی صورت میں ممکن تھا کہ میں اس سے الگ ہو جاؤں۔" احمد حسین سنجیدہ لہجے میں بولے تھے۔

"آپ اس کے قریب رہ کر بھی تو اسے سمجھا سکتے ہیں، اب تک بھی اس کو ... سے دور رہا، وہ بدگمان ہوگئی، میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ اس سے ناراضی ختم کردیں، عارش بھی ... دونوں کے یہاں آجانے سے پریشان ہوگا۔" صبیحہ نے بھی دبے دبے لہجے میں اصرار کیا تھا۔

"میں بھی ان سے یہی کہتی ہوں کہ عارش کے لیے واپس چلیں، خزین کو اس کے گھر تک چھوڑ دینے سے اچھا ہو جائے گا، کم از کم مجھ میں تو ہمت نہیں ہے کہ اس سے لاتعلق ہو جاؤں۔" بالآخر آج فاطمہ کو بھی دل کی بات زبان تک لانے کا موقع مل گیا تھا۔

"اسے صحیح اور غلط میں فرق سمجھانے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا ورنہ اس سے منہ موڑے رکھنا میرے لیے بھی دشوار ہے۔" احمد حسین سنجیدگی سے بولتے ہشام قزلباش کی طرف ہوئے تھے۔

"میں اپنی بیٹی کی رگ رگ سے واقف ہوں، اس کے مزاج کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔" ان کے لہجے میں خزین کے لیے جو استحقاق اور اعتماد تھا وہ غیر ارادی تھا، مگر وہ ہشام قزلباش کے دل کو چھو گیا تھا، حسین سے ان کو پہلے عقیدت تھی اور اب ان کے لیے دل میں رشک بھی تھا، وہ خود کو بہت خوش قسمت تصور کر رہے تھے کہ اللہ نے ان کی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری ایک عظیم انسان کو سونپی تھی، ان کے دل میں کوئی شک نہیں تھا، اگر خزین اس دنیا میں کسی کو وہ مقام ان کو نہ دیتی جو احمد حسین کا تھا، یہ تو جو ہمیشہ سے چھوڑا ہوا تھا۔

"عارش بھی سمجھ سکتا ہے کہ میرے اس عمل کے پیچھے کیا مقصد ہے، اس مقصد میں سب کی بھلائی ہے، خزین جذباتی ہے مگر ناسمجھ نہیں ہے، اسے یقیناً احساس ہو جائے گا کہ وہ اللہ کی ناراضی مول لینے کی مرتکب ہو رہی ہے، میں دعا کر رہا ہوں کہ اللہ اس پر مہربان رہے اور اسے مثبت انداز میں سوچنے سمجھنے کی توفیق دے، اس کی وجہ سے آپ سب کو صدمہ پہنچا ہے اس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

"نہیں، مجھے شرمندہ مت کریں، میں تو پہلے ہی آپ کے احسانوں تلے دبا ہوا ہوں، عفیرہ کی پرورش ...

... نے پروان چڑھایا، ماں باپ کی محبتیں، شفقتیں نچھاور کیں، آپ نے اس کے لیے جو کچھ کیا شاید وہ سب میں بھی نہ کر پاتا، آپ نے اس کی ہر ذمہ داری پوری کی، یہاں تک کہ عارش جیسے انسان کو اس کے لیے چنا، ایسا بیٹا تو آپ ہی اس کے لیے کر سکتے تھے۔" ہشام قزلباش نے تشکر آمیز لہجے میں کہا تھا۔

"میں تو بس ذریعہ تھا ورنہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس سے اللہ نے ہی نوازا ہے، جو کسر رہ گئی تھی وہ آپ نے آکر پوری کردی، آپ کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا تھا، میں صرف دعا کر سکتا تھا، اللہ کا احسان ہے کہ میری دعائیں قبول ہوئیں۔" احمد حسین مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تھے اور پھر منیزہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"منیزہ بیٹا! ذرا پتہ کرو عارش کہاں رہ گیا ہے، کھانے کا وقت ہو رہا ہے، ابھی تک نہیں پہنچے ہیں۔"

"جی تایا جان! وہ شاید ٹریفک میں پھنس گیا ہوگا، میں ابھی اسے کال کرتی ہوں۔" منیزہ سیل فون پر نمبر ملاتی کمرے سے نکل گئی تھی۔

"فاطمہ! منیزہ کے والدین یہاں واپس کب آرہے ہیں؟" صبیحہ نے اچانک پوچھا تھا۔

"بس کچھ دن بعد ہی۔" فاطمہ ان کا مقصد سمجھتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"خزین نے منیزہ کو ہارون کے لیے چنا ہے، تو میرے لیے بھی منیزہ کے علاوہ کوئی اور نہیں۔"

"اللہ نے چاہا تو سب اچھا ہی ہوگا، آپ بھی امید رکھیں۔" فاطمہ نے ان کو تسلی دی تھی۔

☆......☆

گیٹ پر عارش سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اب گھر میں خزین کے بگڑے تیوروں کو بھانپتے ہوئے اسے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"روز صبح شام یہ وہ ڈاکٹر یہاں آجاتا ہے، تم اسے منع کیوں نہیں کرتے؟ میں اب اور برداشت نہیں کروں گی، اس سے کہو کہ آئندہ یہاں نہ آئے۔" غصے میں بھری وہ چیخ اٹھی تھی۔

"میں کب تک قزلباش صاحب کو منع کروں؟ تم اس سے اپنے رشتے کو نہ مانو مگر میں اس کو ... نہیں لگا سکتا، وہ تمہارا بھائی ہے، مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے یہاں تک آنے سے روکوں، وہ تمہارے لیے بے چین ہو کر یہاں آتا ہے اور تم گیٹ تک نہیں کھولتی ہو، اس کا کیا قصور ہے، کم از کم اس کے لیے تو تم اپنے دل میں گنجائش نکال سکتی ہو۔" بالآخر آج عارش خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ آج خزین کی آنکھوں میں دکھ اور آنسو دیکھتے ہوئے تو شاید وہ خزین سے کچھ نہ کہتا۔

"آپ بھی سمجھا رہے ہیں مجھے، ان سب نے مل کر کھا گئے میرا چین سکون، تباہ کر دیا مجھے، تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے میری زندگی کو۔" جھنجھلاہٹ میں چیخ چلاتی وہ رونا شروع کر چکی تھی اور عارش کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، اس سے وہ اب بہت بے بس محسوس کر رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ آخر کن لفظوں میں وہ خزین کو سمجھائے جبکہ کچھ عرصے پہلے وہ راضی بھی لگ رہی تھی، احمد حسین نے اپنے گھر سے جا کر خزین کے استقبال کا سامان پہنچا دیا تھا، عارش نے لفظوں میں احمد حسین سے کہہ دیا چاہتا تھا کہ ان کی بیٹی کو سمجھانا اب اس کے لیے ناممکن ہو رہا ہے۔

☆......☆

گیٹ سے باہر آکر اس نے متلاشی نگاہیں گھمائیں مگر ہیرا کی گاڑی وہاں نہیں تھی، اس کا فلک ٹھیک تھا، حنان اسے ... عارش کے ہمراہ ہی نظر آرہا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا مگر خزین کس وقت احمد حسین سے مل کر واپس آیا ہے مگر ... ان کی طرف گیا تھا، خاموشی سے وہ واپس گھر کے اندر چلی آئی تھی جب اسے پتہ چلا تھا کہ احمد

حسین نے ان دونوں کو اپنے گھر پر طلب کیا ہے۔ اس کے ذہنی دباؤ میں اضافہ ہی ہوا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی احمد حسین کس معاملے پر بات کریں گے، جبکہ اس معاملے پر نہ وہ کوئی بات کسی سے کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی کسی کے دو جملے بھی سننا اسے گوارا تھے۔ جس وقت عثمان گھر میں داخل ہوا یکدم اس کے غصے میں اضافہ ہوا تھا۔

"اب گھر میں آنے کا وقت ملا ہے تمہیں؟ میری پروا اور کہنا اب مشکل ہو چکا ہے تو بتا دو مجھے، اگر دنیا کو تماشا کر کے میرے لیے کتنے سمجھوتے کرنے پر مجبور ہو تم۔" شدید غصے میں وہ اس پر پھٹ گئی اور اسے حق دق چھوڑ کر تیزی سے کمرے کی سمت چلی گئی تھی۔

چند لمحوں تک وہ اس کے متوجہ ہونے کا منتظر رہا تھا، جو بیڈ پر تکیے میں چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔

"یلا! اٹھو اور مجھ سے بات کرو۔" اس کی لاتعلقی کے باوجود عثمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا، وہ اٹھ گئی تھی مگر بیزاری سے اس کا ہاتھ جھٹکتی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"کیوں اتنی بیزاری کے مظاہرے کر رہی ہو میرے ساتھ؟ تم جانتی ہو تمہارا اس طرح مجھ سے ناراض رہنا بات بات پر مشتعل ہونا کتنا نقصان دہ ہے؟" اس کا چہرہ اپنی طرف کرتا وہ بولا تھا مگر وہ خاموشی سے اس سے نظر ملانے سے گریز کرتی رہی تھی۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں بدلحاظی پر اتر کر سب سے کہوں کہ کوئی ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کرے؟ ہمیں کسی کے مشورے اور صلاح کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم کسی سے کچھ نہ کہو، بس یہ دعا کرو کہ میں مر جاؤں۔"

"کیا بول رہی ہو، ہوش میں ہو یا نہیں؟ کیوں اپنی اور میری زندگی کو اذیت میں ڈال رہی ہو؟" عثمان نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹی تھی۔ "تم اس طرح مایوس ہو کر ٹوٹ جاؤ گی تو ہم کیسے زندگی میں سکون قائم رکھ سکیں گے، تم اچھے آپ کو نہیں، مجھے تو ڑ رہی ہو۔"

"کس سکون کی بات کر رہے ہو؟ زندگی کو سکون سے گزارنے بھی کون دے رہا ہے۔ سب کو ہم تماشا لگتے ہیں، ہمیں جھکنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، کیا میں جانتی نہیں ہوں کیا احمد انکل نے تم سے کیا کہا ہوگا؟ ان کا بس چلے تو ہمیں گھٹنے ٹیک دینے چاہئیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی تھی۔

"یلا! اگر وہ چاہتے ہیں کہ ہم واپسی کا کوئی ایک راستہ کھول دیں تو یقیناً اس میں انہوں نے ہماری بھلائی دیکھی ہوگی، انہوں نے مجھے کسی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کیا نہ ہی میں کسی کی بات سن کر تمہیں اس بات پر عمل کرنے کے لیے مجبور کروں گا، اس وجہ سے نہیں کہ میری بہن اور اس کے گھر کی خوشیوں کی میرے نزدیک اہمیت نہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ اگر سب اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو مجھے تم حق پر نظر آتی ہو، دنیا اس چیز کو اب کس نظر سے دیکھتی ہے مجھے اس کی پروا نہیں۔" اس کے آنسو سمیٹتے ہوئے جس طرح بولا تھا یلا کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

"مجھے اپنی پروا نہیں ہے، میں تمہیں کسی صورت اس شخص کے سامنے جھکتا نہیں دیکھ سکتی۔" وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔

"تم جیسا چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا، میں کبھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں جاؤں گا، بس اپنے دل سے تمام خدشات نکال دو، تمہارے دل میں میری محبت کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔" اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بولا تھا اور پھر اس کی پیشانی پر لب رکھ دیے تھے۔

(جاری ہے)

صدف سعد

ردا کی ڈائری

ریما نور کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

جو دو دن پہلے کی بات ہے
تم مجھ سے بڑی قربت کی
بڑی باتیں کیا کرتی تھیں

اور...
جب تک مجھ سے بات نہیں ہوتی تھی
ادھوری تھیں
میری صبحیں
اور کس قدر تنہا...

سوچ رہی ہوں
کہ بعض لوگوں کو
محبت راس نہیں آتی

ماہ نور کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی غزل

تمہیں جب کبھی ملیں فرصتیں مرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو
مجھے اپنے روپ کی دھوپ دو کہ چمک سکیں مرے خد و خال
مجھے اپنے رنگ میں رنگ دو مرے سارے رنگ اتار دو
کسی اور کو مرے حال سے نہ غرض ہے کوئی نہ واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ لو میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو
تمہیں صبح کیسی لگی کہو مری خواہشوں کے دیار کی
جو بھلی لگی تو یہیں رہو اسے چاہتوں سے نکھار دو
وہاں گھر میں کون ہے منتظر جسے فکر ہو دیر سویر کا
بڑی مختصر سی یہ رات ہے اسی چاندنی میں گزار دو
کوئی بات کرنی ہے چاند سے کسی شاخسار کی اوٹ میں
مجھے راستے میں یہیں کہیں کسی کنج گل میں اتار دو

زینب شاہ کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی غزل

آپس میں بات چیت کی زحمت کیے بغیر
چل رہے ہیں ساتھ شکایت کیے بغیر
آنکھوں سے کر رہے ہیں بیاں اپنی کیفیت
ہونٹوں سے حال دل کی وضاحت کیے بغیر
وعدوں کو اپنی لا کے عزیز ہیں
لیکن کسی کو فکر علامت کیے بغیر
[illegible] ہوا ہے وقت مراسم کے درمیان
[illegible] نہیں کوئی وسعت کیے بغیر
حیران ہیں کہ اتنے برس کیسے کٹ گئے

حرا کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

جو لفظ ہیں فقط چاہنے کے قابل
وہ لوگ نہیں ہوتے بھلانے کے قابل
تیرا خلوص اپنی جگہ مگر مجبوری بھی کچھ
کچھ دکھ نہیں ہوتے بتانے کے قابل
اے ساگر کی لہروں ذرا تھم جاؤ
کچھ زخم نہیں ہوتے مٹانے کے قابل
تم بتانا ضروری نہیں اے دوست
کچھ جذبات ہوتے ہیں چھپانے کے قابل
تم سوچ سمجھ کے کرنا
کچھ زخم نہیں ہوتے دکھانے کے قابل

رکی سا کوئی سبب رفاقت کیے بغیر
وہ جا نہیں سکے چھپا کر اس کے باوجود
تنہا کھڑے ہیں ہم اسے رخصت کیے بغیر
چارہ گروں کو دھوپ سے پڑتا ہے واسطہ
لیکن کسی کے حق میں خیانت کیے بغیر

صبا عمر کی ڈائری سے

__بہادر شاہ ظفر کی غزل__

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہار حسن دکھا گئے
میرے دل کو داغ لگا گئے وہ نیا شگوفہ کھلا گئے
کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیوں کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
میرے پاس آئے تھے دم بدم وہ جہاں ہوتے تھے ایک دم
یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم کہ جدائی سے آنکھیں چرا گئے
یہی شوق تھا ہمیں دم بدم کہ بہار دیکھیں گے اب کہ ہم
جو نہی چھوٹے قید قفس سے ہم تو خزاں کے دن آ گئے

دلشاد علی کی ڈائری سے

__ایک خوبصورت غزل__

چپ چاپ رہنا کچھ نہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
ہنس کے سارے صدمے سہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
بیٹھے بیٹھے کھو سا جانا یوں ہی دور خیالوں میں
چلتے چلتے چپ سے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
دل کی باتیں سن کر ہنسنا تو سب کی عادت ہے
ان باتوں پر چپ سے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
سارے منظر لہریں گنتا بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کا ہے یہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

فوزیہ صدیقی کی ڈائری سے

__وصی شاہ کی خوبصورت نظم__

آج وہ وقت بھی آ گیا ہے
بچھڑ کے

جاناں!
میرے سارے خط لوٹا دو
سب تصویریں قلم کتابیں
واپس کر دو سارے تحفے
مجھ سے سب کچھ مانگنے والی
جاتے جاتے
میرے گھر سے کی چوکھٹ
چھوڑ گئی
اپنا آپ

صبا عمر کی ڈائری سے

__وصی شاہ کی نظم__

ابھی تو میری شکل
تمہیں دیکھنی ہے
ابھی تو آئینہ مجھ کو دکھاتا ہے
سراب ہی سی جاناں!
جو دستکوں کے پیچھے
ابھی تو آس رکھتا ہے
ابھی ہے وقت مٹھی میں
اگرچہ ریت کی مانند
پھسلتا جا رہا ہے پر
تمہارے لوٹ آنے تک
سنبھالوں گا کوئی لمحہ
یہ سارا وقت گرنے سے
میرے ہاتھوں سے بچنے سے
ذرا اک لمحہ پہلے تک
اگر تم لوٹ آؤ تو
اگر تم لوٹ آؤ تو میری تکمیل ہو جائے

☆.........☆.........☆

اشعار

صبح نور احمد .... کراچی
یاد آتا ہے روز و شب کوئی
ہم سے روٹھا ہے بے سبب کوئی

حنا جان .... کراچی
تجھ سے پہلے بھی زندگی کہاں کی زندگی تھی
لے تجھ سے تو ہر لذت سے آشنا ہو گئے

سیدہ عنبر ہاشمی .... کراچی
ایک سا شعور ہے ایک سی تنہائی ہے
میں زمیں پہ تنہا ہوں چاند آسماں پر

اسماء [illegible] .... کراچی
مسکرا کر وہ جو سوال رہتا ہے
کسی کسی کو خلاف کمال رہتا ہے
نظر اٹھا سکے کچھ سے وہ حسن کا آئینہ ہے
حسین مالو اسے شکل میں ڈال رہتا ہے

نوزیہ احمد .... بہاولنگر
زندگی بھی کیا عجب شے ہے
کبھی ہار تو کبھی جیت ہے
لیکے ہی پیچھے آ گئی ہیں سب
یہی زمانے کی ریت ہے

ساحل ناز .... کراچی
لاتی ہیں جب چاند سے کی تنہائی
ہوائیں تیرے احساس کی خوشبو دیتی ہیں
بارش کی مدھم بوندوں میں
تیری تصویر نظروں میں لا دیتی ہیں

نصرت جہان .... لاہور
کو ہے سارا جہاں خفا خفا

نہ جانے ایک اس کے جانے سے کیا ہوا
وہ دل خاموش کن تھا میری روح تھا گیا
وہ شخص جسے دیکھے اک زمانہ ہوا

وریال خان .... داؤ کینٹ
بکھرے حروف بھی چھوٹے ہیں بارے جذبے بھی
میری کہانی بھی سارے جہاں جیسی ہے
ہوا کے روز بجھائیں ہیں خواہشوں کے دیے
یہ زندگی بھی اندھیرے مکاں جیسی ہے

شاہ حیات .... کراچی
ہر لفظ کاغذ پہ اتارا نہیں جاتا
ہر نام سر عام پکارا نہیں جاتا
ہوتی ہیں تعلق میں بھی رازکی باتیں
ہر بات کو محفل میں اچھالا نہیں جاتا

عائشہ تبسم .... کراچی
وہ بھی آنکھ بھی جھپکے تو لرز جاتا ہوں
مجھ کو اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے اس کی
وہ کہیں جان نہ لے ریت کا ٹیلہ ہوں میں
میرے کاندھوں پہ ہے تعمیر عمارت اس کی

نورین نور .... کراچی
سپنوں سے دل لگانے کی عادت نہیں رہی
ہر وقت مسکرانے کی عادت نہیں رہی
یہ سوچ کر کہ کوئی منانے نہیں آئے گا
اب ہم میں روٹھ جانے کی عادت نہیں رہی

عدالت مہر .... سرگودھا
نہ [illegible] شکوہ کرے کوئی ایسا شخص ہوا کرے
جو میرے لیے ہی رہا کرے سدا مجھ سے باتیں کیا کرے

کبھی روٹھ جاتے اور بے پناہ کبھی سب تنہا شاد اداس ہو
کبھی چپکے چپکے دبے قدم ہو، پیچھے آ کے ہنسا کرے

عائشہ نیازی .... دیپالپور

بلا سے ہمیں بھی کہہ کر میرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر بھی ہو جائے گی

اریشہ .... کمالیہ

بھری دعاؤں میں اکثر وہ نام آتا ہے
کبھی جو بھول جائے مجھ کو دعا میں دیتا

سیرا افضل .... راولپنڈی

حرف الزام بنوں یا کہ جدا ہو جاؤں
کانوں میں بھی تیرے ہونٹوں سے ادا ہو جاؤں
روک لینا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو
بے خیالی میں اگر تجھ سے جدا ہو جاؤں

سائرہ ارشد .... حیدرآباد

سوچا تھا اس قدر ان کو بھول جائیں گے
دیکھ کر بھی ان دیکھا کر جائیں گے
پر جب جب سامنے آیا ان کا چہرہ
سوچا اس بار دیکھ لیں اگلی بار بھول جائیں گے

ماہین ہاشمی .... کراچی

عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ ہے
جانے کیا لفظ تھے جو ہم سے تحریر نہ ہوئے

روحی اسد .... شاہ کوٹ

تیرے بنا ہم جینا بھول جاتے ہیں
زخموں کو سینا بھول جاتے ہیں
تو زندگی میں سب سے عزیز ہے ہمیں
تجھ سے ہر بار یہی کہنا بھول جاتے ہیں

کنول عزیز .... گوجرانوالہ

کوئی اس طرح سے میرے ساتھ عداوت کرتا
قید کر لیتا مجھے اور حکومت کرتا
میں نے یہ کب کہا تھا کہ وہ سب کو چھوڑے
وہ اپنے انداز سے کرتا پر محبت کرتا

مہرین ارشد .... لاہور

تمہارے حق میں تھا جو وہ سوال بہت
کئے دنوں کا بھی آتا ہے خیال بہت
کسی بھی طور سے شکوہ نہیں گوارہ نہیں
تمہیں عروج ملی اور ہمیں زوال بہت

صائمہ شاہ .... سیالکوٹ

کل ذرا سی بات دیر تک رلاتی رہی
خوشی میں بھی آنکھ اشک بہاتی رہی
کوئی مل کے کھو گیا کوئی کھو کے مل گیا
بس زندگی ہم کو یونہی آزماتی رہی

کوثر خورشید .... راولپنڈی

خود سے دشمنی تو کسی روز ڈوبنے والی تھی
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر روئیں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا کاسہ کھولوں

امبر تبسم .... سیالکوٹ

اک ہے کہ جو کہ تجھ کو حاصل ہی کی
اور یہ دل کہتا ہے کہ نصیب ہو جاتا ہے

مسرت حسین .... ساہیوال

عجب وقت تھا وہ وقت جب بچھڑے
بچھڑے لمحوں میں رخصت مجھے کیا اس نے
مار رہا تھا وہ جب مجھ سے اپنا دایاں ہاتھ
تو بائیں ہاتھ کو آنکھوں پر رکھا اس نے

شازیہ کنول .... حیدرآباد

اداس راتوں میں تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں

شہناز حسین .... کراچی

امید بن کر لوگ زندگی میں آتے ہیں
خواب بن کے آنکھوں میں سما جاتے ہیں
پہلے یقین دلاتے ہیں کہ وہ ہمارے ہیں
پھر نجانے کیوں تنہا چھوڑ جاتے ہیں

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں ہم زندگی کو بالکل سادہ انداز میں کیوں نہیں لیتے؟ جو لیتے ہیں وہ میری نظر میں بہت سمجھدار، مطمئن اور قانع قسم کے لوگ ہوتے ہیں جس طرح تقدیر نے دکھاوے اور ہم نے کم عقلی کی بات کی۔ ہمارے اس طرح اپنے بانہ لینے سے زندگی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، مسائل جوں کے توں رہیں گے، دکھ، غم، خوشیاں جیسے بھی آئیں گی اور چلی جائیں گی انہیں محسوس کرو مگر ان کا بوجھ طاری رہتا ہے۔

اب اگر ایک شخص برسات کو ناپسند کرتا ہو تو بارش تو اس کی ناپسندیدگی کا خیال نہیں کرے گی کہ برسنا ترک کر دے اور اگر ایک شخص بے چینی سے بارش کا منتظر ہے تو بارش اس کے لیے بے وقت برسنا نہیں لگے گی۔ وہ تو موسموں کے تغیر پر انحصار کرتی ہے۔ ہم جتنا چاہیں خوش ہوں یا ناپسند کریں یہ سب مسائل، پریشانیاں، پہلے ہمیں پریشان کرنے نہیں آتیں درحقیقت یہ ہمیں بتانے آتی ہیں کہ ہمارے صبر، استقلال کو اور مضبوط کرنے آتی ہیں۔

اقتباس: ''مجھ جیسی زندگی کا ذوق رکھتی ہوں'' (آمنہ مرزا)
انتخاب: عائشہ نیازی

خوف

خوف کا ذائقہ زبان اور آنکھ میں بکھرا رہتا ہے اس سے تنگ آ کر انسان خوشامدی، دوغلا پن اور جھوٹ کا سہارا لیتا ہے خوف نہ صرف شخصیت کو کھا جاتا ہے بلکہ ذہن اور روح بھی اس کی زد میں رہ کر مسموم زدہ لکڑی کی طرح کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔

اقتباس: سحر ابو بشم (بانو قدسیہ)
افشاں علی: کراچی

اس ماہ کا افسانچہ

اس کے بارے میں سوچ کر اکثر میرا دل دھڑک اٹھتا تھا کہ نہ جانے وہ کیسا ہوگا جیسے جیسے اس کے آنے کے دن قریب آ رہے تھے میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی، بظاہر میں سب کے سامنے بظاہر مسکرا رہی ہوتی مگر اندر سے میرا دل دھڑکن سے بھرا رہتا۔ اب تو سب کو میری پریشانی کا علم ہو گیا تھا اور سب گھر والے میری طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے کیونکہ اس کے آنے میں بس کچھ ہی دن رہ گئے تھے میری نیندیں اور بھوک سب اڑ گئی تھیں ہر وقت اللہ سے یہی دعا مانگا کرتی کہ وہ میرے حق میں بہتر ہو بالکل میرے مجنوں جیسا! آخر کار وہ دن بھی آ گیا اس دن میں صبح سے پریشان تھی، ہر آہٹ پر میرا دل دھڑک اٹھتا کہ شاید وہ آ گیا ہے بالآخر وہ تشریف لے ہی آیا۔

''اے میرے پیارے رزلٹ'' شکر ہے کہ تم نے مجھے پاس تو کیا۔

صابر .... ہارون آباد

اس بار کا شعر

میرے دل کی تنہائی روح میں اتر گئی
اور وہ شاد ہے کسی اور کے پہلو میں

نورعلی .... کراچی

اس ماہ کا فلسفہ

محبت دل کا تعلق ہے، روح کا روح سے تعلق ہے۔

رفاقت ہر رشتے سے ہو، دوستی ہو یا ہو سکتا ہے محبت نہیں، محبت میں احترام و وقار پہلا اصول ہے اور جو محبت دلوں کو سیراب کرتی ہے وہ دلوں کو مسرور کرتی ہے۔

دھنک ناز ... کراچی

اس ماہ کی مسکراہٹیں

ایک صاحب نے نیا ٹی وی خریدا، دکان دار نے ریموٹ کنٹرول دکھاتے ہوئے کہا۔ "جناب یہ بہت اچھی کمپنی کا ریموٹ کنٹرول ہے اس سے آپ گلی میں کھڑے ہو کر بھی ٹی وی آن آف کر سکتے ہیں۔" وہ صاحب خوشی خوشی گھر آئے اور دروازے کے باہر گلی سے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن آف کر کے دیکھا اور مطمئن ہو گئے۔ ایک ہفتے کے بعد دکان دار کے پاس ان صاحب کا فون آیا۔ "میں بہت پریشان ہوں۔" دکان دار نے پوچھا۔ "کیا ریموٹ خراب ہو گیا ہے؟" وہ صاحب بولے۔ "نہیں! لیکن میں بار بار گلی میں جا کر ریموٹ کنٹرول استعمال کر کے تنگ آ گیا ہوں۔"

☆☆☆

لڑکا (دکاندار سے): "آپ کے پاس صابن ہے؟"

دکاندار: "جی ہاں!"

لڑکا: "ہاتھ دھو کر تین کلو چینی دے دیں۔"

سیدہ ابرار ہاشمی ... کراچی

اس ماہ بڑے لوگ ... بڑی باتیں

☆ کوئی شخص تمہاری پیٹھ پر سواری نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ جھکی ہوئی نہ ہو۔ (مارٹن لوتھر کنگ)

☆ آپ یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرے لوگ آپ کی مدد کریں گے آپ کو اپنی مدد آپ کرنے کا فن سیکھنا چاہیے اور خود اپنے طریقے پر کام کرنا چاہیے۔ (ڈسٹن جونز)

☆ کامیابی کے سفر میں شکست، مایوسی، محنت اور دکھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (ڈاکٹر سی دی ورما)

☆ انسان کے دو بڑے دشمن، نفرت اور خوف ہیں۔ (سر ونسٹن چرچل)

☆ زندگی کا سامنا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ حقارت کے ساتھ اس کا سامنا کیا جائے۔ (... وڈویلٹ)

☆ جنگوں کی ابتدا چونکہ ذہنوں سے ہوتی ہے اس لیے لوگوں کے ذہن میں امن کا مورچہ بنایا جائے۔ (عمار شاہ)

☆ بڑا آدمی وہ ہے جو ہر آدمی کو بڑا ہونے کا احساس ... کرے۔ (جی کے چسٹرٹن)

☆ آپ ہر جگہ اپنے دوست رکھ سکتے ہیں مگر آپ اپنے دشمن ... دشمن آپ کو خود بنانے پڑیں گے۔ (شیکسپیئر)

☆ رات کے وقت ... باہر دیکھتے ہیں ایک شخص کیچڑ کو دیکھتا ہے اور دوسرا ستاروں کو دیکھتا ہے۔ (فریڈرک لینگ برج)

☆ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم منزلوں کی خواہش ... کبھی اپنے آپ حفاظت کریں گے۔ (لارڈ ...)

انیس اعجاز احمد ...

اس ماہ کی خوبصورت بات

☆ پتھروں سے واسطہ پڑے یا پتھر دلوں سے زندگی کا علم رکھتے نہیں، لیکن وہ زندگی کو ویران ضرور کر دیتے ہیں۔

☆ نفرت کو ہزار موقع دو کہ وہ محبت بن جائے لیکن محبت کو ایک بھی موقع نہ دو کہ وہ نفرت بن جائے۔

نورین ملک ... کراچی

اس ماہ کا قطعہ

کہاں جائیں انسان گھروں سے نکل کر
پریشاں ہے بستی بسا کے ہوئے ہیں
ابھی آ کے ٹھہرے نہیں تھے منزل
کہ بستی میں پھر ... ہو گیا

ماہ تہذیب حسین تہذیب ... رحیم یار خان

ظرف

اگر کسی کم ظرف کو آزمانا ہو تو اس کو زیادہ عزت دو، اعلیٰ ظرف ہوا تو آپ کو اور زیادہ عزت دے گا اور کم ظرف ہوا تو خود کو اعلیٰ سمجھنے لگے گا۔

عشرت بیگم ... مردان

اس ماہ کام کی باتیں

☆ دشمن کے حسن سلوک پر بھروسہ مت کرو، پانی کو آگ سے کتنا بھی گرم کیا جائے وہ اس کو بجھانے کو کافی ہے۔

☆ یہ بھی تجارت اور کرم میں داخل ہے کہ لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے عیبوں کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

☆ دیانت داری اور محنت کی کمائی سے سنگ مرمر کے محل تعمیر کیے جا سکتے ہیں۔

☆ اگر کوئی چیز کسی کے سپرد کرو تو دانا کے سپرد کرو اگر دانا میسر نہ ہو تو خود کرو ورنہ نہ کرو۔

☆ جب ... کرتا ہے کہ زندگی کیا ہے تو آدھی گزر چکی ہوتی ہے۔

☆ انسان کی شخصیت ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے اندر کا حال کوئی نہ معلوم کر سکے۔

☆ دوسروں کے چراغوں سے ... ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

☆ بعض لوگ ٹی بیگ کی طرح ہوتے ہیں جنہیں جب تک کھولتے پانی میں نہ ڈالا جائے تب تک پتا نہیں چلتا کہ ان کا رنگ کتنا تیز ہے۔

☆ ایسے شخص کو ... کبھی شکست نہیں دی جا سکتی جو وقت پڑنے پر اپنی خامی کو خوبی اور دوسروں کی خوبی کو خامی ثابت کرے۔

رمشا ... کراچی

اس ماہ کی ایڈوائز

"کیا بات ہے انجینئر صاحب! آج کل آپ بجھے بجھے سے لگ رہے ہیں؟" زویان نے عمر سے کہا جو بظاہر نظریں لیپ ٹاپ کی سکرین پر جمائے کسی گہری سوچ میں تھا۔ "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" عمر نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "کیوں جھوٹ بولتے ہو، فائدہ نہیں، میں سب کچھ جان گیا ہوں۔" وہ اس کا کزن ہونے کے ساتھ ساتھ عزیز از جان دوست بھی تھا۔ "کیا واقعی؟" عمر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ہاں میری جان! میں جان گیا ہوں کہ تجھے "لوریا" نہیں ہو گیا لوریا کا دور گیا لیکن کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ آج کل ... کی وبا ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔" زویان نے کہا تھا۔ "بکواس!" وہ سخت چڑ کر بولا۔ "کیوں بھلا کیا میں نے غلط کہا؟ ... لیکن تمہیں ہوا؟" اس نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں" اس نے اعتراف کیا۔ "تو پرابلم کیا ہے؟"

"پرابلم میری کولیگ ہے۔ وہ چند دن پہلے ہی آفس میں ایک خوبصورت اضافہ ہوا ہے اور مجھے اس سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی ہے۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں مگر کہنے سے ڈرتا ہوں، کہیں وہ مجھے ریجیکٹ نہ کر دے۔" عمر نے اپنے بالوں کو مٹھی میں لے کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"کوئی نابینا ہی لڑکی تمہیں ریجیکٹ کرے گی، ورنہ کسی آنکھوں والی لڑکی سے مجھے اس حماقت کی امید نہیں۔" زویان نے اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یار اس کا رویہ ... کزن مجھ سے بھی کہیں زیادہ ہینڈسم ہے جو ... آفس آتا ہے۔" اس نے بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں تو فکر نہ کر میرے پاس ایک حل ہے۔" زویان نے کہا تو وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔ "تو اس حسینہ کو روز ایک سیب گفٹ کیا کر۔" زویان نے کہا تو عمر نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔ "اس سے کیا ہو گا؟" اس نے پوچھا۔ "An Apple A Day keeps the doctor away" زویان نے اسے بتایا تو جب کر دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

جہاں آفتاب ... کراچی

☆—☆....☆



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"میں نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد ختم ہو چکی تھی تو اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا جنھوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کوئی بدعت کا کام ایجاد کیا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پسند نہیں فرماتے تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جنھوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی"۔

(ترمذی)

رسول کریم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے 4 رکعت (سنت) پڑھا کرتے اور آپ نے فرمایا: "یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل (نماز پڑھنا) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو"۔ (ترمذی)

سیدہ فاطمہ ۔۔۔ کراچی

دعا

اگر اللہ تمہاری دعائیں پوری کر رہا ہے تو وہ تمہارا یقین بڑھا رہا ہے اگر تمہاری دعائیں پوری کرنے میں دیر کرتا ہے تو تمہارا صبر بڑھا رہا ہے، اگر تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دیتا تو تمہیں آزما رہا ہے لہٰذا آپ دعا مانگتے رہیں دعا ایک دستک ہے اور دستک بار بار دیتے رہنا چاہیے دروازہ کھل کر ضرور رہتا ہے۔

ماروی ۔۔۔ خیر پور

باتوں سے خوشبو آئے

☆ خوش رہیں اس لیے نہیں کہ آپ خوش رہنا چاہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ کچھ لوگ آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

☆ ہر سچ بات کہنے سے مت ڈرو کیونکہ زندگی تمہیں موت دے سکتا ہے اور نہ کوئی تمہارا رزق کم کر سکتا ہے۔

☆ دشمن سے ہر وقت بچو مگر دوست سے اس وقت بچو جب وہ تمہاری بے جا تعریف کرنے لگے۔

☆ اگر دنیا میں صرف سکون ہوتا تو لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے سکون تو صرف ان لوگوں کے پاس ہے جو اللہ کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہیں۔

☆ غصہ اور نفرت آگ اس تیل کی طرح انسان کے وجود کو بھر کر دیتے ہیں۔

☆ جب انسان زندگی کی آزمائشوں سے تھک ہار کر ٹوٹ جاتا ہے تو وہ مجبوراً اس کی سمت لوٹ آتا ہے۔

☆ اچھے لوگ انسان سے بچھڑ کر بھی خوشبو کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ اگر کسی کو کچھ دینا ہے تو اسے احساس دو، وہ ہر چیز واپس لے سکتے ہو مگر کسی کو دیا ہوا احساس اور وقت واپس نہیں لے سکتے۔

سکان ۔۔۔ قصور

جان لو اگر

تم اپنے رب پر بہت بھروسہ کرتے ہو تو
یہ بھی جان لو کہ
تمہارا رب بھی بھروسے کو
کبھی ٹوٹنے نہیں دے گا...
کون کہتا ہے اللہ نظر نہیں آتا؟
اک وہی تو نظر آتا ہے
جب کچھ بھی نظر نہیں آتا...

ریحانہ نور رضوان ۔۔۔ کراچی

میں ٹھیک ہوں...!

میں تمہیں سلام بھیجنا چاہتا ہوں لیکن جہاں میں رہتا ہوں، یہاں درخت نہیں ہیں، صرف خزاں رہتی ہے۔ خشک پتے بھی نہیں ہیں صرف اور صرف زرد اور بے جان سانسیں ہیں۔
میں تمہیں دعائیں بھیجنا چاہتا ہوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ دانشوروں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی بھولی بھٹکی دعا تمہیں لگ بھی گئی تو تمہارا کیا بنے گا؟
عادت ہے جو دکھ کی ہی کیوں نہ ہو، عادت ہی ہوتی ہے۔
میں تو تمہیں اپنے آنسو بھی نہیں بھیج سکتا۔ مرجھائی ہوئی چیزیں بھیجنے کا کیا فائدہ؟ کیا میں تمہیں اپنے زخم بھیج دوں... تازہ کھلے ہوئے زخم یا عجیب و غریب پھول نما بوسیدہ زخم۔
لیکن بہتر یہی ہے کہ تمہیں دکھ دینے اور اداس کر دینے والی کوئی بھی چیز نہ بھیجی جائے۔ محبت بھی نہیں اور یاد بھی نہیں... بس یہ پیغام بھیجا جائے کہ میں ٹھیک ہوں۔

مشکبہ ممتاز احمد ۔۔۔ کراچی

زندگی

زندگی میں کبھی بھی کسی رشتے کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ انسان کیونکہ ایک سماجی جانور ہے، اس لیے وہ پوری زندگی اکیلا نہیں گزار سکتا ہے اور نہ ہی صرف ایک انسان کے لیے کوئی خوشی خوشی زندگی بسر کر سکتا ہے کیونکہ زندگی کو سنبھالنے کے لیے ساتھ ضروری ہے اور کھلے دل سے ہمیشہ آنے والوں کو خوش آمدید اور جانے والوں کو خدا حافظ کہنا چاہیے۔ خواہ وہ لوگ جنھیں ہم بہت پیار کرتے ہوں ہمارے پاس رہیں یا نہ رہیں کیونکہ جانے والوں کو روک کر دکھ منانا بہت تکلیف دہ ہے۔

قمار شاہ ۔۔۔ گوجرانوالہ

محبت کس سے کی جائے؟

انسانوں سے
کہ یہ بے وفا ہوتے ہیں
خوشبوؤں سے
یہ تو اڑتی ہوتی ہیں
پھولوں سے
لیکن ان میں بھی چبھن ہوتی ہے
آگ سے
مگر یہ جلا دیتی ہے
سورج سے
مگر اس کی تپش ہوتی ہے
دنیا سے
مگر یہ سر کے بل گراتی ہے
گہرائی سے
مگر یہ اپنے اندر ڈبو لیتا ہے
تو پھر کس سے محبت کی جائے
اس خدا بزرگ و برتر کی ذات سے محبت کی جائے
جس کی محبت پر کسی کو شک نہیں

فرزانہ شوکت ۔۔۔ کراچی

قطعہ

میرے وطن کے سپاہی ہیں جب تک زندہ
اس پاک وطن کی نہ آنچ آئے گی
یہ وہ وطن ہے جسے جانیں لٹا کے پایا ہے
وفا کی خوشبو نہ اس کی فضا سے جائے گی

سہانی گل ۔۔۔ رحیم یار خان

خوش اخلاقی

جس طرح ریت میں قطرے جذب ہو جاتے ہیں اور ان کا احساس بھی باقی نہیں رہتا اسی طرح ہمارے چند جملے کسی کے دل میں نشتر بن کر اتر سکتے ہیں اور دوسروں کے دل میں دکھ کا احساس پیدا کر سکتے ہیں اس لیے جب بھی کسی سے بات کریں تو یہ سوچ کر زبان سے الفاظ نکالو کہ جس طرح پانی کے قطرے ریت سے نکالے نہیں جا سکتے اسی طرح ایک بار منہ سے نکلی ہوئی بات کا اثر بھی دل سے دوبارہ نہیں نکالا جا سکتا۔

منیزہ نوشی ۔۔۔ وہاڑی

بکھرے موتی

☆ دنیا میں رہتے ہوئے کچھ لوگ دولت کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور کچھ انسانیت کے حصول میں زندگی صرف کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دولت والے اکثر زندگی میں نامراد ہو کر مرے اور انسانیت والے زندگی کی پیشانی پر امر ہو گئے اور اپنی زندگی میں ہی مر کر بھی امر ہو گئے۔ ہم بن کر مر کر بھی جی لیتے ہیں۔

☆ دھوکہ دہی کے وقت ہمارا تصور اتنا محدود کیوں ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے فقط ایک شخص کو دھوکا دیا ہے۔ جبکہ درحقیقت ہم ایک فرد، ایک دل، ایک گھرانا، ایک ادارے، ایک خاندان، ایک نظام اور معاشرتی نظام کو دھوکا دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک انسان کم از کم اتنے دائرے ضرور رکھتا ہے۔

☆ اگر ہماری زندگی میں صداقت ہے تو اس کا اثر لوگوں پر خود بخود ہوگا۔ محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں البتہ محبت پھیلانا ہر ایک کے اختیار میں ہے۔

☆ دل ایک پرفیوم کی بوتل کی طرح ہے اگر تم اسے کھولو گے تو بہت جلد اس کی خوشبو کو بکھیرو گے اور کرا دو گے۔ کبھی نہ کھولو گے تو اس کے اندر کی خوشبو کوئی نہیں جان سکے گا لہٰذا اسے احتیاط سے استعمال کرو۔

فرزانہ شوکت ۔۔۔ کراچی

اللہ کے نیک بندے

ایک روز خلیفہ ہارون رشید نے لوگوں سے کہا کہ اگر اللہ کے نیک بندے بننا چاہتے ہو تو بچوں جیسی عادتیں اپنالو۔ لوگوں نے پوچھا کہ بچوں جیسی عادتیں، یہ کیا فرما رہے ہیں آپ؟ خلیفہ ہارون رشید نے کہا کہ بچوں میں سات عادتیں ایسی پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ بڑوں میں ہوں تو وہ صحیح معنوں میں نیک بن جائیں۔ وہ عادتیں یہ ہیں۔

☆ بچے رزق کا غم نہیں کرتے۔

☆ رو دل کر کھاتے ہیں۔

☆ لڑتے ہیں تو دل میں کینہ نہیں رکھتے۔

☆ لڑائی کے بعد صلح کر لیتے ہیں۔

☆ وہ اپنے بڑوں سے ڈرتے ہیں۔

☆ ذرا سی ہمدردی سے ہار جاتے ہیں۔

☆ دشمنی کا جامہ نہیں پہنتے۔

شرط

ایک انگریز اور ایک آئرش تھیٹر میں فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ فلم میں ایک سین آتا ہے کہ ایک شخص ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور گھوڑا بہت تیز دوڑ رہا ہوتا ہے۔ انگریز بولا، آئرش کو کہتا ہے یہ ضرور گر جائے گا۔ آئرش بھی چیخ کر کہتا ہے کہ نہیں گرے گا۔ دونوں میں شرط لگ جاتی ہے اور تھوڑی دیر بعد وہ آدمی گھوڑے سے گر جاتا ہے۔ انگریز چیختے ہوئے بولتا ہے دیکھا میں نے کہا تھا نہ یہ گرے گا۔ آئرش منہ لٹکاتے ہوئے کہتا ہے۔ دراصل میں نے کل رات بھی یہ فلم دیکھی تھی اور یہ کل رات بھی گر پڑا تھا تو میرا خیال تھا کہ اس بار یہ گھوڑا سنبھل کر چلائے گا۔

خان صاحب

ایک مسجد میں نماز کے بعد دو آدمی ایک خان صاحب کے بارے میں بات کر رہے تھے جو کہ دور ہی کھڑے نوافل ادا کر رہے تھے ایک آدمی نے کہا کہ خان صاحب محلے کے سب سے شریف آدمی ہیں خود بھی تعلیم یافتہ ہیں اور بچوں کو بھی اچھی تعلیم دلائی ہے دوسرے نے کہا کہ نہ صرف تعلیم بلکہ تربیت بھی بہت اچھی کی ہے محلے کے سب بچوں سے زیادہ شریف اور مہذب بچے ہیں خان صاحب کے پہلے آدمی نے کہا خان صاحب اپنی بات کے بہت پکے ہیں اور جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں دوسرے نے کہا کہ پنج وقتہ نمازی اور پرہیزگار ہیں شاید ہی کبھی روزہ اور نماز ان سے چھوٹی ہو صوم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند ہیں" حاجی بھی تو ہوں" خان صاحب نماز کے دوران ہی بول پڑے۔

ام کلثوم ۔۔۔ لاہور

☆———☆———☆

ذرا پھر سے کہنا

نعت

سرکار میرے درد کی دوا ہو جائے

میری ہر سانس تیرے در کی گدا ہو جائے

بڑے اوج پہ چمکے گا پھر میرا نصیب

گر مدینے کو رواں یہ قافلہ ہو جائے

آنکھوں میں نگاہوں میں سرمہ بنا کر

کہ طیبہ میرے لیے خاک شفا ہو جائے

ہو مقدر یاوری پہ تو چوموں نعلین مبارک

شاہوں کے مقابل میرا سر اونچا ہو جائے

تیرے انوار کی دید سے پھوٹیں گی شفق کرنیں

وجود کی تابش سے آنگن میں اجالا ہو جائے

بجھتی آنکھوں میں تیرا جمال ہو جلوہ گر

آخری لب پہ جاری صل علیٰ ہو جائے

قسمت کا دھنی ہو جو ہے مہمان تیرا

کرم مجھ پہ بھی شہ والا ہو جائے

ان کے کوچے کا موسم جو بنے ان کا ستارہ کر

تاجداروں کے مقابل وہ بالا ہو جائے

حافظ مون شاہدہ جاوید

نظم

لب سے پلکیں جھکا کے کہتے ہیں

دل میں تم بستے ہو

نظریں ملا کے کہتے ہیں

یوں کر دو محبت ہم سے کہ جل جائے زمانہ

ہم اعلان محبت سر عام کرتے ہیں

سائرہ ناز محمد شفیق

نظم

اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجا لے مجھ کو

میں ہوں تیرا تو نصیب اپنا بنا لے مجھ کو

میں جو کانٹا ہوں تو چل مجھ سے بچ کر

اور جو پھول ہوں تو

دستار میں سجا لے مجھ کو

مجھ سے تو پوچھ آ کے وفا کے معنی

یہ تیری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو

میں سمندر بھی ہوں موتی بھی ہوں اور غوطہ زن بھی

کوئی بھی نام میرا لے کر بلا لے مجھ کو

سیدہ فرزانہ حبیب فرزی

نظم

سنو!

روز عید بھی کہتا ہے

گلے ملو کی

ہر کنگن کی چھن چھلا کر

اپنے

ملنے کا

گلاب سے خوشبو کا
استقبال کرنا

فرزانہ شوکت

دل کے آنگن میں

عمر کے ساتھ ہی
کچھ پھول کھلتے ہیں، بکھر مرجھا جاتے ہیں
پہلے دوستی کے اعتبار کے
ہر سو خوشیوں چاہتوں کے
پھر محبت کے قوس و قزح کے
بے وجہ مسکراہٹوں کے
پھر ناراضی کے، بے وفائی کے
جدائی کے
عمر کے ساتھ ہی
کچھ پھول کھلتے ہیں، بکھر مرجھا جاتے ہیں

مریم مغل

غم

مدتوں شناسائی رہی
اک ملاقات کے بعد
یوں دل کو بھا گیا وہ
اک ملاقات کے بعد
ابھی وہ تھا غم وقت کے چکروں میں مبتلا ہی
وہ جیت گیا بازی
اک ملاقات کے بعد
جانے وہ کون سا لمحہ تھا
ہم جکڑے گئے جس میں
وہ لوٹ گیا قرار میرا
اک ملاقات کے بعد

زاہدہ [illegible]

مکمل

میری زیست تم پہ
ختم
تم سے شروع ہوتی ہے
زندگی بنا تیرے
جیسے ایک
سزا ہوتی ہے
تیری [illegible]
[illegible]
ستاتی ہیں
راتوں کو جگاتی ہیں
میری آنکھیں تجھ ہی
کو دیکھنا چاہتی ہیں
سنو جاناں
میری ذات
اب
مکمل ہونا چاہتی ہے

افشاں آفتاب

کالج کا [illegible]

لڑکیاں کالج کا پیکر ہوتی ہیں
جب ماں کی نرم آغوش میں
جب باپ کی لاڈ بھری گود میں
جب بھائی کی محبت بھری چھایا میں
بچپن سے جوانی کے زمانے پار کرتی ہیں
[illegible] میں ایک نازک چڑیوں کی طرح
[illegible] کا خوبصورت عکس بھی جاتی ہیں
آنکھوں میں کھنچی کاجل کی دھار کی طرح
[illegible] کے رنگین آنچلوں کے ساتھ بہہ جاتی ہیں
[illegible] جیسے تنکے پر [illegible] بکھر جاتی ہیں
[illegible]
[illegible] ہو کر بکھرتی نہیں
[illegible] موم کی طرح ڈھل جاتی ہیں
[illegible] حالات سے [illegible]
[illegible] کھل جاتی ہے
[illegible] کالج کا ذکر نہیں
[illegible] محبت کرنے والی
بس ہوتی ہیں

اقرا سیف

سنو! چلو اک کام کرتے ہیں

[illegible] چاہتوں کے سب [illegible] تیرے نام کرتے ہیں
[illegible] پھول ساری [illegible] تیرے نام کرتے ہیں
[illegible] اقرار محبت [illegible] وفا کرتے ہیں
[illegible] وفا کرتے ہیں
[illegible] عشق و محبت کی [illegible] کرتے ہیں
اپنی حیات کے سارے حسین [illegible] پھول تیرے
نام کرتے ہیں
[illegible] اپنی چاہت [illegible] محبت [illegible]
[illegible] عشق محبت میں [illegible] کرتے ہیں
[illegible] سے یہ اقرار محبت [illegible]
جیون کا ہر پل ہر Valentine تیرے نام کرتے ہیں

[illegible] شاہ

میری ماں

میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میری ماں
میرے دل کا سکون ہے میری ماں
میری زندگی کی دعا ہے میری ماں
میرے درد بھرے زخموں کا مرہم ہے میری ماں
جب بھی دکھوں میں ہوں
تو بڑے پیار سے میرے بالوں کو سہلاتی ہے میری ماں
میرے ماتھے سے ان بکھری زلفوں کو ہٹاتے ہوئے
میٹھی سی پیار بھری آواز میں
میرا نام پکارتی ہے میری ماں
ان کے الفاظوں کی مہک
میری روح تک میں
اک سرشاری سی بکھر جاتی ہے
اپنی محبت بھری آغوش میں
[illegible] لاڈ سے سلاتی میری ماں
اپنی سکون بھری چھاؤں میں سمیٹ کر
جنت کی سیر کراتی ہے میری ماں
اور اس وقت یہی سوچتی ہوں میں
کاش یہ لمحے تھم جائیں
اور یوں ہی گزر جائے
میری پوری عمر ماں [illegible]

[illegible] اعجاز حسین

میرا درد پھر سے غزل بنے

میرا درد پھر سے غزل بنے
کبھی گنگناؤ تو اس طرح
میرے زخم پھر سے گلاب ہوں
کبھی مسکراؤ تو اس طرح
میری دھڑکنیں بھی لرز اٹھیں
کبھی چوٹ کھاؤ تو اس طرح
جو ملیں تو پھر بڑے شوق سے
کبھی رابطے، کبھی ضابطے
کبھی دھوپ چھاؤں میں تو زدہ
نہ شکست دل کا غم کرو
نہ کسی کا خواب جاں
نہ کسی سے اپنی خلش کہو
یوں ہی خوش رہو، یوں ہی خوش رہو
نہ تجھے کبھی نہ سنور سکیں
کبھی دل دکھاؤ تو اس طرح
نہ سمٹ سکیں نہ بکھر سکیں
کبھی بھول جاؤ تو اس طرح
کسی موڑ جاں سے گزر سکیں
کبھی یاد آؤ تو اس طرح

طاہرہ حسن

زندگی

زندگی کے اوراق دہراتے رہو تم
تم خود ایک کتاب ہو سمجھا کرو تم
ہر واقعہ تمہارا کچھ بتا رہا ہے تم کو
ہر دوسرے کی حقیقت سمجھا رہا ہے تم کو
یہ کتاب تمہاری ہے تم مالک ہو اس کے
اوراق اس کے پلٹتے رہو تم

فرخ سلطانہ

غزل

غم میں ڈوبے ہوئے لمحات دلا دیتے ہیں
لوگ جب ہم کو محبت کی سزا دیتے ہیں
دل سے ہر نقش [illegible] مٹا دیتے ہیں
آؤ ہم آج اسے [illegible] دیتے ہیں
شب کی آنکھوں سے برستے [illegible]
طاق پر جلتے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں
وقت [illegible] پہ بدل لیتے ہیں آنکھیں اپنی
[illegible] محبت کا صلہ دیتے ہیں
اپنی آنکھوں [illegible] ہم جنہیں ملا سکتے نہیں
اپنی نظروں سے [illegible] دیتے ہیں
ہم بھی دست ہیں کیا [illegible] کی خاطر
زندگی آؤ تجسیم ان پہ [illegible]

نعیم

غزل

آغوش میں یادوں کے خزانے بھی تھے موجود
تم سے میرے ملنے کے بہانے بھی تھے موجود
گو دل پہ تیرے ہجر کی یہ چوٹ نئی تھی
کچھ دل میں میرے زخم پرانے بھی تھے موجود
آسیب زدہ گھر میں وہ تنہا تو نہیں تھی
ناشاد پرندوں کے ٹھکانے بھی تھے موجود
دیکھی نہ کسی نے بھی میرے درد کی تکلیف
خلش بھی تھا اشکوں کے خزانے بھی تھے موجود
جب ہم کو بڑے کرب سے یاد آئی تھی گھر کی
بکل جو تھا یاروں کے دیوانے بھی تھے موجود
اک چاند سے لگی تھی سیاہ زلف کی ناگن
میرا بھی تھا ماضی کے ٹھکانے بھی تھے موجود
جب آسیب زدہ غم در پہ آتا تو سہلاتی تھی فطرت
خوار پرندوں کے ترانے بھی تھے موجود
نظارہ آنکھوں میں کھلتے ہوئے پھولوں کی طرح تھا
جھکتی ہوئی نظروں کے نشانے بھی تھے موجود
لوٹیں پھرے اس شہر کراچی میں ہر چیز تھی واجد
صدیاں کی تھیں قدموں کے زمانے بھی تھے موجود

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

[illegible]

چاند اوب کیا [illegible] رہا
اس شکستہ دل میں پھر [illegible]
میں نے دیکھا نظر بھر کے پھر [illegible]
مجھ کو دیکھ کے وہ پہلو بدل رہا
[illegible] ہو گئے سبھی خواب میرے
[illegible] کے ساتھ چلتا رہا
[illegible] ساتھ نہیں [illegible] نہیں
بن ملی خوشی زندگی [illegible]
کھائے ہیں فریب کسی کی وفا میں [illegible]
[illegible] کے ماروں کا دل پھر سے سنبھل [illegible]

محمد اسلم جاوید

غزل

مجھ سے اک بار جو کہا ہوتا
تو اکیلے نہ غم سہا ہوتا
نہ محبت تو دل لگی ہی سہی
تم سے کچھ میرا رابطہ ہوتا
تم نے بدنام کر دیا ورنہ
ذکر میرا بھی بارہا ہوتا
آگ نفرت کی جو دبا دیتے
تو یہ گھر یوں نہ جل رہا ہوتا
امتیاز چاہت کا کچھ حسیں منظر
آنکھ کیا دل میں بھی رہا ہوتا

انیس امتیاز احمد

غزل

وہ خواب زندگی کو سنورتا ہوا دیکھا
ہر پہلوئے حیات نکھرتا ہوا دیکھا
ترک عہد سے پہلے جو کرتا رہا پردہ
کل شام سر عام گزرتا ہوا دیکھا
افسوس کہ اپنے ہی دیا کرتے ہیں دھوکا
سائے میں آ کے سائے کو مرتا ہوا دیکھا
الجھن سی اک میرے خیالوں پہ چھا گئی
خوابوں میں بھی دریا کو بپھرتا ہوا دیکھا
نظریں بھی تیری قاتل حسین ہیں ساجد
سپنوں کا محل اپنے بکھرتا ہوا دیکھا

سید ساجد

غزل

[illegible] ساتھ لیے راستے
[illegible] سفر ہیں فاصلے ہیں

غزل

میں تم کو جیت لوں گی ہار کر بھی
میرے جذبوں میں اتنے حوصلے ہیں
یہ آنکھیں دید کو ترسی ہوئی ہیں
تمہاری یاد سے تنہائیاں ہیں رنگے ہیں
یہ چاہت [illegible] کس کو راس آئی!
کہیں پر دل کہیں [illegible] جلے ہیں
تمہاری راہگزر میں [illegible]
تمہارے واسطے ہی [illegible] ہیں

رضوانہ [illegible]

غزل

زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے کچھ پانا قیمت چکاتا ہے
اک اک لمحہ پل پل بکتا ہے جو یہاں
جو چاہے لینا قیمت چکاتا ہے
خوشی ہو یا مسکراہٹ
سب کی اپنی قیمت ہے یہاں
زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے کچھ پانا قیمت چکاتا ہے
گر مل جائے خوشی تھوڑی
لمحے بھر کی ہوتی ہے یہ خوشی
زندگی اک میلا ہے خوشی کا
جو چاہے پانا قیمت چکاتا ہے

زارا صدف قمر

غزل

وہ سامنے ہو تو لگتا ہے فلک جھکا ہے
پہلے ہی دن سے میرا دل اس کے لیے دھڑک چکا ہے
اس کی نظریں جب اٹھیں ایک ہی تو لمحہ گزرا تھا
پھر بھلا کیوں میرا دل دھڑک پڑا ہے
مانگی ہے ہر سات کی [illegible] نے دعائیں
جبھی تو ہر جگہ [illegible] پڑا ہے
کل ساری شب [illegible]
[illegible] کہتا ہے شہر [illegible]
[illegible] سے گزر اس کا ہوا ہے
یوں ہی [illegible] سایہ کوچہ جھک پڑا ہے
مجھے لگتا ہے جیسے [illegible] کہنا چاہتا ہے
بار بار میرے پاس آکر [illegible] پڑا ہے
سوچا ہے اس کے سنگ گزارے گی [illegible]
دیکھا ہے آئینے میں ابھی میرے رخسار پہ چمک پڑا ہے
کہیں ایسا تو نہیں وہ دھیان اس کا بھی پکارا ہو
جبھی مرے سے میرے خواب میں رک چکا ہے
سرنام نہ محبت کا بھی [illegible]
دیکھا ہوگا تم نے بھی جگہ جگہ کا ٹک چکا ہے
محفل میں رقیب کا صرف ذکر ہی تو ہوا تھا
نہ جانے کیوں آنکھوں سے آنسو چھلک چکا ہے
[illegible] ذکر شازیہ [illegible] یوں یاد کریا
میرے دل سے [illegible] کہاں وہ تو دل میں اٹک چکا ہے

بشریٰ شازیہ [illegible]

نظم

ویران بہت ہوں
وصال سے تکمیل کر مجھے
تو پیار کر مجھ سے
ذرا تبدیل کر مجھے
صحرا کی تپتی ریت سے
آ کر مجھے بچا
تو ٹھنڈے میٹھے پانی کی
اک جھیل کر مجھے
[illegible] خواب کیسی میری عاشقی
[illegible] تکمیل کر مجھے
اب اس [illegible]
میں ہوں تیرا [illegible]
چھوڑ کر [illegible]
[illegible] اندھیری رات ہوں [illegible] تبدیل کر مجھے

نظم

[illegible]
وہاں.....
تک چھوڑ آیا ہوں.....

[illegible]

تنہا

امید وصل اک خواب
اک سراب
اور اس سراب کا حاصل
عمر بھر کی خلش
وحشت زدہ سی زندگی
زنجیر ہجر میں جکڑی ہوئی
تری ہوئی بکھری ہوئی
اور اس زندگی میں...
میں...!
اکیلی... تنہا...!

میرب غزل صدیقی

غزل

وہ سپنا ہے میرے من کا
وہ خواب ہے میری آنکھوں کا
میں ہر دم اس کو سوچتی ہوں
وہ ہی محور ہے میری سوچوں کا
رب اس کو کبھی نہ دکھ دینا
جو سکھ بنا میرے ہر دکھ کا
میرا چہرہ پھول سا کھل اٹھتا ہے
میں چہرہ دیکھوں جب ساجن کا
اس کا آنا عید کی نوید بنا
وہ چاند ہے میرے آنگن کا

سحر انجم

★—★—★

سندیسے

انشال علی........ کراچی

بہت سی پُر خلوص دعاؤں اور محبتوں کے ہمراہ تمام پڑھنے والوں کو انشال علی کا سلام قبول ہو۔ السلام علیکم: "گوشہ آگہی" میں صبا حنا پاکی خوب صورت سی اور "ردائے جنت" کے انمول موتیوں سے فیض یاب ہو کر جب آگے بڑھے تو جیا قریشی نے بہت ہی خوب صورتی سے "سبز رتوں کے موسم" دکھلایا جو کہ بہت اچھا ناول رہا۔ فرح ناز کا افسانہ "ماں" تو لی سا تھا۔ خوب صورت ناموں کے ساتھ ہما حسنین کے افسانے "انمول لہو" کو ایک بار پھر اس واقعے کی یاد کو تازہ کر دیں۔ انشال علی کا افسانہ "دل کے ارمان" نا جیتوں سے روشناس کراتا تھا۔ جو "عشق میں جی ور عشق ہی جانے" نائلہ طارق نے بالآخر خرم حسن کا باسٹ ایکسپوز کر دیا۔ انتقام کی طرف بڑھتا یہ ناول اچھا رہا۔ "برف زادوں کی کتھی" نام ہی اتنا خوب صورت تھا کہ اس نے کتنی دیر تک سحر میں جکڑے رکھا۔ افسانہ بھی کافی اچھا رہا۔ عائشہ الیاس کا افسانہ "شکست" عمدہ تھا۔ واقعی بعض گھرانوں میں یوں ہی بچے بچی کو بس کمائی کا ذریعہ اور پیسے کمانے کی مشین سمجھ لیا جاتا ہے۔ عشبہ احمد نے بھی ایک اچھے موضوع کی نشاندہی کی جو لوگ شہر کے چوراہے پر کھڑے ہو کر تقریریں کر کے نہیں تھکتے اپنے گھروں میں وہ ہی لوگ لوٹ لے نہیں تھکتے ملک کو بدلنا ہے تو اس کی شروعات گلی محلے سے نہیں بلکہ اپنے گھر سے کرنی چاہیے۔ ثمینہ فیاض کا نام دوسری بار ردا میں دیکھا نام دیکھتے ہی پہچان تو گئی پہلی تحریر کی طرح یہ سلسلہ بھی اچھا ہو گا اور واقعی میں نے جیسا سوچا بہت خوب صورت رہا۔ بہت ہی اچھی بات کہنے والی۔ تحروش آپی اور شازیہ آپی کی افسانہ بھلے میں شامل نہ تھی مگر پھر بھی شامل کر دیا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ تحروش آپی کے ناول کی کہانی بے حد ناموس آچکا ہے۔ باقی تمام سلسلے بھی کی طرح ٹھیک ہیں۔ اب بات ہو جائے سندیسوں کی تحروش آپ کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی آپ کی کیٹ ڈول ڈریس کی طرف سے ڈھیر سارا پیار۔ آپ معروفیت کے باعث خط نہیں لکھ پاتیں مگر سندیسے ضرور پڑھتی ہیں نا۔ تو میرا سندیسہ جب پڑھیں گی تو ضرور مسکرائیے گا کیوں کہ آپ کی لکھی اسٹوری کی طرح آپ کی مسکراہٹ بھی بہت پیاری ہے۔ سندیسے میں باقی سب نے بھی خوب رونق لگائی۔ پیاری سی عائشہ نیازی، رابعہ افضال، سحر یمین، فرح ناز اور ننھی منی سی صبا جہانگیر آپ سب کا بہت شکریہ میرے سندیسے کو پسند کرنے کا۔ ہم سب لکھنے والے تو عام سے خاص ہو جاتے ہیں جب وہ آپ سب کی پسندیدگی کا سند اختیار کر جائیں تو آپ سب قارئین ردا کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ رابعہ افضال، سحر یمین، فرح ناز اور صبا جہانگیر آپ سب کے تفصیلی سندیسے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ زاہدہ آپی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ فرح ناز دلہن کے نانا ابو کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ جب کہ ہماری پیاری سی آمنہ شاہ آپا کی والدہ بھی کافی علیل ہیں تو ان سب کے لیے پیاری

اور سب سے گزارش ہے کہ ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مریضوں کو شفا کاملہ عطا فرمائیں۔ آمین۔ "دوستوں کے نام پیغام" میں تحروش مہک اور ریا تحو در ضوان کا پیغام پڑھ کر اچھا لگا۔ پیاری سی عائشہ نیازی اتنی انمول دعاؤں کے تحفے کے لیے شکریہ۔ پیاری ہولی صبا جہانگیر آپ کا پیغام پڑھا ماشاء اللہ آپ نے سب دوستوں کو یاد رکھا یہ اچھے دوستوں کی نشانی ہے۔ سچ میں آپ کا پیغام بہت پیارا تھا اور ساتھ میں آپ کا شکریہ آپ نے میرے ساتھ میری بہن کو بھی یاد رکھا۔ ڈیئر رابعہ افضال خان ہمیں آپ کی دوستی باخوشی قبول ہے۔ واقعی اچھے دوست زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں اور مجھے ردا کے توسط سے آپ جیسی بہت سی پیاری دوستیں ملی ہیں۔ اب بات ہو سب سے خاص پیغام کی بہت ساری دعاؤں و مبارک باد کے ساتھ تحروش آپ کو آپ کی زندگی کا خوب صورت دن مبارک۔ دعا ہے کہ آپ کا ہر دن ہی خوب صورت گزرے۔ ہر دن عید ہو شب برات ہو۔ آمین۔ بہت بہت خوشی ہوئی جو تم نے اپنی خوشیوں میں ہمیں بھی شریک کیا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ آپی بہت خلوص کی میں بہت مشکور ہوں آخر میں دعا ہے کہ تمام قارئین بہنیں اور میری دوستیں ہمیشہ یونہی مسکراتی اور خوش رہیں۔ آمین۔ آپ کی دوست انشال علی کا جواب سندیسہ

نمروش شعلہ........ کراچی

سب کو میرا سلام لکھنے پڑھنے والوں کو میرا خلوص پیار۔ اس بار شہلا علی اور جیا قریشی چھا گئیں۔ آپ دونوں نے تو دل کو چھو لیا۔ ایک ایک کردار نے اپنا حق ادا کیا۔ امید ہے آگے بھی اور اچھے سے اور اچھا لکھیں گی۔ اس کے علاوہ شازیہ مصطفیٰ آپ کی ہر قسط سے بڑھ کر اس بار کی قسط چھا گئی (آئی لو یو)۔ نائلہ طارق کی بھی اچھی الگ ہی بات ہے آپ کے لکھنے کا انداز پھر دل بہت ہی ایک مکمل ناول بھی لکھ ڈالیں اور آپ کے منفرد انداز کے ساتھ کہ میں اور آگے نہیں پڑھ سکی وجہ ردا ڈائجسٹ اتنی لیٹ ملتا ہے کہ میں بامشکل سندیسے میں شامل پاتی ہوں۔ میں ہر ماہ سندیسے میں شامل ہو سکوں بلکہ سب کے بارے میں کمنٹس بھی دے سکوں اور اسی میں ایک بات اور واضح کرنا چاہوں گی کہ میرا سلسلے وار ناول "تیرے پیار کی خوشبو" اختتامی مراحل پر ہے آپ سب سے درخواست ہے کہ تعریفوں کے ساتھ مجھے میری غلطیاں بھی بتائیں تاکہ مجھے اور بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملے میں اور سے اور بہتر لکھنے کی کوشش کروں آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

کسی آوا........ کراچی

پیاری آپی السلام علیکم! اور سنائیں کیسی ہیں آپ سب سے پہلے تو آپ کو اور قارئین کو رمضان المبارک کی آمد کی دلی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو ایسی ہزاروں مبارک ساعتیں دیکھنا نصیب کرے۔ آمین۔ آئے ہمیں ہی کو ردا ملا۔ مگر وقت پر رسالہ جاتا ہے بہر حال اب بات ہو جائے مئی کے ردا کی تو جناب ہمیشہ کی طرح گوشہ آگہی کی خوب صورت خوشبودار باتوں سے محسور ہوتے ہوئے "ردائے جنت" کی طرف بڑھے۔ جس کی باتیں ہمارے لیے مشعل راہ بن کر دل میں اتر گئیں۔ اب بات ہو جائے افسانوں، ناولٹ، ناول سلسلے وار سلسلوں کی جو ہمیشہ کی طرح اپنے چاہنے کے لیے ذہیروں تجسس چھوڑ کر اگلے ماہ تک کے لیے بے تاب و بے کلی کر جاتے ہیں سو وہ اب بھی کر گئے اب بات ہو جائے اس ماہ کے افسانوں کی فرح ناز کا "ماں" تحروش اور تحروش کا کردار اچھا لگا۔ ہما حسنین نے "انمول لہو" کی صورت میں پشاور کے سانحہ کو تازہ کر کے پھر ایک بار سب کو اداس کر دیا۔ انشال علی کی "دل کے ارمان" جاہلانہ رسم و رواج پر بہت خوب قلم اٹھایا۔ امبر ناز "محبت ہو جل جائے گا" نے بھی اچھا رنگ جمایا۔

ثمینہ فیاض اور لاریب اپنا اعتبار قائم کرنے کے کر سکتا تھتیں۔ ثناء کنول کی "برف زار کی تتلی" اچھے خوب صورت تاثر کی طرح بڑی خوب صورتی سے ابھی ابھی کی تحریر تھی جو بڑی مشکل سے سمجھ پائی۔ عائشہ الیاس کی "شکست" میں بے چارے آصف پر ترس آرہا تھا۔ طلبہ احمد کی "جرم" پڑھ کر ہم بھی احساس جرم میں گھر گئے کیوں کہ ہمارے گھر بھی کام کرنے والی بچی کم عمر ہے اور اب باری تھی "ردا کی ڈائری" کی جس کے سارے ہی انتخاب بہترین تھے۔ خاص کر تیف احمد فیض اور اسلام عبدالعزیز پڑھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اب انٹرویو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوتے دیکھ کر دل جھوم اٹھا۔ ایف ایم کے پروڈیوسر عدیل اقبال کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آگیا۔ کافی دلچسپ باتیں تھیں حالانکہ میں ایف ایم سنتی نہیں پھر بھی پڑھنے میں مزہ آیا۔ اسی طرح یہ سلسلہ اب ہمیشہ جاری رکھیے گا۔ اس ماہ میں اور خوشبو ہمیشہ کی طرح زبردست ہے۔ خاص کر احادیث اور اس ماہ کا قول زریں بھی بہت ہے کہا تھا میں نے ہماری تنہائی اور وظیفہ دوم حضرت عمرؓ سے لے کر تمام نظمیں غزلیں اچھی تھیں۔ اب اجازت۔

فریدہ فرید.........پاکپتن شریف

ردائے دوستی کو سلام خلوص عرض ہے۔ مئی کا ردا ڈائجسٹ بھرپور رنگوں سے مزین ہو کر آیا۔ ہماری تو عید سے قبل عید ہو گئی۔ ایک ہی دن میں ردا کو یوں پڑھا جیسے ایک ہی سانس میں کوئی چٹ پٹی چاٹ چٹ کر جائے۔ ناول میں مکمل ہمدردی اور طلب تھی۔ "گوشۂ آگہی" میں آپی نے لفظوں سے پھولوں کے گجرے پہنا دیے۔ آپی آپ کی نصیحت نے اتنا اثر کر دیا ہے کہ اب افسانہ لکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ جو بات سے ہٹ کر قلم نہیں چلتا۔ "ردائے جنت" ہمیشہ کی طرح دل و دماغ کو معطر کرنے والی معلومات سے مزین تھا۔ سلسلے وار ناول میں شازیہ جی کے ہیجز

کی طرح فیصلے مصطفیٰ اور نبیلہ جیسی حیا جیسے علیک سلیک کر کے ناکلہ جی تک پہنچے تو ناکلہ جی آپ کی تحریر اب جوبن پر ہے۔ ترمین کی شہہ رگ کے نیچے نشان کو عیاں کرنے کا منظر بے حد متاثر کن تھا۔ یعنی مناظر عکسی سے ہوتے ہیں مگر لکھاری کا انداز تحریر ان میں جان ڈال دیتا ہے جیسا کہ ناکلہ جی کا قلم سحر کار ہے۔ قمر ریش جی کے ناول میں ڈالے آج کل ہماری تمام تر چاہت سمیٹے ہوئے ہے۔ رزینہ کے روتے ہوئے انتہا غصہ ڈالے اور ارشد کو بھی نہیں آتا ہو گا جتنا ہمیں آتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت بھائی اور شوہر کے درمیان گھن کی طرح پستی ہے۔ مکمل ناول میں حیا قریشی نے تہا سکندر کو جیتا جاگتا کردار بنا کر پیش کیا۔ وجدان سے ہم زیادہ متاثر ہوئے۔ اب حسب معمول افسانے بھی اچھے لگے۔ شاہدہ علی کا موضوع کا انتخاب اور انداز زبردست تھا۔ عائشہ الیاس، عنا حسین، انشال علی، امبرین، ثمینہ فیاض سب نے اپنے اپنے انداز میں مختصر اور جامع لکھ کر ثابت کیا کہ ہم ردا کو افسانوں کی سرزمین یونہی نہیں کہتے۔ فریحہ ناز کی تحریر جو بلکہ پوری پڑھے بغیر چھوڑ نہ سکے دل جیت لیا ہو تحفت۔ ثناء کنول جی کنول اور برف زاروں کی تتلی کی تشبیہ کمال تھی۔ ایک پیراگراف تمام افسانے کی جان تھا۔ افشاں طلبہ احمد کا انتخاب "جملا کس کے" اچھا تھا۔ نوریہ احمد اپنے اس ماہ میں کوئے کر ہمیشہ کی طرح پیرہنٹ ہیں۔ حنا کمر کا اس ماہ میں ہری سرنگیں ہرے کا تھا۔ ربیعہ اور آپ نے نورین ملک کے بارے میں جو کہا اس پر میں اپنی رائے کے طور پر ایک مختصر قصہ بیان کروں۔ دو بچے آپس میں لڑ رہے تھے ایک کہتا ہے میری ماں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہے دوسرے نے کہا نہیں میری ماں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ تیسرے بچے نے کہا نہیں میری ماں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ تیسرے

بچے نے کہا بھی لڑائی کیسی تم دونوں کی مائیں اپنی اپنی جگہ تم دونوں کو بہت پیار کرتی ہیں تو چوتھے بچے نے کہا بھی لڑائی اسی بات کی تو ہے جب کہ (دونوں بھائی ہیں) دونوں کی ماں ایک ہی ہے۔ بس جان لیجیے کہ ہمارا بھی یہی دعویٰ ہے جو آپ کا ہے۔ ردا کی بات کریں اور سنڈیلے کا ذکر نہ ہو ناممکن ہے۔ اس ماہ معروف و معتبر لکھاریوں نے سنڈیلے میں رونق لگا رکھی تھی۔ قمر ریش جی خوش نصیب تھے وہ نام جو خیر کے جواب آپ کے قلم سے ادا ہوئے۔ بھئی آرا جی آپ کی بار یک بین نظر کو سلام۔ عاصیہ نیازی پا در ول تم بیک بھر بہت ذرا جلدی میں نظر آ گئیں۔ گل مہر وفریح ناز، زاہدہ باجی، شاہدہ علی مختصر مگر جامع تبصرہ تھا۔ صبا عبا نئی آپ کو تقنا خوشی ہی تھی ہے آپ کا نام ہر لسبز پر اچھا لگتا ہے۔ آپ کا بڑا دل آپ کے سنڈیلے اور پیغام کی ہر سطر سے عیاں ہوتا ہے۔ پا انتخاب نبیرہ ہنگیم کی تعریف ہر ایک کے بس کی بات نہیں کمال کی تعریف پایا ہے دوست۔ چنچل انشال علی ہماری تو گفتگو بھی آپ کی ہر ایک سے شگفتہ انداز نے ہمارا دل جیت لیا ہے۔ لفظوں میں چاشنی اور خلوص کا اثر لیے آپ کی باتیں بہت پسند ہے۔ رابعہ افضال خان کی دوستی کی تاثیر کے بارے میں پڑھتے آئے تھے آپ سے مل کر تجربہ بھی ہو گیا۔ بسا اوقات میں دو کناروں کے ملنے ایک ہو جاتے ہیں آپ سے مل کر جانا۔ آپ نے دوستوں کے نام پیغام میں ضرب المثل کی بات کہہ دی ہم نے یونہی تو نہیں کہا تھا کہ ہم بڑی لکھتے ہیں دوست۔ ثناء کنول آپ نے اپنی خوب صورت یادوں کو ہم سے شیئر کیا۔ استارہ یا فوزی انداز اور بیان تو ہم نے پہلے ہی سب پڑھ لیا۔ جس طرح یاسین بھائی کو آپ سا ہو بہو لینا۔ ایسے ہی اللہ آپ کو دائی خوشیوں سے نوازے۔ آمین۔ طوالت پر معذرت کے ساتھ اجازت۔

نفیلہ طارق.........................کراچی

السلام علیکم صالحہ آپی، نورین اور تمام عزیز قارئین کو محبت بھرا سلام۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سرورق رنگ دار تھا۔ "گوشۂ آگہی" کا تو ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے۔ نعت پاک کے کمبا میں نے بھی ذہن نشین کر لیا ہے۔ بہت شکریہ آپی۔ مارچ کے شمارے میں آپی کی تحریر "عزم سفر" کی آخری سطریں بہت کارآمد ہیں۔ بے شک جدوجہد میں ہی کامیابیاں چھپی ہوتی ہیں۔ "ردائے جنت" بے شک ایک ایمان افروز سلسلہ ہے۔ سلسلے وار ناول "تم سے مانگوں میں تم کو" شازیہ مصطفیٰ بہت عمدگی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ قمر ریش جی کے قلم سے نکھرا "تیرے پیار کی خوشبو" نے بلاشبہ ہم سب کو مسحور کر رکھا ہے۔ مکمل ناول "سبز رتوں کا موسم" حیا قریشی کی خوب صورت تحریر تھی۔ "ایک تھی زینب" شاہدہ علی نے خوب لکھا۔ عائشہ الیاس کا افسانہ "شکست" ایک حساس موضوع پہ لکھی تحریر تھی۔ بہت پسند آئی۔ ساتھ ہی ردا کی وہ سب مصنفات جو اس ماہ میں شامل تھیں اور جو نہیں تھیں ماشاء اللہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ فریح ناز رفیق، عنا حسین، ثناء کنول، امبرین ناز، طلبہ احمد، ثمینہ فیاض، انشال علی آپ سب کی تحریروں میں پختگی نظر آئی، ویلڈن۔ سنڈیلوں میں انشال علی ہمیشہ کی طرح نمایاں رہیں۔ اسی طرح عاصیہ نیازی بھی بہت عمدگی سے تبصرہ کرتی ہیں۔ باقی سلسلے ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ آخر میں ان تمام قارئین کا بے حد شکریہ جو میرے ناول کو پڑھ رہی ہیں۔ آپ سب کی تعریف اور تنقید دونوں ہی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ سب کے لیے دعائیں اور پیار۔ ہمیشہ خوش رہیں۔

رابعہ افضال خان.........کراچی

بہت ساری دعاؤں اور پرخلوص محبت سے مہکتا رابعہ افضال خان کا سلام ردا سے جڑے تمام لوگوں کو قبول ہو۔ مئی کا ردا جوں ہی ہمارے ہاتھوں میں آیا

سرورق پر موجود نازک سی اقراء ہلکے میک اپ اور بہت پیاری سی ہاتھوں پر لگی مہندی کے ساتھ رونق بکھیرتی بہت اچھی لگیں۔ پیاری سی صالحہ آپی کا "گوشہ آگہی" پڑھ کر ہم بھی کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول بھال کر پھولوں اور نیلے پانیوں میں نظر آتے سنہرے چاند کی روشنی سے سجی سپنوں کی بہت حسین وادی میں گم ہو گئے تھے۔ سچ بڑا مزا آیا (یوں بھی پھول پودے نیلا آسمان خاموشی اور تنہائی آئی لو اٹ) پھر لفظ بہ لفظ موتی بکھیرتے "ردائے جنت" سے مستفید ہوتے سلسلے وار ناول کی طرف بڑھے جن کا ہمیں ہر ماہ بڑی بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ "مجھ سے ملو میں تم کو" شازیہ جی ہر قسط پر لاجواب ہوتی ہے۔ "تیرے پیار کی خوشبو" قمروش شیخ جی ذرا زرمیل کے غصے کا گراف تھوڑا کم کروئیں (اپنے حد درجہ تیز غصے سے زرمیل صاحب کیا بیگی جی والے کی جان لیں گے) "جو عشق میں تھی وہ عشق ہی جانے" نائلہ طارق کیا بات ہے یار سبز رنگوں کا موسم جیا قریشی آئی لائک اٹ یار۔ افسانے میں فرح ناز رفیق، عما حسنین، افشاں علی، امبرین ناز، ثمینہ فیاض، شاہ کنول، عائشہ الیاس، طلعبہ احمد سب نے ہی اچھا لکھا سب کے افسانے اچھے تھے۔ "ردا کی ڈائری" میں ملالہ اسلم، ریما نور رضوان، شہلا گل سحر کا انتخاب اچھا لگا۔ FM-102 کے آر جے عدیل اقبال کا انٹرویو دلچسپ تھا۔ پڑھ کر مزہ آیا اس ماہ میں عاصمہ نیازی اور صبا سحر نے اچھا لکھا۔ ذرا ہم سے کہنا میں سب کا کلام پسند آیا۔ سندیسے میں افشاں علی، صبا عبدالغنی کا سندیسہ اچھا لگا۔ صبا عبدالغنی آپ کی واپسی پر بہت خوشی ہوئی ویلکم بیک شاہ کنول اللہ دتہ ہم آپ کے لیے دل سے دعا گو ہوں کہ خدا آپ کو صدا مسکراتا رکھے جو چاہو وہ پاؤ اور یوں ہی تمہاری زندگی کا ہر لمحہ گلاب کی مانند مہکتا رہے، آمین۔ سویٹ صبا عبدالغنی میرا سندیسہ آپ کو پسند آیا بے حد شکریہ اس کے ساتھ ہی سندیسے کی اس رونق بکھیرتی محفل سے رخصت چاہوں گی زندگی رہی تو ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی اسبہ ابیہا افضال خان کو اجازت دیجیے۔"

شاہ کنول اللہ دتہ .... لودھراں

"السلام علیکم دوستوں بہنوں صالحہ آپی نورین آپی اس بار ردا مجھے پانچ تاریخ کو بڑے انتظار کے بعد ملا۔ ٹائٹل پر اقراء بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ خاص کر اس کی مہندی واؤ یار زبردست۔ خیر کہانیوں میں اس اصول راہ دل کے درمیان حسن زرمیل جلنے کا باعث ہے پورے فگسٹ میں نے پڑھیں ہیں جو کہ اشتیاق جھٹی کی بھی کیں سب ہی طلعبہ احمد، عائشہ الیاس، سعدیہ زین کی بھی کہانیاں بہت اچھی تھی۔ بچے کرداروں سب کچھ زبردست تھا۔ سندیسوں کو [illegible] شہلا گل سحر آپ کو کیسی لگی ویلکم یار۔ شاہد علی شاہ [illegible] بہت ہی پیارا بڑا اچھا لکھا آپ نے جیا قریشی کی بات ہی اور ہے۔ اب آتی ہوں دوستوں کے پیغام کی طرف جانی ناز کی میری دوست میری جان آپکی ساری دعاؤں کا جواب اللہ ہمیشہ خوش رہو آباد مسکراتی اور میرے لیے دعا کرتی رہنا، اب ایک بات کہوں (الوں کی) پلیز کہانی لکھنا پلیز میرے لیے اس میں ہیروئن کا نام [illegible] صبا عبدالغنی کیا کہوں [illegible] نہیں ہیں صرف احساس ہیں جو میں بیان نہیں کر سکتی میرے لیے کیا ہوا ہے کانوں میں تمہیں بتا سکتی۔ صابحہ افضل خان کیسی ہو کیا کر رہی ہو سدا خوش رہو آمین۔ افشاں علی میری جان مجھے میری [illegible] وش کی تھیں تم نے میں ناراض ہوں چلو مناؤ مجھے جلدی سے (خوش رہو) بھی تو میرے نام کچھ لکھو کچھ لفظ محبت کے کچھ لفظ زندگی کے کچھ حسین، مخلص آرائی، نور بانو، فرزانہ شوکت، زاہدہ بخاری بڑا کیسی ہو آپ سب؟"

رمشا نور .... [illegible]

"السلام علیکم! پیاری پیاری سی دنیا کو ردا کی پہلی بار سمیت تمام قارئین اور رائٹرز کو پیار بھرا خلوص بھرا

سلام قبول ہو۔ صالحہ آپی نے ہمیشہ سے ردا نے لکھنے والوں کو خوش آمدید کہا ہے۔ آخر میں تمام رائٹرز سے کہوں گی کہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ نائلہ طارق، شازیہ جی اور قمروش شیخ کے ناول بہت زبردست جا رہے ہیں۔ نئے لکھنے والی فرینڈز بھی اچھا لکھ رہی ہیں اس کے علاوہ سب زبردست ہیں ردا ہر لحاظ سے ایک بہترین ڈائجسٹ ہے۔ اچھا اب بہت ساری دعاؤں کے ہمراہ اجازت چاہوں گی۔"

مہوین کنول .... کراچی

صالحہ آپی جان اور ردائے آسمان پر جھلمل کرتے ستارے یعنی رائٹرز اور قارئین و ردا اسٹاف کو مہوین کنول کا السلام علیکم! ردا کی بزم میں ہمیشہ صالحہ آپی کی تحاریر چاہے وہ "گوشہ آگہی" "ہویا" "ردائے جنت" بات ہو یا افسانہ دل کو موہ لینے والی تحریر کا مطالعہ کر کے علم میں بے حد معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ شکریہ صالحہ آپی تمام رائٹرز نے جو لکھا ہے سب ہی بہت محنت سے لکھتے ہیں ما شاء اللہ اچھا لکھتے ہیں بیسٹ آف لو آل آف یو۔ آخر میں تمام جھلمل کی کوشش کی مبارک باد قبول ہو۔ آپ کی تحریر پڑھ کر بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پڑھ کر پتا چلا کہ آپ دل کی سچی اچھی ہیں۔ ردا بے شک ہر رائٹر کا ہے۔ دعا ہے کہ ردا کی کامیابی کے قدم چومتا رہے، آمین۔"

صفیہ جمال .... کراچی

ڈیئر ردا ایڈیٹر اینڈ اسٹاف السلام علیکم! میں ردا کی خاموش قاری ہوں۔ کافی عرصے سے سب سے پہلے ردا کی تعریف کرنا چاہوں گی یہ اس گھٹن زدہ ماحول میں ردا تازگی کا ذریعہ۔ ردا کو پڑھتے وقت انسان زندگی کے دکھوں سے دور ہو جاتا ہے۔ ردا کو پڑھ کر ذہن میں لکھنے کا شوق بیدار ہوا ہے۔ ردا نئے لکھنے والوں کو موقع ضرور دیتا ہے۔ یہ بات سن کر دل خوش ہو گیا۔ نئے لکھنے والوں کو ناامیدی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا۔ یہ پڑھ کر لکھنے کا جذبہ اور بڑھ گیا اور صالحہ آپی آپ کی تحریر بہت سویٹ ہے۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ آپ کو پڑھ کر ہی حوصلہ ملتا ہے اور آپ ہر کسی کو موقع دیتی ہیں یہ جان کر دل خوشی سے جھوم اٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہمارے ردا کو بھی سلامت رکھے، آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ ردا کے لیے ہمیشہ دعا گو۔"

مصباح سکان روف اور امینہ روف .... جہلم

ردا ڈائجسٹ کے تمام لکھنے والوں، پڑھنے والوں اور اہل پاکستان کو مصباح سکان اور امینہ روف کی طرف سے ڈھیروں دعاؤں اور پیار بھرا السلام علیکم۔ امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور موسم گرما کے آغاز سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ ہم بے شک باقاعدگی سے حاضر نہیں ہو پاتے مگر باقاعدگی سے ہر ماہ کے ردا کو بڑے پیار جوش و خروش اور بڑے ہی ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں کچھ مصروفیات زندگانی ہی ایسی ہیں کہ بس کیا بتائیں۔ ہر ماہ کی تحریریں پڑھتے ہیں اور ان کی تعریف دل میں تھوڑا کر لیتے ہیں۔ ابھی اس ماہ کچھ مہلت ملی تو فوراً کاغذ قلم تھاما کہ کہیں نہ پھر دیر ہو جائے۔ ہمیشہ کی طرح پیارے ردا کی پیاری رائٹرز کی تحریریں بہت ہی پیاری اور سبق آموز ہیں۔ سبھی افسانے بھی اچھے ہیں۔ ردا کی یہی بات تو دل کو بھاتی ہے کہ نئے لکھاری یہاں سے مایوس نہیں ہوتے۔ جہاں مکمل ناول اچھے لگے وہیں ناولٹ بھی پیچھے نہ رہا۔ بندہ جو مرضی سوچتا رہے۔ گوشہ آگہی کے الفاظ دل میں اتر گئے۔ ساری بات ہی احساس کی ہے۔ انسان کو اپنی غلطیوں کا اگر اس دنیا میں ہی احساس ہو جائے تو پھر رونا کس بات کا ہے۔ تمام اشعار، غزلیں، حرف حرف کی ڈشز بہت اچھی لگیں۔ مختصر یہ کہ ہر بار کی طرح اس ماہ کا شمارہ بھی اچھا بلکہ لاجواب تھا۔ ہماری تحریر حاضری کو ہماری -

غفلت، لاپروائی یا کچھ اور نٹ کر رہا ہے گا۔ ہم تو ردا کے بڑے ہی پیار سے فین ہیں۔ جون میں میرے (مصباح) ایم اے پارٹ ٹو کے امتحان ہیں دعا کیجیے گا خیریت سے اچھے ہو جائیں۔ اچھا اب اجازت طلب کرتے ہیں رب کی رضا ہوئی زندگی نے مہلت دی سانسوں نے وفا کی تو آئندہ بھی آپ کے دروازے پر دستک دیتے رہیں گے۔ پیارے وطن کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ آپ کی مخلص مصباح مسکان اور ماہ جبیں ذوالفقار اجازت چاہتی ہیں۔"

درخشاں ضیاء .... کراچی

پیاری صالحہ آپی السلام علیکم! اللہ تعالیٰ سے آپ اور ردا کی ٹیم کی خیریت نیک مطلوب چاہتی ہوں۔ اس دفعہ بھی ردا بہت لیٹ ملا۔ ٹائٹل گرل کے ہاتھوں پر لگی مہندی بہت ہی خوب صورت تھی اپنا شعر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "گوشہ آگہی" کے یہ جملے زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گے۔ "رونے سے زندگی بھی نہیں گزرتی جینے سے سہل ہو جاتی ہے۔" "صبر والوں کے لیے بڑا اجر ہے۔" تمام ہی کہانیاں بہترین تھیں۔ افسانوں میں عما حسنین کا اصول لہو بہترین تھا۔ انہوں نے سانحہ پشاور کو اپنے قلم سے جس مثبت انداز میں لکھا وہ قابل تعریف ہے۔ عائشہ الیاس کی شکست بھی اچھی تحریر تھی۔ پیسے نے دنیا کو اپنا غلام بنالیا ہے۔ دنیاوی خواہشات میں مبتلا ہو کر خلق خدا کے حقوق ہر شخص بھول چکا ہے۔ ویل ڈن عائشہ۔ نثار کنول کی منگنی کا پڑھ کر خوشی ہوئی بہت بہت مبارکاں۔ نظمیں بھی تقریباً سبھی کی اچھی تھیں۔ اللہ پاک تمام رائٹرز کے قلم کو جاری و رواں رکھے تاکہ وہ اپنی تحاریر سے ہمیشہ ردا کو کامیاب رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ ردا سے جو پیارا رشتہ جڑا ہے وہ مزید مضبوط ہوگا۔ نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اجازت دیجیے۔"

ریشل لیزن .... لوکلاڑہ

السلام علیکم! پیاری آپی صالحہ اور پر خلوص کی نورین امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ ماہ مئی کا شمارہ مئی کی تپتی ہوئی دوپہر کو موصول ہوا بہت خوشی کا احساس دلا گیا۔ خوب صورت الفاظ سے سجا گوشہ آگہی میں صالحہ آپی نے اداسی دور کرنے کی مشق سے آگاہ کیا اور پریشان حال لڑکیوں کی ہمت و حوصلہ بڑھایا۔ آپی کی باتیں مشعل راہ ہوتی ہیں جن پر عمل کر کے زندگی کو سہل کیا جا سکتا ہے۔ اس بار بھی افسانے بہترین سبق آموز تھے۔ فرح ناز رفیق کا افسانہ "مان" شوبز کی ہستیوں کی زندگی کی عکاسی کرتا ہوا ایک سچ تھا کہ شک کی بنیاد پر کبھی بھی کوئی اچھی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ اس سے صرف پچھتاوے ہی مقدر بنتے ہیں۔ عما حسنین کی تحریر "اصول لہو" سانحہ پشاور میں شہید ہونے والے معصوم بچوں کی یاد دلا کر رلا گیا۔ افشاں! اچھے موضوع پر قلم اٹھایا آپ نے خوش رہیں۔ امبر گیلانی "حسن تو ڈھل جائے گا" حسن کیا ہر چیز کو زوال ہوتا ہے۔ کسی چیز پر انسان کو اختیار نہیں اس پر تفاخر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ بہرحال افسانہ ایک اچھا پیغام لیے ہوئے تھا۔ "ناخدا" ثمینہ فیاض کی ایک بہترین کاوش، بہت خوب تحریر کی ثمینہ جی۔ "برف زادوں کی گلی" خوب صورت عنوان والی نثار کنول کی یہ تحریر بہت پسند آئی۔ کہانی کی اینڈنگ بہت زبردست تھی۔ "شکست" عائشہ الیاس کا انداز تحریر شاندار ہے۔ کمال کی گاؤں کی منظر کشی کی گئی۔ الفاظ کا چناؤ بہترین تھا کہانی نے اداس کیا مگر اختتام لبوں پر مسکان بکھیر گیا۔ "جرم" لطیف احمد کا مختصر کہانی اہم ٹاپک پر لکھا گیا افسانہ بہت پسند آیا۔ تمام بہنوں نے خوب صورت انداز میں اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ افشاں علی، سحر حسین، صبا عباس غنی، کنیز آمنہ، قمر ونی مہک اور عائیہ نیازی کے سندیسے پسند آئے۔ اب اجازت چاہتی ہوں زندگی اور حالات نے اجازت دی تو ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی۔ اللہ حافظ۔

☆



مغلئی قیمہ

قیمہ	ایک کلو
بیسن	ایک کپ
ادرک	دو کھانے کے چمچ
چنے	5 ٹی اسپون / پسے ہوئے
[illegible]	5 ٹی اسپون / پسی ہوئی
کھوپرا	5 ٹی اسپون / پسا ہوا
سونف	5 ٹی اسپون / دونوں کو بھون لیں
جائفل جاوتری	5 ٹی اسپون
دہی	ایک کپ
لال مرچ پاؤڈر	3 ٹی اسپون
ہلدی	ون ٹی اسپون
نمک	حسب ذائقہ
پیاز	دو عدد

ترکیب: تمام مصالحے باریک پیس کر قیمے میں ملائیں۔ دہی بھی مکس کر دیں دو گھنٹے رکھ دیں۔ تیل میں پیاز براؤن کر کے قیمہ ڈالیں اور گلنے دیں جب بھون کر گوشت پکا کر رکھ دیں اور کوئلے کا دھواں دیں۔ ڈھکن بند کر دیں اوپر سے ہرا دھنیا ڈال دیں۔ دہی رائتے سلاد سے لطف اندوز ہوں گے۔

کھوپرے کا حلوہ

پسا ہوا کھوپرا	ایک پاؤ
سوجی	ایک پاؤ
چھوٹی الائچی	چھ عدد
سوکھا دودھ	ایک پاؤ
بادام پستے	آدھی آدھی پیالی
گھی	ون ٹیبل اسپون
چینی	ایک پاؤ

ترکیب: گھی میں الائچی ڈال کر براؤن کریں۔ سوجی بھون کر الگ برتن میں نکال لیں ایک باؤل میں کھوپرا چینی سوکھا دودھ پانی ڈال کر گاڑھا پیسٹ بنالیں اور سوجی میں شامل کر لیں اب تمام اجزا کو خوب اچھی طرح بھون لیں کانچ کی ڈش میں نکال کر پستے بادام کترے ہوئے سے ڈیکوریٹ کریں اور مہمانوں کے آگے پیش کریں۔

(ریحانہ حسن۔ کراچی)

حیدرآبادی بگھارے بینگن

اجزاء:

ہرے بینگن	1 کلو
تل	1 چھٹانک
کھوپرا	1 چھٹانک
مونگ پھلی	آدھا پاؤ
دہی	آدھا پاؤ

سفید زیرہ — آدھا چائے کا چمچ
کڑی پتہ — چند پتے
پسا ہوا دھنیا — 3 چائے کے چمچ
نمک — حسب منشاء
لال مرچ — حسب ذائقہ
تیل — ڈیڑھ پاؤ

ترکیب:۔ کڑاہی میں مونگ پھلی اور 1 چمچ سفید زیرہ بھون کر پیس لیں پتیلی میں تیل گرم کرکے چکن کو ہلکا سا گرم کریں پھر چکن نکال کر اس میں 1 چمچ سفید زیرہ ڈال کر بھونیں پھر کڑی پتہ اور پسے ہوئے مصالحے کو تیل میں ڈال کر بھونیں پسا ہوا دھنیا، نمک اور لال مرچ بھی شامل کریں جب مصالحہ تیل چھوڑنے لگے اس میں 2 گلاس پانی شامل کردیں۔ بھگوئی ہوئی املی بھی نچوڑ کر ڈال دیں بھنے ہوئے چکن ڈال کر 10 منٹ ہلکی آنچ پر پکائیں۔
مزیدار حیدرآبادی بگھارے چکن تیار ہیں۔
تندوری روٹی کے ساتھ پیش کریں۔
(نازیہ نعیم۔ کراچی)

چپلی کباب ویجی ٹیبل

اجزاء:۔
قیمہ — آدھا کلو
نمک — حسب ذائقہ
ادرک (پیسٹ) — 1 چائے کا چمچ
لہسن (پیسٹ) — 1 چائے کا چمچ
لال مرچ (پاؤڈر) — 1 کھانے کا چمچ
زیرہ (پاؤڈر) — 1 کھانے کا چمچ
انار دانہ — 1 کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پاؤڈر) — 1 کھانے کا چمچ
دھنیا ثابت (پاؤڈر) — 1 کھانے کا چمچ
ٹماٹر — 2 عدد (باریک کٹے ہوئے)
ہری پیاز — [illegible]
انڈے — 3 عدد
کورن فلور — آدھا کپ
تیل یا گھی — فرائی کے لیے

ترکیب:۔ قیمہ باریک پسا ہوا دھو کر چھان لیں۔ قیمہ میں سارا مصالحہ ڈال کر کم از کم دو گھنٹے سیٹ ہونے دیں۔ پیاز، ہری پیاز، انڈے اور کورن فلور ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں توے پر تیل گرم کریں اور قیمے کا بڑا سا بال بنا لیں اس کو توے پر رکھیں اور کسی چمچ کی مدد سے دبا کر پتلا کر دیں تاکہ چپلی کباب بن جائے اور چپلی لال ہونے دیں پھر دو چمچوں کی مدد سے اسے پلٹیں۔ مزے دار چپلی کباب تیار ہیں۔ لیموں اور سلاد کے ساتھ گرما گرم سرو کریں۔

چکن ہانڈی

اجزاء:۔
چکن — 1 کلو (چھوٹی بوٹی)
پیاز — 3 عدد (باریک کٹی ہوئی)
ٹماٹر — 4 عدد (باریک کٹے ہوئے)
زیتون کا تیل — [illegible]
ثابت زیرہ — 1 چائے کا چمچ
لال مرچ — 2 چائے کے چمچ
ہلدی — آدھا چائے کا چمچ
دھنیا — 1 چائے کا چمچ
نمک — ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ — 1 چائے کا چمچ
ادرک — 1 کھانے کا چمچ
لہسن — 1 کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا — آدھی گڈی (باریک کٹی)
ادرک — 1 انچ (باریک کٹی)

ہری مرچ — 6 عدد (باریک کتری)
لیموں کا رس — 2 لیموں کا

ترکیب:۔ تیل گرم کریں پیاز ڈالیں ساتھ ہی ثابت زیرہ ڈال دیں پیاز کو گولڈن ہونے دیں اس سے پہلے باریک کٹے ہوئے ٹماٹر ڈال دیں اور ڈھک دیں۔
جب ٹماٹر نرم ہو جائیں اور پیسٹ سا بن جائے تو اس میں سارے پسے ہوئے مصالحے ڈال کر بھونیں اور ساتھ ہی مرغی بھی ڈال کر بھونتے جائیں۔ مرغی کا پانی بالکل خشک ہونے تک بھونیں۔ یاد رہے مرغی کا گوشت بالکل نرم ہو جائے۔
تیل اوپر آجائے تو اسے مٹی کی ہانڈی میں ڈال دیں اوپر دھنیا، ہری مرچ، ادرک باریک کٹا ہوا اور لیموں کا رس ڈال کر ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھیں۔ 5 سے 10 منٹ کے لیے۔
گرم گرم تندوری روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

افغانی بریانی

اجزاء:۔
مٹن / بیف — 1 کلو (ہڈیوں کے ساتھ)
پیاز — 4 عدد
لونگ — 8 عدد
لہسن (پیسٹ) — 5 عدد
کالی الائچی — 4 عدد
چھوٹی الائچی — 4 عدد
گاجر — آدھا کلو
بادام — 6,7 عدد
چاول — آدھا کلو (پانی میں بھگو کر رکھیں)
پستہ — 5,6 عدد
کشمش — 6,7 عدد
زیتون کا تیل — 2 کپ
زعفران — 1 چٹکی

ترکیب: ایک پین میں پیاز سنہری کرلیں پھر اس میں گوشت مع گرم مصالحہ اور ٹماٹو (پیسٹ کے) ڈال دیں اور پین کو ڈھک کر رکھ دیں تاکہ گوشت گل جائے مصالحے کو چند منٹ بھونیں پھر آدھا کپ پانی ڈال کر پانچ سے دس منٹ پکائیں گاجر کو باریک کاٹ کر فرائی کریں پھر اس میں پستہ، بادام، کشمش، گاجر اور زعفران ڈال کر مکس کرلیں اوپر سے سبز الائچیاں چھڑک کر دیں پانی کو بیس منٹ کے لیے دم دیں اور سرو کریں۔
نوٹ: شوربے کے ساتھ بہت مزیدار لگتی ہے۔

کوکونٹ پڈنگ

اجزاء:۔
دودھ — ڈھائی کپ
سوجی — آدھا کپ
تازہ ناریل — آدھا کپ (کش کرلیں)
چینی — آدھا کپ
انڈے — 3 عدد
ونیلا ایسنس — چند قطرے
خشخاش — 2 کھانے کے چمچ

ترکیب:۔ ٹھنڈے دودھ میں سوجی، چینی اور آدھا ناریل مکس کرلیں اور چولہے پر ہلکی آنچ پر رکھ کر پکائیں الائچی کے دانے ڈال کر چمچ چلاتے جائیں جب تک گاڑھا ہو جائے۔
گاڑھا ہو جانے پر چولہے سے اتار کر اس میں بچا ہوا ناریل اور انڈے کا آمیزہ بنا کر مکس کریں ونیلا ایسنس ڈال دیں۔
تھوڑا پھینٹا ہوا انڈا اور ناریل بچا لیں اوپر چھڑکنے کے لیے پین کو گریس کریں اوون گرم کریں۔
پین میں آمیزہ ڈال کر اوپر انڈا اور ناریل بچا ہوا ڈال دیں اور خشخاش ڈال کر 30 منٹ تک بیک کریں ٹھنڈا ہونے

پرچوکور شیپ میں کاٹ کر پلیٹ میں نکال کر سرو کریں۔

آئس کریم کیک

اجزا:-

اسفنج کیک — ہاف اندر کا (پلین)
آئس کریم — 1 لیٹر (ونیلا)
بادام پستہ — آدھا کپ
چاکلیٹ — 2 بار (ڈیری ملک چاکلیٹ)
جوس — 1 گلاس
کریم — 1 پیکٹ

اسفنج کیک کے اجزاء:-

انڈے — 6 عدد
میدہ — 12 کھانے کے چمچ
بیکنگ پاؤڈر — 1 چائے کا چمچ
چینی — 12 کھانے کے چمچ (پسی ہوئی)
گھی — گریس کرنے کے لیے

اسفنج کیک کی ترکیب:-

میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو ساتھ چھان لیں۔
اوون کو پہلے گرم کریں پین گریس کریں انڈے کی سفیدی اور زردی کو الگ کرلیں۔ جس برتن میں مکس کرنا ہے اس میں سفیدی ڈال کر پھینٹیں (الیکٹرک بیٹر سے) پھر زردی ڈال کر بیٹ کریں اس کے بعد ایک ایک چمچ کرکے چینی ڈالتے جائیں اور بیٹ کرتے جائیں پھر میدہ تھوڑا تھوڑا کرکے ڈالتے جائیں اور ہاتھ سے آہستہ آہستہ مکس کریں جب اچھی طرح مکس ہوجائے تو گریسڈ پین میں ڈال کر پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں رکھ دیں پندرہ سے بیس منٹ میں بیک ہوجائے گا۔ نکال کر ٹھنڈا ہونے دیں پھر استعمال کریں۔

ترکیب:- کیک کو بیچ سے کاٹ کر جس پین میں سیٹ کرنا ہے اس میں رکھیں اور آدھا جوس ڈال دیں آئس کریم کے سلائس کرکے اس کو سیٹ کریں اوپر چاکلیٹ چھلا کر ڈالیں اوپر سے بادام پستہ ڈالیں اور سیٹ ہونے کے لیے فریزر میں رکھیں جب سیٹ ہوجائے تو اس پر کریم پھینٹ کر ڈال دیں اوپر سے چاکلیٹ چھلی ہوئی ڈالیں اور اوپر آئس کریم کی ایک اور تہہ لگا کر سیٹ ہونے کے لیے فریزر میں رکھ دیں۔
جب سیٹ ہوجائے تو کیک کا دوسرا حصہ اوپر رکھ کر بچا ہوا جوس ڈال کر سیٹ ہونے دیں پھر کریم اور چاکلیٹ ساس سے ڈیکوریٹ کریں۔

ہاٹ چکن بروسٹ

اجزا:-

چکن — 1 (درمیانے سائز کی) (4 بریسٹ کے پیس)
کالی مرچ — آدھا چائے کا چمچ
میدہ — آدھا کپ
انڈے — 2 عدد
نمک — حسب ضرورت
تیل — تلنے کے لیے
ڈبل روٹی کا چورا — 1 کپ
لہسن ادرک کا پیسٹ — 1 کھانے کا چمچ

ترکیب:- چکن کے ٹکڑوں کو نمک، کالی مرچ، لہسن ادرک کے پیسٹ اور نمک کے ساتھ میرینیٹ کرنے کے لیے ایک گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔
انڈوں کو پھینٹ لیں۔ انڈوں کو پھینٹ کر اس میں کالی مرچ اور نمک ملا دیں پھر چکن کے ٹکڑوں کو پہلے میدے میں فولڈ کریں اس کے بعد انڈوں میں اور آخر میں ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر پندرہ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں تاکہ سیٹ ہوجائے۔
آخر میں تیل میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر درمیانی آنچ پر دس منٹ تک فرائی کریں دونوں طرف سے براؤن کریں اور بروسٹ کو سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

سنگھار

جلد کی دیکھ بھال

فیس اسکرب کے بغیر بحالی

ہماری جلد پر ہر روز مردہ خلیوں کی ایک تہہ جمع ہوجاتی ہے جس کے باعث یہ بے رونق اور کھردری نظر آنے لگتی ہے۔ زیادہ تر خواتین چہرے کی کلینزنگ، ٹوننگ اور موئسچرائزنگ کی اہمیت سے تو واقف ہیں لیکن وہ اس بات سے آگاہ نہیں کہ اسکن کیئر کا یہ عمل اسکربنگ کے بغیر ادھورا رہتا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ روزانہ اسکربنگ سے چہرے کی جلد خراب ہوجاتی ہے۔ جبکہ سچ یہ ہے کہ اگر آپ باقاعدگی کے ساتھ کسی نرم اثر اسکرب سے چہرے کی اسکربنگ نہ کریں تو مردہ خلیات جمع ہوکر اسے خشک اور کھردرا بنادیں گے۔ یہ بے جان خلیے جلد کی تازگی چھین لیتے ہیں کیونکہ ان کے باعث آپ کی جلد کھل کر سانس نہیں لے پاتی۔ ماہرین کی رائے کے مطابق جلد سے مردہ خلیے اتارے بغیر کلینزنگ اور ٹوننگ کرنا وقت اور پیسہ ضائع کرنے کا سبب بنتا ہے کیونکہ مردہ خلیوں کے باعث جلد کے مسامات بند ہوسکتے ہیں اور بیکٹیریا کی افزائش کے نتیجے میں اس پر ایکنی نمودار ہوسکتی ہے۔
باقاعدہ اسکربنگ سے جلد کے مسامات بند نہیں ہوتے اور خواتین کے ذہن میں اسکربنگ سے متعلق غلط تصورات پائے جانے کی وجہ عام طور پر غلط اسکرب کا استعمال ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔
ایکسفولیٹنگ اسکربنگ کے لیے ایسا اسکرب منتخب کریں جس

جلد کے لیے

(1)۔ مسور کی دال پیس کر دہی میں ملالیں، اچھی طرح پھینٹ کر چہرے پر لگالیں، سوکھنے پر اتار دیں، جلد چمکدار ہوجائے گی۔
(2)۔ زیتون کا تیل، شہد، ہلدی اور صندل میں ملا کر چہرے پر لگائیں پندرہ منٹ بعد دھولیں یہ عمل خشک اور مرجھائی ہوئی جلد کو تازہ کرتا ہے۔

موٹاپے کے لیے

(1)۔ چربی ختم کرنے کے لیے ایک کپ نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں نچوڑ کر پی لیں جس سے جسم کی چربی پگھلتی ہے۔
(2)۔ نہار منہ شہد میں لیموں نچوڑ کر اور یہی دوپہر کو بھی استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا۔
(3)۔ کھیرے کا استعمال کثرت سے کریں۔
(4)۔ ایک چمچ سونف کے دانے لیموں کے پانی میں استعمال بھی مفید ہے۔
(5)۔ سادہ ادرک کی چائے پئیں۔
(6)۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد چہل قدمی کی جائے۔
(7)۔ گرم پانی میں شہد ملا کر پینے سے فائدہ ہوگا۔

سیدہ اسرا زیدی — کراچی

میں پپیتا اور خوبانی جیسے اجزاء کے علاوہ وٹامن اے، ای اور
ای موجود ہوں تاکہ ان کی مدد سے آپ کی جلد سورج کی
مضر شعاعوں، فضائی آلودگی اور وقت سے پہلے جھریاں
پڑنے کے عمل سے محفوظ رہے۔
☆ اپنے لیے کوئی اسکرب منتخب کرنے سے پہلے اس
بات کا اطمینان کرلیں کہ یہ آپ کی جلد کی ساخت کے
اعتبار سے مناسب ہے۔ کیونکہ ایسا اسکرب استعمال
کرنے کے نتیجے میں کہ جو آپ کی جلد کے لیے موزوں
نہ ہو، ریشز پڑ سکتے ہیں۔
☆ خوبانی بطور خاص اسکن کو نرم و ملائم اور صحت مند بنانے کی
خوبی رکھتی ہے لہٰذا ایسا اسکرب استعمال کریں جس میں
خوبانی شامل ہو۔
☆ حساس جلد کی مالک خواتین کے روزانہ استعمال کے
لیے ہلکا یا معتدل اسکرب بہتر مانا جاتا ہے۔ لہٰذا تمام
خواتین یہ بات یاد رکھیں کہ روزانہ کی جانے والی اسکربنگ
بلیک ہیڈز اور وائٹ ہیڈز صاف کرکے آپ کی جلد کو نہ
صرف تازگی کا احساس بخشتی ہے بلکہ اسے صحت مند اور ریشم کی
مانند نرم و ملائم رکھتی ہے۔ اس لیے اپنے حسن کی حفاظت
میں کسی بھی قسم کی سستی سے کام نہ لیں کہیں آپ کی جلد کی
خوبصورتی ہی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ کلینزنگ،
اسکربنگ، ٹوننگ اور موئسچرائزنگ کو اپنے روز کے معمول
میں شامل رکھیں۔ پھر دیکھیں کہ اس کے کیسے حیرت انگیز
نتائج آپ کے سامنے آتے ہیں۔

کلینزنگ

یہ بالکل سادہ اور آسان عمل ہے مگر اس کو استعمال
کرتے وقت اکثر خواتین غلطی کر جاتی ہیں۔ اس سے
کوئی بحث نہیں کہ آپ کی رنگت کس قدر خراب ہے
آپ کو ایسا کلینزر کبھی استعمال نہیں کرنا چاہیے جو آپ کی
جلد کو لال کردے۔ اگر جلد میں موجود خلیوں کو نقصان
پہنچے گا یا یہ تباہ ہو جائیں گے تو جلد اور زیادہ خراب ہو جائے
گی۔ لوشن جیسے کلینزر جو آپ کی جلد کے لیے شفاف
ہوتا ہے۔ یہ جلد کو پوری طرح صاف کرتا ہے اور اس
کے خلیوں کو نقصان بھی نہیں پہنچاتا ہے۔ اگر آپ کی
جلد اضافی توجہ چاہتی ہے جیسے کہ آپ کی جلد خشک یا
چکنی ہے تو آپ کو مزید محتاط ہونا ہوگا۔ اس کی دیکھ بھال کرنی
ہوگی۔ خشک جلد کے لیے ایسے کلینزر لیں جس میں
ایکسٹرا موئسچرائزنگ ہو۔ چکنی جلد کی حامل خواتین ایسا
کلینزر استعمال کریں جو تیل کے خلاف قوت مزاحمت
پیدا کرتا ہو۔

ٹوننگ

جس طرح ہم اپنے جسم کو شب میں سونے کے
لیے جتن کرتے ہیں اسی طرح ہماری جلد بھی شب میں کھلی
رہنا چاہتی ہے ضرورت سے زیادہ کام اور عمر کی
بڑھوتری کے ساتھ ساتھ جلد کی قدرتی لچک متاثر ہونے
لگتی ہے۔ یہ ڈھیلی پڑنے لگتی ہے اور ان پر شکنیں بھی نمودار
ہونے لگتی ہیں۔ جلد کی ٹوننگ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا
ہے کہ یہ مسام کے منہ کو بند کرنے میں مدد دیتا ہے۔ مسام کے
منہ جس قدر بڑے ہوں گے اسی قدر گرد و غبار کے جلد
کے اندر داخل ہونے کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ بیکٹیریا
بھی ان کے اندر گھس جائیں گے اور مسام بند
ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جلد پر دانے نکلنے
لگتے ہیں۔ نرمی کے ساتھ ٹوننگ کا عمل کریں اس سے
آپ کی جلد کی لچک برقرار رہے گی، جلد تر و تازہ نظر
آئے گی، مسام کے منہ چھوٹے رہیں گے اور شکنوں
کے نمودار ہونے کے عمل میں کمی آجائے گی۔ اس
مضمون میں جو پانچ مرحلے بتائے جا رہے ہیں، اکثر
خواتین اس (ٹونر) مرحلے کو نظر انداز کر جاتی ہیں مگر
یہی وہ مرحلہ ہے جو خوبصورت جلد کے لیے راستہ بناتا
ہے۔ یہ کسی سادہ کینوس کی طرح ہوتا ہے جس پر آپ
جس کی بھی تصویر بنانا چاہتی ہوں، بنالیں۔ یہ میک
اپ کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

☆---☆---☆